TEXT CUT WITHIN
THE BOOK ONLY

UNIVERSAL
LIBRARY
OU_222008
UNIVERSAL
LIBRARY

OUP—786—13-6-75—10,000.

**OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY**

Call No. 891.5-1-9 Accession No. V-5252

Author غ ش

Title شبلی کی نعر العجم

This book should be returned on or before the date last marked below.

۷۸۶
۲۹۲

# شعر العجم

## حصّہ اوّل

مصنفہ
شبلی نعمانیؒ

حسب فرمائش
سلطان بک ڈپو پھچلی کمان حیدرآباد دکن

مطبوعہ
مطبع دستگیری حیدرآباد دکن

# فہرست مضامین شعر العجم

## حصۂ اول


| مضمون | صفحہ | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|---|
| تمہید اور سبب تصنیف۔ | ۱ | سامانی عہد کے شعراء | ۱۷ |
| شعر العجم کے ماخذ۔ | ۳ | رابعہ | ۱۹ |
| فارسی زبان کے ساتھ اہل یورپ کا اعتناء | ۵ | رودکی | ۱۹ |
| شعر کی حقیقت | ۶ | رودکی کا عام انداز۔ | ۲۰ |
| شاعری کے متعلق ارسطو اور مل کی رائیں | ۸ | رودکی کے انواع شاعری۔ | ۲۲ |
| اور اصل مسئلہ کی تحقیق۔ | ۹ | دقیقی | ۳۰ |
| فارسی شاعری کی ابتداء۔ | ۱۱ | شاہنامہ کا سنگ بنیاد۔ | ۳۱ |
| فارسی شاعری ایک مدت تک کیوں وجود میں نہیں آئی۔ | ۱۱ | دقیقی کی شاعری کی نسبت فردوسی کی رائے۔ | ۳۲ |
| شاعری کے شروع ہونے کے اسباب | ۱۳ | دقیقی کا انداز کلام | ۳۳ |
| متقدمین شعراء۔ | ۱۴ | شہید بلخی | ۳۶ |
| خاندان سامانیہ | ۱۵ | ابوشکور بلخی | ۳۷ |
| | | جنازی | ۳۷ |
| | | عمارہ مروزی | ۳۸ |

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| **غزنویہ کا دور** | ۳۸ |
| سلطان محمود اور شعرا کی تربیت۔ | ۳۹ |
| **عنصری** | ۴۱ |
| عنصری کی بدیہہ گوئی۔ | ۴۲ |
| عنصری کی خصوصیاتِ شاعری۔ | ۴۴ |
| **فرخی** | ۴۹ |
| فرخی کی شاعری۔ | ۵۳ |
| زبان کی سلاست۔ | ۵۳ |
| صورت نگاری۔ | ۵۵ |
| واقع نگاری۔ | ۵۷ |
| مرثیہ گوئی۔ | ۵۹ |
| تلمیح اور صنائع۔ | ۶۱ |
| **فردوسی** | ۶۲ |
| شاہنامہ کی ابتدا۔ | ۶۳ |
| غزنین میں شعرا سے معرکہ۔ | ۶۴ |
| سلطان محمود کے دربار میں پہنچنے کی تقریب۔ | ۶۵ |
| شاہنامہ کی تصنیف پر مامور ہونا۔ | ۶۶ |
| فردوسی کے ناکامی کے اسباب۔ | ۶۷ |
| سلطان محمود کی ہجو۔ | ۷۰ |
| فردوسی کا غزنین سے نکلنا اور مختلف مقامات میں جانا۔ | ۷۱ |
| فردوسی کی وفات اور اس کی اولاد۔ | ۷۳ |
| شاہنامہ کا زمانۂ تصنیف۔ | ۷۵ |
| شاہنامہ کا تاریخی ماخذ۔ | ۷۸ |
| ایران کی قدیم تاریخیں جو عربی میں ترجمہ ہوئیں۔ | ۷۹ |
| شاہنامہ کے ماخذ کے متعلق خود فردوسی کا بیان | ۸۲ |
| شاہنامہ کی وقعت تاریخ کی حیثیت سے۔ | ۸۴ |
| اس امر کے متعلق محققین یورپ کی رائے۔ | ۸۶ |
| اسلام کے قبل جو کتابیں فارسی زبان میں تصنیف ہوئیں۔ اُن سے شاہنامہ کی مطابقت۔ | ۸۸ |
| کارنامک | ۹۱ |
| **فردوسی کی شاعری** | ۹۳ |
| شاہنامہ کی خصوصیات۔ | ۹۴ |
| پہلی خصوصیت۔ | ۹۵ |
| دوسری خصوصیت | ۹۷ |

| مضمون | صفحہ |
|---|---|
| تیسری خصوصیت۔ | ۱۰۰ |
| چوتھی خصوصیت۔ | ۱۰۰ |
| پانچویں خصوصیت۔ | ۱۰۵ |
| چھٹی خصوصیت۔ | ۱۰۹ |
| ساتویں خصوصیت۔ | ۱۱۱ |
| آٹھویں خصوصیت۔ | ۱۱۲ |
| فردوسی کی رزمیہ شاعری۔ | ۱۱۲ |
| شاہنامہ کا اثر۔ | ۱۱۵ |
| شاہنامہ کی زبان (جواب متروک ہی) | ۱۱۶ |
| **اسدی طوسی** | ۱۲۱ |
| اس خیال کی غلطی کہ اسدی نے شاہنامہ کی تکمیل کی۔ | ۱۲۲ |
| اسدی نے قصیدہ میں کیا جدت کی | ۱۲۲ |
| اسدی کی شاعری۔ | ۱۲۲ |
| **منوچہری دامغانی** | ۱۲۴ |
| منوچہری کے کلام کی خصوصیات۔ | ۱۲۵ |
| پہلی خصوصیت عرب کی تقلید۔ | ۱۲۵ |
| دوسری خصوصیت۔ | ۱۲۸ |
| مناظر قدرت۔ | ۱۲۹ |
| سراپا نگاری۔ | ۱۳۳ |
| منوچہری کی مسمطات۔ | ۱۳۵ |
| منوچہری کی تشبیہات | ۱۳۷ |
| **شاعری کا چوتھا دور** | ۱۳۸ |
| اس دور کی خصوصیات۔ | ۱۳۹ |
| **حکیم سنائی** | ۱۴۴ |
| حکیم سنائی کی خصوصیاتِ شاعری۔ | ۱۴۶ |
| پہلی خصوصیت۔ | ۱۴۶ |
| دوسری خصوصیت | ۱۴۷ |
| تیسری خصوصیت | ۱۴۸ |
| چوتھی خصوصیت | ۱۴۸ |
| پانچویں خصوصیت | ۱۵۰ |
| **عمر خیام** | ۱۵۳ |
| خیام کا فضل وکمال۔ | ۱۵۵ |
| خیام کی تصنیفات اور عربی اشعار۔ | ۱۵۶ |
| خیام کی رباعیاں اور اسکے محاسن۔ | ۱۵۷ |
| خیام کا فلسفہ۔ | ۱۶۶ |
| خیام کا فلسفۂ اخلاق۔ | ۱۷۳ |
| خیام اور یورپ | ۱۷۶ |
| **انوری** | ۱۷۶ |
| انوری کی شاعری۔ | ۱۸۴ |

| مضمون | صفحہ | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|---|
| انوری کی شاعری کے متعلق شعراء کی رائے۔ | ۱۸۵ | نظامی کی شاعری اور اُن کی خصوصیات | ۲۰۲ |
| انوری کی ترجیح کے وجوہ۔ | ۱۸۶ | تمام انواع شاعری پر قدرت۔ | ۲۰۲ |
| انوری اور ہجو۔ | ۱۸۹ | نظامی کی اوّلیات۔ | ۲۰۳ |
| انوری کے کلام میں عربیت۔ | ۱۹۱ | زور کلام۔ | ۲۰۳ |
| انوری کی مضمون آفرینی۔ | ۱۹۱ | قوتِ تخیل۔ | ۲۰۷ |
| انوری اور یورپ۔ | ۱۹۲ | استعارات و تشبیہات۔ | ۲۰۹ |
| **نظامی گنجوی** | ۱۹۳ | تشبیہات کی لطافت۔ | ۲۱۱ |
| مخزن اسرار کی تصنیف۔ | ۱۹۴ | فلسفیانہ شاعری۔ | ۲۱۵ |
| شیریں خسرو کی تصنیف۔ | ۱۹۵ | جذباتِ انسانی کا اظہار۔ | ۲۱۷ |
| لیلیٰ مجنوں۔ | ۱۹۷ | مناظر قدرت۔ | ۲۲۹ |
| سکندر نامہ۔ | ۱۹۸ | عشقیہ شاعری۔ | ۲۲۰ |
| نظامی کے قصائد اور غزل۔ | ۲۰۰ | رزمیہ شاعری۔ | ۲۲۶ |
| | | نظامی اور فردوسی کا موازنہ تا آخر کتاب۔ | ۲۳۰ |





بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

| | |
|---|---|
| حرم جویاں درے راسے پرستند | فقیہاں، دفترے راسے پرستند |
| برافگن پردہ تا معلوم گردد | کہ یاراں دیگرے راسے پرستند |

والصلوٰۃ علیٰ رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین

اسلام ایک ابرِ کرم تھا۔ اور سطحِ خاک کے ایک ایک چپہ پر برسا۔ لیکن فیض بقدر استعداد پہنچا، جس خاک میں جس قدر زیادہ قابلیت تھی۔ اُسی قدر زیادہ فیض یاب ہوئی۔ عرب۔ ایران۔ افغانستان۔ ہند۔ ترکستان۔ تاتار۔ مصر۔ شام۔ روم۔ سب اِس کے حلقہ میں آئے لیکن قبولِ اثر میں سب یکساں نہ تھے۔ فرقِ مراتب تھا۔ اور فرقِ مراتب کی حیثیتیں بھی مختلف تھیں۔ جس قوم میں جس قسم کی قابلیت تھی۔ اسلام نے اُن کو اور چمکا یا۔ ترک شجاع تھے۔ شجاع تر ہو گئے۔ ایرانی ہمیشہ سے تہذیب۔ معاشرت اور علوم و فنون میں ممتاز تھے۔ اسلام نے ان کو ممتاز تر کر دیا۔ بوعلی سینا۔ غزالی۔ رازی۔ طوسی۔ امام بخاری۔ مسلم۔ سیبویہ۔ جوہری سب ایران ہی کی خاک سے اٹھے تھے۔ آج تمام اسلامی دنیا میں ایران ہی کی تہذیب و معاشرت جاری ہے۔ ترکوں نے بڑی بڑی پُر زور سلطنتیں قائم کیں۔ لیکن دفتر کی زبان اور دربار کے دستور اور آئین سب فارسی ہی رہے۔

ایران کی خاک فنون لطیفہ کی قابلیت میں بھی سب سے ممتاز تھی۔ اور بالخصوص **شاعری** اس کا خمیر تھا۔ اسلام نے اس خاص جوہر کو زیادہ چمکایا۔ اور اس حد تک پہنچایا کہ تمام دنیا کی شاعری ایک طرف اور صرف ایران کی شاعری ایک طرف۔ لیکن افسوس یہ ہے۔ کہ آج تک کسی اسلامی زبان میں ایران کی شاعری کی کوئی ایسی تاریخ نہیں لکھی گئی۔ جس سے ظاہر ہوتا کہ شاعری کب شروع ہوئی۔ کن اسباب سے شروع ہوئی؟ کس طرح عہد بہ عہد بڑھی؟ کیا کیا انداز قائم ہوئے؟ کیا کیا صورتیں بدلیں۔ ملکی اور قومی حالتوں نے اس پر کیا کیا اثر کئے۔ خود اس نے ملک اور قوم پر کیا اثر ڈالا؟

شعراء کے تذکرے بہت ہیں لیکن وہ درحقیقت بیاض اشعار ہیں۔ جن میں شعراء کے عمدہ اشعار انتخاب کرکے لکھ دیئے ہیں۔ شعراء کے حالات اور واقعات کم اور نہایت کم ہیں اور شاعری کے عہد بہ عہد کے انقلابات اور ان کے اسباب کا تو مطلق ذکر نہیں۔ میں اسی کمی کو مدت سے محسوس کر رہا تھا۔ اور اکثر اس ادھیڑ بن میں رہتا تھا۔ مئی ۱۸۹۴ء میں میرے معزز دوست اور استاد مسٹر آرنلڈ نے مجھ کو اطلاع دی کہ جرمن کے ایک پروفیسر جیمس ڈار مسٹیٹر نے اس موضوع پر فرنچ میں ایک کتاب لکھی ہے۔ میں اس زمانے میں فرنچ زبان سیکھ رہا تھا۔ بڑے شوق سے کتاب منگوائی۔ لیکن وہ ۸۸ صفحوں کا ایک رسالہ تھا۔ جس میں شعراء کے نہایت معمولی حالات تھے۔ ایک مدت کے بعد اس مصنف کی ایک اور ضخیم کتاب شائع ہوئی۔ جو تحقیق اور تدقیق کے لحاظ سے نہایت حیرت انگیز تھی۔ لیکن وہ زبان کی تاریخ ہے جس میں ژند۔ پہلوی وغیرہ زبانوں پر نہایت محققانہ بحث کی ہے۔ اور اسلام کے قبل کی تصنیفات کا سراغ لگایا ہے۔ شاعری کی تاریخ سے اس کو لگاؤ نہیں۔

اس اثناء میں میں سررشتۂ علوم وفنون حیدرآباد کے تعلق سے **سلسلۂ کلامیہ** کی طرف متوجہ ہوا۔ اور چند کتابیں لکھیں۔ جو چھپ کر شائع ہوئیں۔ اس سلسلہ سے فی الجملہ فراغت ہوئی تو پچھلے سال پرانا خیال پھر تازہ ہوا۔ اور ۶ مارچ ۱۹۰۶ء کو میں نے اس عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔ لیکن بیچ بیچ میں **موازنہ انیس اور الندوہ** سدراہ ہوتے رہے۔ جب موازنہ سے بالکل فارغ ہوکر ہمہ تن اس کلام میں مصروف ہوا۔ اور **فردوسی** کے حال تک پہنچا تو ۱۷ مئی ۱۹۰۷ء کو صدمۂ پا کا واقعہ پیش آیا۔ یعنی اتفاق سے میرے پاؤں میں گولی لگی۔ اور پاؤں کاٹ ڈالا گیا۔ یہ بھی فردوسی

لہ شبلی نامہ سیہ را بہ جزائے عبلش پا بریدند نہ صد اخاست کہ مرے بالیست

کی کرامت تھی۔ کہ واقعہ سے ذرا پہلے **شاہنامہ** کا یہ مصرع دریدہ و بریدہ و شکست و ریخت قلم کی زبان پر تھا۔ اس حادثہ نے تین چار ہفتہ لکھنے سے معذور رکھا۔ پھر وہ سلسلہ شروع ہوا اور باوجود درد اور تکلیف کے کچھ نہ کچھ کام ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ ستمبر ۱۹۰۷ء کی چھٹی تاریخ کو دور اوّل کا پہلا حصہ انجام پذیر ہوا۔

کتاب کی اجمالی ترتیب یہ ہے کہ قدماء متوسطین و متاخرین کے تین دور ہیں۔ پہلا دور **حنظلہ** سے شروع ہو کر نظامی پر تمام ہوتا ہے۔ دوسرا کمال اسمٰعیل سے جامی تک اور تیسرا فغانی سے ابوطالب کلیم تک۔ کلیم کے بعد شاعری، شاعری نہیں رہی بلکہ چیستان گوئی بن گئی، اُن دوروں کے لحاظ سے کتاب تین حصوں پر منقسم ہے۔ **چوتھے حصہ** میں شاعری پر عام ریویو ہے۔ اور یہی حصہ، گویا کتاب کی جان، اور اس کی روح و رواں ہے۔ اس کتاب کی ترتیب میں جن کتابوں سے مدد لی گئی ہے۔ اگرچہ بہت ہیں۔ لیکن خاص طرح پر جو ذکر کے قابل ہیں۔ حسب ذیل ہیں:۔

| نام کتاب | نام مصنف | کیفیت |
|---|---|---|
| لب اللباب | عوفی یزدی | سب سے پہلا تذکرہ ہے۔ مصنف ساتویں صدی ہجری میں تھا۔ اور اپنے عہد تک کے حالات لکھے ہیں۔ پروفیسر براؤن نے تصحیح و تحشیہ کر کے شائع کیا ہے۔ |
| چہار مقالہ | نظامی عروضی سمرقندی | مصنف نظامی گنجوی کا ہمعصر تھا۔ گو مختصر سا رسالہ ہے۔ لیکن نہایت مفید باتیں لکھی ہیں۔ خود بھی باکمال شاعر تھا۔ |
| تذکرہ دولت شاہ سمرقندی | | مشہور تذکرہ ہے۔ اور گو اکثر جگہ غلطیاں کی ہیں تاہم دلچسپ اور مفید ہے۔ |
| تاریخ آل غزنین | بیہقی | مصنف مسعود بن سلطان محمد غزنوی کے زمانہ میں تھا۔ ضمناً شعراء عصر کا تذکرہ کیا ہے۔ |

| نام کتاب | نام مصنف | کیفیت |
|---|---|---|
| غرفات | اوحدی | عرفی وغیرہ کا ہم صحبت تھا۔ یہ تذکرہ ضخیم دو جلدوں میں ہے۔ حالات بھی کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں۔ |
| مے خانہ | عبدالنبی فخرالزمانی | جہانگیر کے زمانہ میں تھا۔ صرف اُن شعراء کا حال لکھا ہے۔ جنہوں نے ساقی نامے لکھے۔ تمام تذکروں کی نسبت زیادہ مفصل ہے۔ اور اپنے ہمعصروں کا حال نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ |
| تذکرۃ الشعراء | میرزا طاہر نصیرآبادی | ۱۰۸۳ھ کی تصنیف ہے۔ |
| مآثر رحیمی | عبدالباقی نہاوندی | مصنف خان خانان عبدالرحیم کا درباری تھا۔ کتاب اصل میں خان خانان کی سوانحعمری ہے ضمن میں تمام شعرائے خان خانانی کے حالات بھی لکھے ہیں۔ اور تمام تذکروں کی نسبت زیادہ مفصل اور صحیح لکھے ہیں۔ |
| مرآۃ الخیال | شیرخاں لودی | چھپ گیا ہے۔ |
| ہفت اقلیم | امین رازی | جہانگیر کے عہد میں لکھا گیا، مستند اور معتبر ہے ۹۹۳ھ کی تصنیف ہے۔ |
| تذکرہ میرتقی کاشی | | |
| تذکرہ سامی | سام میرزا صفوی | خاندان صفویہ کا شہزادہ اور جہانگیر کا معاصر تھا |
| حبیب السیر | | معتبر کتاب ہے مصنف جہانگیر کے عہد میں تھا۔ |
| ریاض الشعراء | والہ داغستانی | |
| سرو آزاد | مولوی غلام علی آزاد | شعرائے عہد تیموریہ کا تذکرہ ہے۔ |
| یدِ بیضا | 〃 〃 | عام تذکرہ ہے۔ |
| خزانۂ عامرہ | 〃 〃 | صرف اُن شعراء کا حال ہے۔ جن کو مدح کے معاوضہ میں صلہ ملا۔ |

| نام کتاب | نام مصنف | کیفیت |
|---|---|---|
| مجمع النفائس<br>مجمع الفصحاء | خان آرزو<br>ہدائت قلی خاں | حال کی تصنیف ہے۔ شعراء کا کلام نہائت کثرت سے جمع کیا ہے۔ |

شعراء کے کلیات اور دیوان جس قدر نظر سے گزرے اُن کی فہرست اس قدر لمبی ہے کہ کئی ورق صرف ہوں گے۔ اس لئے قلم انداز کرتا ہوں۔

عجیب بات یہ ہے کہ یورپ نے فارسی زبان کے ساتھ مسلمانوں سے زیادہ اعتنا کیا، مسلمانوں کو اسلام سے قبل فارسی زبان کی ایک تصنیف کا بھی پتہ معلوم نہ تھا۔ لیکن یورپ نے ان تصنیفات کا اس قدر سرمایہ جمع کر لیا کہ زردشت سے لے کر نوشیرواں کے عہد تک زبان کی پوری تاریخ مرتب ہوگئی۔

پروفیسر وارمسٹیٹر جرمنی نے فرنچ زبان میں ایک ضخیم کتاب لکھی جس میں کیومرث سے لے کر اسلام کے عہد تک چار دور قائم کئے۔ اور ہر دور کی زبان کی نحو و صرف لغات الفاظ و تغیرات پر مفصل ریویو لکھا۔ (یہ کتاب ہماری نظر سے گزری ہے۔) یورپ کے اور محققین نے خاص خاص زبانوں پر مستقل تصنیفات لکھیں۔ خصوصاً اوستا اور ژند کی زبان کے متعلق اس قدر کثرت سے معلومات مہیا کئے۔ کہ نکتہ نکتہ حل ہوگیا۔ اکثر اساتذہ کے دیوان جو نایاب تھے۔ اُن کو بڑی کوشش اور تلاش سے بہم پہنچا کر تصحیح و تحشیہ کے ساتھ چھاپا۔ منوچہری کے قصائد ایران میں نہایت ناتمام اور غلط سلط چھپے تھے۔ لیکن فرانس میں اس اہتمام سے چھاپا کہ دیکھ کر آنکھیں روشن ہوتی ہیں۔ اس کے ساتھ فرنچ میں اس کا ترجمہ بھی چھاپا۔ اور لغات و اصطلاحات کی علیحدہ فرہنگ لکھی۔ اسی طرح رُوس کے پروفیسر والن ٹن ژدکوسکی نے انوری کے قصائد چھاپے۔ اور دیباچہ میں انوری کی سوانح اور کلام پر ریویو لکھا۔ پروفیسر نولدیکی نے خاص شاہنامہ کے تاریخی ماخذوں پر ایک مستقل کتاب جرمنی زبان میں لکھی۔ شعراء کے بہت سے تذکرے لکھے گئے جن میں سے سرگور اوسلی کا تذکرہ عام طور پر مشہور ہے۔ سب سے زیادہ مکمل اور جامع کتاب پروفیسر

**براؤن** نے لکھی جو کیمبرج کالج کے فارسی لکچرار ہیں۔ اس کتاب[1] کے دو حصے شائع ہو چکے ہیں۔

ان کوششوں کے علاوہ قدیم فارسی زبان کی اصل کتابیں بہم پہنچائیں اور چھاپ کر شائع کیں۔ آج مسلمانوں کے پاس پہلوی زبان کا ایک حرف موجود نہیں لیکن یورپ نے پہلوی زبان کی بہت سی تصنیفات شائع کیں۔ جن میں سے ایک کتاب **یات زریران** حضرت عیسیٰ سے پانچ سو برس قبل کی تصنیف ہے۔

ان تصنیفات میں سے بعض بعض میری نظر سے گزریں، اور جن سے فائدہ اٹھا سکنا ممکن تھا۔ میں نے فائدہ اٹھایا، لیکن ان تمام باتوں پر بھی یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ کتاب کے لکھنے کا جو حق تھا پورا ہوا۔ قدیم واقع نگاروں اور تذکرہ نویسوں نے جو کمی کی وہ آج کیونکر پوری ہو سکتی ہے ؎

| | |
|---|---|
| گیرم کہ طرز نوشتن نشد از یاد | پیداست کہ با ایں سر سماں چہ نویسم |

# شعر کی حقیقت

چونکہ ایک مدت سے علم کی کمی اور طبیعتوں کی بدمذاقی نے شعر کی حقیقت پر پردہ ڈال دیا ہے۔ اس لئے ضرور ہے۔ کہ پہلے شعر کی حقیقت سے بحث کی جائے۔ تاکہ ایک صحیح معیار قائم ہو جس سے ایران کی شاعری کا اندازہ کیا جائے[2]۔

شاعری کی حقیقت اور اس کی ماہیت پر سب سے پہلے ارسطو نے بحث کی چنانچہ اس نے خاص اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی۔ جس کا نام بوطیقا (پوئیٹری) ہے اس کتاب کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا اور ابن رشد نے اس کی تلخیص کی۔ اس تلخیص کے جستہ جستہ حصے پروفیسر شیخو لوئیس نے اپنی کتاب علم الادب میں جو بیروت میں چھپ گئی ہے۔ شامل کئے ہیں۔ افسوس ہے کہ چونکہ مسلمانوں نے ارسطو کی ادبی تصنیفات کی طرف التفات نہیں کیا۔ اس لئے شاعری کے متعلق ارسطو کے جو خیالات تھے۔ وہ مسلمانوں میں بالکل پھیل نہ سکے۔

---

[1] اس کتاب کا نام لٹریری ہسٹری آف پرشیا ہے۔ اور لندن میں ۱۹۰۳ء میں چھاپی گئی ہے ۱۲

[2] شاعری کی حقیقت پر ہم نے جو کچھ لکھا ہے۔ نہایت اجمالی لکھا ہے۔ اس کے متعلق اس قدر مواد موجود ہے۔ کہ ایک مستقل کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

**شعر کی عام تعریف**

کتب ادبیہ میں شاعری کی جو تعریف کی گئی ہے۔ اور وہی عام و خاص کی زبانوں پر جاری ہے۔ یہ ہے کہ "کلام موزوں ہو۔ اور متکلم نے بہ ارادہ موزوں کیا ہو"۔ لیکن یہ تعریف درحقیقت عامیانہ تعریف ہے۔ آج تو یہ مسئلہ بالکل فیصل ہو چکا ہے۔ لیکن قدماء کے کلام میں بھی اس کے اشارے بلکہ تصریحات پائی جاتی ہیں۔ کہ شاعری صرف وزن و قافیہ کا نام نہیں۔

**شعر صرف وزن و قافیہ کا نام نہیں**

کتب ادبیہ میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ حضرت حسان بن ثابت کے صغیر السن بچے کو بھڑ نے کاٹ کھایا۔ وہ حسان کے سامنے روتا ہوا آیا۔ کہ مجھ کو ایک جانور نے کاٹ کھایا ہے۔ حسان نے جانور کا نام پوچھا۔ وہ نام سے واقف نہ تھا۔ حسان نے کہا اچھا اس کی صورت کیا تھی؟ بچے نے کہا "کانہ مُلتفٌ ببردی حیرۃ" یعنی "گویا یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ مخطط چادروں میں لپٹا ہوا ہے"۔ چونکہ بھڑ کے پروں پر رنگین، دھاریاں ہوتی ہیں۔ اس لئے اُس نے مخطط چادر سے تشبیہ دی۔ **حسان** اچھل پڑے اور خوشی کے جوش میں کہا کہ "واللہ صار ابنی الشاعر" یعنی خدا کی قسم میرا بیٹا شاعر ہو گیا، فقرہ موزوں نہ تھا۔ لیکن چونکہ نہایت عمدہ تشبیہ تھی۔ حسان نے سمجھا کہ بچے میں شاعری کی قابلیت موجود ہے۔ اس لئے اندازہ ہوتا ہے کہ اہل عرب کے نزدیک شعر کی اصلی حقیقت کیا تھی؟ ابن رشیق قیروانی نے عرب کی شعر و شاعری پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ اس میں شعراء اور علمائے ادب کے جو اقوال نقل کئے ہیں۔ ان سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے۔

شعرائے فارس کے نزدیک بھی شاعری در اصل تخیل کا نام تھا۔ نظامی عروضی سمرقندی جو خود بہت بڑا شاعر اور نظامی گنجوی کا معاصر تھا۔ اپنی کتاب **چہار مقالہ** میں لکھتا ہے۔

"شاعری صناعتے است کہ شاعر بداں صنعت الساق مقدمات موہومہ کند والتیام قیاس نتیجہ بر آں وجہ کہ معنی خرد را بزرگ کند۔ وبزرگ را خرد، نیکو را در لباس زشت وزشت را در حلیہ نیکو جلوہ دہد، وبا ایہام قوت غضبانی و شہوانی برانگیزد تا بداں ایہام طبائع را انبساط و انقباضے بود و امور نظام را در نظام عالم سبب گردد"۔

اس تعریف کا ماحصل یہ ہے کہ شاعری اس کا نام ہے۔ کہ مقدمات موہومہ کی ترتیب سے اچھی چیز بدنما اور بُری چیز خوش نما ثابت کی جائے۔ جس سے محبت و غضب کی قوتیں مشتعل ہو جائیں۔

یورپ کے محققین کے نزدیک شعر کی ماہیت

یہ قدما کے اقوال وخیالات تھے۔ یورپ کے نکتہ سنجوں نے اس مسئلہ پر نہایت دقیق بحثیں کی ہیں۔ اور عجیب عجیب نکتے پیدا کئے ہیں مل نے اس پر ایک نہایت مفصل اور بسیط مضمون لکھا ہے۔ جس کا نہایت مختصر خلاصہ حسب ذیل ہے

"انسان کے مدرکات میں سے بعض ایسے ہیں جن سے جذبات انسانی کو کچھ تعلق نہیں مثلاً اگر ہم اقلیدس کا کوئی مسئلہ حل کریں تو اس سے ہم کو غصہ یا جوش یا رنج نہیں پیدا ہوگا۔ لیکن اگر ہمارے سامنے کسی شخص کی مصیبت کا حال، درد انگیز لفظوں میں بیان کیا جائے تو اس واقعہ کے ادراک کے ساتھ ہم پر ایک اثر طاری ہوگا۔ اس قسم کے اثروں کا نام جذبات یا احساسات ہے۔ اور جو چیز ان جذبات یا احساسات کو برانگیختہ کرسکتی ہے۔ وہی شاعری ہے۔ اس تعریف کی بنا پر تصویر۔ تقریر۔ وعظ بھی شعر میں داخل ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں بھی جذبات انسانی کو برانگیختہ کرسکتی ہیں۔ اسی بنا پر بعضوں نے ان چیزوں کو بھی شاعری میں داخل کرلیا ہے۔ لیکن مل صاحب کے نزدیک یہ چیزیں شاعری کے دائرہ سے باہر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان جو کلام کرتا ہے۔ اس کی غرض کبھی تو دوسروں پر اثر ڈالنا ہوتا ہے۔ مثلاً اسپیچ۔ لیکچر وغیرہ کہ ان سب کا مقصد دوسروں کو متاثر کرنا ہوتا ہے کبھی دوسروں سے مطلق غرض نہیں ہوتی۔ بلکہ انسان محض اپنے آپ سے خطاب کرتا ہے اور اور اپنا آپ ہی مخاطب ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص کا بیٹا مرجائے تو اس حالت میں اس کی زبان سے جو الفاظ نکلیں گے۔ اس کی غرض کسی شخص یا گروہ کو مخاطب کرنا نہ ہوگا۔ بلکہ وہ اپنا آپ مخاطب ہوگا۔ فرض کرو وہاں کوئی شخص موجود نہ ہو تب بھی وہی الفاظ اس کی زبان سے نکلیں گے۔ شاعری اسی قسم کے کلام کا نام ہے" اس بنا پر شاعری کی تعریف منطقی طور پر کرنا چاہیں۔ تو یوں کہیں گے کہ جو کلام اس قسم کا ہو کہ اس سے جذبات انسانی برانگیختہ ہوں اور اس کا مخاطب حاضرین نہ ہوں بلکہ انسان خود اپنا آپ مخاطب ہو۔ اس کا نام شاعری ہے"

مل صاحب کی یہ تعریف اگرچہ نہایت باریک بینی پر مبنی ہے لیکن اس سے شاعری کا دائرہ نہایت تنگ ہوجاتا ہے۔ اور اگر اسی کو معیار قرار دیا جائے تو فارسی اور اردو کا دفتر بے پایاں بالکل بیکار ہوجائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ شعر کا دائرہ نہ اس قدر تنگ ہے جیسا مل صاحب کرنا چاہتے ہیں اور نہ اس قدر وسیع جتنا ہمارے علمائے ادب نے کیا ہے۔

**شعر کی اصلی حقیقت** شعر (جیسا کہ ارسطو کا مذہب ہے) ایک قسم کی مصوری یا نقالی ہے۔ فرق یہ ہے۔ کہ مصور صرف مادی اشیاء کی تصویر کھینچ سکتا ہے۔ بخلاف اس کے شاعر ہر قسم کے خیالات جذبات اور احساسات کی تصویر کھینچ سکتا ہے۔

ایک شخص کا عزیز دوست جدا ہو رہا ہے۔ اس حالت میں جو اس پر صدمے گزرتے ہیں۔ اور دل و دماغ میں جو طوفان اُس کے دل میں اٹھتا ہے۔ شاعر اس کی تصویر اس طرح کھینچ سکتا ہے۔ کہ اگر رنج و غم مادی چیزیں ہوتیں اور اُن کی تصویر کھینچی جاتی تو وہی ہوتی جو شاعر نے الفاظ کے ذریعہ سے کھینچی تھی۔

اِس بنا پر کسی چیز کا بیان جب اِس طرح کیا جائے۔ کہ اُس شئے کی اصلی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے، تو اُس پر شعر کی تعریف صادق آئے گی۔ دریا کی روانی جنگل کا سناٹا۔ باغ کی شادابی، سبزہ کی مہک، خوشبو کی لپٹ، نسیم کے جھونکے، دھوپ کی شدت، گرمی کی تپش، جاڑوں کی ٹھنڈ صبح کی شگفتگی، شام کی دلاویزی یا رنج۔ غم۔ غیظ غضب۔ جوش۔ محبت۔ افسوس۔ حسرت خوشی ان اشیاء کا اس طرح بیان کرنا کہ اُن کی صورت آنکھوں میں پھر جائے یا وہی اثر دل پر طاری ہو جائے یہی **شاعری** ہے۔

ایک اور پیرایہ میں شاعری کی تعریف کی جا سکتی ہے۔

دنیا میں جس قدر قدرت کے مظاہر ہیں، خواہ مادی ہوں مثلاً پہاڑ۔ بیابان۔ باغ دریا وغیرہ خواہ غیر مادی، مثلاً وصل۔ ہجر۔ تحسین۔ نفرین ان سب سے دل پر اثر پڑتا ہے اور ہر شخص کے دل پر پڑتا ہے لیکن اثر کے مراتب متفاوت ہیں بعض اشخاص پر کم بعض پر زیادہ اور بعض پر بہت زیادہ ہوتا ہے۔ جو شخص ان مظاہر قدرت سے عام لوگوں کی نسبت زیادہ متاثر ہو اور بعینہٖ اس اثر کو الفاظ سے ادا بھی کر سکتا ہو وہی شاعر ہے۔

شاعر کے جذبات اور احساسات، فطرتاً نہایت نازک، لطیف اور سریع الاشتعال ہوتے ہیں۔ دوست کی جدائی ہر شخص کے دل پر اثر کرتی ہے۔ لیکن شاعر اس موقع پر بالکل بیتاب ہو جاتا ہے۔ دریا کی روانی سے ہر شخص محظوظ ہوتا ہے لیکن شاعر پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ سبزہ کے دیکھنے سے ہر شخص کو فرحت ہوتی ہے۔ لیکن شاعر جھومنے لگتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس درجہ کی کیفیت دوسروں پر بھی طاری ہو لیکن وہ لوگ اس کیفیت کو الفاظ کے ذریعہ سے اس طرح ادا نہیں کر سکتے جس طرح شاعر کر سکتا ہے۔

حاصل یہ کہ جو شخص واقعات اور مظاہر قدرت سے اور لوگوں کی بہ نسبت زیادہ متاثر ہو اور اس اثر کو الفاظ کے ذریعہ سے پورا پورا ظاہر کر سکتا ہو۔ وہی **شاعر** ہے۔

برادر عزیز مولوی **حمید الدین** نے جہرۃ البلاغۃ فن بلاغت میں ایک نادر کتاب لکھی ہے۔ اس میں شعر کی حقیقت نہایت نکتہ سنجی سے بیان کی ہے۔ اس کا خلاصہ ذیل میں ہے

"شاعر کے لفظی معنے صاحب شعور کے ہیں۔ شعور اصل میں احساس (**فیلنگ**) کو کہتے ہیں یعنی شاعر وہ شخص ہے جس کا احساس قوی ہو۔ انسان پر خاص خاص حالتیں طاری ہوتی ہیں مثلاً رونا، ہنسنا۔ انگڑائی لینا یہ حالتیں جب انسان پر غالب ہوتی ہیں تو اُس سے خاص خاص حرکات صادر ہوتی ہیں۔ رونے کے وقت آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ ہنسی کے وقت ایک خاص آواز پیدا ہو جاتی ہے۔ انگڑائی میں اعضا تن جاتے ہیں۔ اسی طرح شعر بھی ایک خاص حالت کا نام ہے۔ شاعر کی طبیعت پر رنج، یا خوشی، یا غصہ، یا استعجاب کے طاری ہونے کے وقت ایک خاص اثر پڑتا ہے۔ اور یہ اثر موزوں الفاظ کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی کا نام **شاعری** ہے۔

حیوانات پر جب کوئی جذبہ طاری ہوتا ہے۔ تو مختلف قسم کی آوازوں کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً شیر کی گونج، طاؤس کی چنگھاڑ، کوئل کی کوک، بلبل کا ترانہ، اسی طرح انسان پر جب کوئی جذبہ طاری ہوتا ہے۔ تو الفاظ کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور جس طرح حیوانات کے جذبات کبھی حرکات کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ مثلاً طاؤس ناچنے لگتا ہے۔ سانپ جھومتا اور لہراتا ہے۔ اسی طرح انسان کو چونکہ نطق کیساتھ نغمہ کا ملکہ بھی عطا ہوا ہے۔ اس لئے موزوں الفاظ منہ سے نکلتے ہیں۔ اور ساتھ ہی انسان غنگنانے بھی لگتا ہے۔ اور جب یہ جذبہ زیادہ تیز ہو جاتا ہے۔ تو انسان ناچنے لگتا ہے۔ یہ سب باتیں جمع ہو جائیں تو یہی اصلی **شعر** ہے۔ اس بیان سے ظاہر ہوگا کہ شعر الفاظ، وزن، نغمہ اور رقص کے مجموعے کا نام ہے۔

لیکن چونکہ یہ تمام چیزیں جذبات کی کمال شدت کے وقت پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے ہر شعر میں ان تمام چیزوں کا پایا جانا ضرور نہیں تاہم کوئی شعر راگ سے خالی نہیں ہو سکتا وزن جو شعر کا ایک ضروری جزو ہے۔ راگ کی ایک قسم ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اہل عرب ہمیشہ اشعار کو گا کر پڑھتے تھے، شعر کے پڑھنے کو جو اہل عرب **انشاد** کہتے ہیں۔ اس کی یہی وجہ ہے۔

کیونکہ انشاد کے اصلی معنے گانے کے ہیں۔

ارسطو نے اس بحث میں سخت غلطی کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ شاعری کے جذبے کے وقت انسان جو گانے یا ناچنے لگتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نغمہ اور رقص، ایک قسم کی مصوری ہے یعنی انسان کے دل میں جو جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ آواز اور حرکات کے ذریعہ سے اُن کی تصویر کھینچتا ہے۔ چنانچہ رقاص جو کچھ گاتے ہیں۔ حرکاتِ رقص کے ذریعہ سے اس کو بتاتے جاتے ہیں۔

لیکن ارسطو کا یہ خیال غلط ہے۔ اصل یہ ہے کہ جذباتِ انسانی مثلاً رنج، خوشی وغیرہ انسان کے دل میں نہایت پُرزور حرکت پیدا کر دیتے ہیں۔ یہی حرکت آواز، یا راگ یا رقص، یا تڑپ بن جاتی ہے۔ مثلاً انسان کو جب ہنسی آتی ہے۔ تو دل میں ایک حرکت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہی حرکت ہنسی بن جاتی ہے۔ اور چونکہ یہ آثار، حرکات نفسانی کے مشابہ ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ حرکات نفسانی پر اسی طرح دلالت کرتے ہیں جس طرح الفاظ، معانی پر دلالت کرتے ہیں۔ غرض جس طرح نطق، ایک فطری چیز ہے۔ اسی طرح یہ اشارات و حرکات بھی خود بخود سرزد ہوتے ہیں، وہ نقالی اور محاکات کی غرض سے نہیں کئے جاتے، گو یہ ممکن ہے کہ محاکات کا مقصد اس سے حاصل ہو جائے۔

ان تمام خیالات سے تم کو شاعری کی حقیقت کا کچھ اندازہ ہوا ہوگا۔ اور معلوم ہوگا کہ آجکل جس چیز کا نام شاعری ہے اس کو شاعری سے کچھ تعلق نہیں۔

# فارسی شاعری کی ابتدا

اس قدر عموماً مسلم ہے کہ اسلامی دور میں شاعری تیسری صدی سے شروع ہوتی ہے۔ ابوالعباس مروزی کے اشعار جن کا ذکر آگے چل کر کہیں آئے گا۔ اگر روایتاً ثابت بھی ہوں تو وہ ایک اتفاقیہ تفریح خاطر تھی۔ جو سلسلۂ تاریخی کی کوئی کڑی نہیں بن سکتی۔

**شروع اسلام سے کئی سو برس تک فارسی شاعری کیوں وجود میں نہیں آئی**

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ دو سو برس تک شاعری کی زبان کیوں بند رہی۔ فارسی تذکرہ نویسوں نے اس کے اسباب یہ بتائے ہیں "ظاہر است کہ اشعار قدیم اشعرائے عجم بسبب غلبۂ عرب از میان رفتہ چنانکہ مشہور است کہ تمام کتب و تواریخ عجمیاں را عرب سوختند۔ از کتب قدیمہ چیزے

برجانگذاشتہ الا قلیلے کہ پنہاں داشتند، چوں مردم را قدغن بلیغ نمودند قاعدہ سخن فارسی وشعر متروک شد، تا مدتے گذشت واوضاع بنوع دیگر گشت"۔

یہ **مجمع الفصحاء** کی عبارت تھی جو زمانہ حال کا سب سے بڑا مستند تذکرہ ہے۔ اور ناصر الدین قاچار مغفور کے عہد میں ۱۲۴۸ھ میں تصنیف ہوا ہے۔ یہ خیال اصل میں دولت شاہ کے تذکرے سے ماخوذ ہے۔ اس نے یہ روایت نقل کی ہے۔ کہ "عبداللہ بن طاہر نے حکم دیا تھا کہ ایران کی تمام کتابیں برباد کر دی جائیں اس بنا پر آل سامان کے زمانے تک فارسی شاعری نے ظہور نہیں کیا"۔

ان بزرگوں کی تاریخ دانی کی داد دینے کا یہ موقع نہیں، اس کے لئے ہمارے مضمون **تراجم** کو دیکھنا چاہیئے جو **رسائل شبلی** کے ساتھ چھپ کر شائع ہوا ہے۔ لیکن استدلال کس قدر لطیف ہے۔ یعنی چونکہ ایران کی قدیم کتابیں برباد کر دی گئیں، اس لئے اہل عجم فارسی میں شعر بھی نہ کہہ سکے۔ اسلام نے ملکی زبان سے کبھی کچھ تعرض نہیں کیا، حضرت عمرؓ کے عہد سے حجاج بن یوسف کے زمانہ تک تمام دفاتر فارسی زبان میں تھے، حجاج کے زمانے سے عربی میں ہو گئے، لیکن ملک کی اصلی زبان وہی رہی، رفتہ رفتہ فارسی عربی مخلوط ہو کر اردو کی طرح ایک جدید زبان پیدا ہو گئی، اور وہ گویا خاص اسلامی زبان تھی۔ جب خود فارسی زبان سے کسی قسم کے تعصب کا اظہار نہیں کیا گیا، تو فارسی شاعری نے کیا گناہ کیا تھا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ اسلام جس قوم میں پھیلتا تھا۔ اس کو مذہبی اثر سے اس قدر لبریز کر دیتا تھا کہ اس کو سوائے مذہب کے دنیا کی کسی چیز سے سروکار نہیں رہتا تھا، خود عرب کو دیکھو، وہ ملک جس کے در و دیوار سے شاعری کی آواز آتی تھی، اسلام کے آتے ہی دفعتہً چاروں طرف سناٹا سا چھا گیا۔ **ولید** کے زمانے سے جب شاہانہ در و دربار قائم ہوا تو لوازم سلطنت کی حیثیت سے شاعری نے دوبارہ جنم لیا لیکن تخت کی زبان عربی تھی۔ اس لئے شاعری بھی عربی میں ہی رہی۔ شعراء جو مدحیہ قصائد کے ذریعہ سے زندگی بسر کرتے تھے فارسی میں شاعری کرتے تو ممدوح ان کی زبان کیونکر سمجھتا، اور نہ سمجھتا تو اُن کی داد کیا دے سکتا، اتنے سہارے سے کہ مامون الرشید ایک مدت تک خراسان میں رہا تھا۔ اور غالباً فارسی سے حرف آشنا ہو گیا تھا۔ عباس مروزی نے ایک قصیدہ فارسی میں لکھا اور

مامون الرشید نے اس کے صلے میں ہزار دینار سالانہ مقرر کر دیئے۔ ارباب تذکرہ لکھتے ہیں، کہ اسلامی عہد میں فارسی شاعری کا یہ پہلا حرف تہجی تھا۔ اس سے پہلے اگر برائے نام کچھ پتہ چلتا ہے تو ابو حفص حکیم سعدی کا شعر ہے جو پہلی صدی ہجری میں موجود تھا، شعر یہ ہے ؎

| | |
|---|---|
| آہوے کوہی در دشت چگونہ دودا | وندار دیار بے یار چگونہ بودا |

ایک اور بڑا سبب یہ ہوا، کہ چند ہی روز میں اسلام نے اپنے خاص علوم و فنون ادب و انشا کا سرمایہ اس قدر وسیع کر لیا تھا، اور ہر شاخ میں وہ اختراعات اور جدتیں پیدا کی تھیں کہ اس کے سامنے تمام قوموں کو اپنا قدیم لٹریچر، ہیچ اور بے وقعت نظر آتا تھا۔ دوسری تیسری صدی ہجری میں اسلام کی جہاں جہاں حکومتیں قائم ہوئیں، یعنی ایران مصر، شام۔ اندلس۔ ان تمام ممالک میں اسلامی علوم و فنون نے مفتوحہ قوموں کے علوم و فنون کو بالکل ماند کر دیا۔ اس لئے عرب کی شاعری کے آگے، دوسری قوموں کو اپنی زبان میں شاعری کرتے شرم آتی تھی۔ خراسان، مصر، وشام وغیرہ میں سینکڑوں ہزاروں شعراء پیدا ہو گئے تھے۔ لیکن جو کچھ کہتے تھے عربی ہی میں کہتے تھے، چنانچہ ثعلبی نے یتیمۃ الدہر میں اُن عجمی شعراء کا مفصل تذکرہ لکھا ہے۔

تیسری صدی ہجری میں دولت عباسیہ کا آفتاب اقبال ڈھلنا شروع ہوا۔ اور بڑے بڑے صوبے خود مختار ہو کر نئی نئی حکومتیں قائم ہونے لگیں، اس قسم کی سب سے پہلی سلطنت جو قائم ہوئی وہ خاندان **طاہریہ** تھا، جو مامون الرشید کے مشہور سپہ سالار طاہر ذوالیمینین کی طرف منسوب ہے۔ یہ خاندان جو ۵۴ برس حکمران رہا اور ۲۵۹ھ میں اس کا خاتمہ ہو گیا، اگرچہ خود مختاری کا مدعی نہ تھا۔ لیکن خراسان میں اس کا اس قدر زور اور اقتدار ہو گیا تھا۔ کہ خود مختاری کے تمام سروسامان پائے جاتے تھے، دربار میں شعراء کا ہونا بھی ضرور تھا، اس لئے باوجود اس کے کہ یہ خاندان فارسی زبان سے بہت کم آشنا تھا، تاہم بہت سے شعراء پیدا ہو گئے۔ منوچہری دامغانی نے ایک قصیدے میں متقدمین شعراء کا ذکر کیا ہے۔ ؎

| | |
|---|---|
| بوالعلاء و بوالعباس و بوسلیک و بوالمثل | آنکہ آواز نوائے آنکہ آواز ہری |

از حکیمان خراساں کو شہیر و رودکی بوشکور و بلخی و بوالفتح بستی و بکذی

ان شعروں میں جن شعراء کے نام آئے ہیں۔ ان میں طاہریہ شعراء بھی ہیں۔ یعنی حنظلہ بادغیسی۔ محمود وراق فیروز مشرقی۔

**خنظلہ بادغیسی** یہ سب سے پہلا شخص ہے۔ جس نے باقاعدہ شاعری اختیار کی ۲۱۹ھ میں انتقال کیا، عروضی سمرقندی کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ صاحب دیوان تھا، چند اشعار یہ ہیں ۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| یارم سپند گرچہ بر آتش ہمے فگند | | از بہر چشم نا نرسد مرد را گزند | |
| او را سپند و مجمرہ ناید ہمے بکار | | با روئے ہمچو آتش و با خال چوں سپند | |

یعنی میرا معشوق نظر بد سے بچنے کے لئے آگ پر سپند جلاتا ہے۔ لیکن اس کو اس کی کیا حاجت ہے۔ اس کا چہرہ خود آگ، اور اس کا تل خود سپند ہے۔ خنظلہ نے ۲۱۹ھ میں وفات پائی۔

**محمود وراق** محمد بن طاہر جو خاندان طاہر کا سب سے اخیر فرمانروا تھا۔ یہ اس کے زمانے میں تھا۔ مجمع الفصحا میں اس کے یہ دو شعر نقل کئے ہیں ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| نگارنیا بنقد جانت ندہم | | گرانی در بہا، از زانت ندہم | |
| گرفتم بہ جان، دامان وصلت | | نہم جان از کف و دامانت ندہم | |

**فیروز مشرقی** اصل میں مین کا رہنے والا تھا ۲۸۳ھ میں وفات پائی۔ اس کے چند اشعار یہ ہیں۔ ؎

| | | | |
|---|---|---|---|
| مرغی است خنگ او عجب دیدی | | مرغے کہ ننگ او ہمہ جانا | |
| دادہ پر خویش گرگسش ہدیہ | | تا بچہ اش را بردبہ مہمانا | |

خاندان طاہریہ کے اخیر فرمانروا محمد بن طاہر کو ۲۵۹ھ میں یعقوب صفار نے گرفتار کر لیا اور اس خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

خاندان صفاریہ کا عہد

**یعقوب صفار** ذات کا ٹھٹیرا تھا لیکن ساہانہ دل و دماغ رکھتا تھا یہاں تک کہ خلافت عباسیہ کے زمانے میں اس نے علم بغاوت بلند کیا۔ اور خراسان و فارس پر قابض ہو گیا ۲۹۰ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بھائی عمرو بن لیث اور اس کے بعد اس کا پوتا طاہر بن محمد چند روز حکمران رہ کر ۲۹۰ھ میں گرفتار ہوا اور اس سلسلہ کا خاتمہ ہو گیا۔ اس چند روزہ خاندان نے بھی متعدد شعرا پیدا کئے جن میں سے **ابوسلیک گرگانی** زیادہ ممتاز ہے۔ منوچہری دامغانی نے اس کو فدمار شعرا میں شمار کیا ہے۔

---

۱؎ چہار مقالہ صفحہ ۲۷ سے ۵ یہ تمام حالات اور اشعار مجمع الفصحا سے ماخوذ ہیں ۱۲

مجمع الفصحا میں اس کے یہ اشعار نقل کئے ہیں ؎

| | |
|---|---|
| بہ مژہ دل زمن بدزدیدی | اے بلب قاضی و بہ مژگان دزد |
| مُزد خواری کہ دل زمن بُردی | اے خنگفتا کہ دیدہ دزدی و مزد |

شاعری کے متعلق اِس خاندان کا بڑا احسان یہ ہے کہ **رباعی** کی ایجاد اِسی زمانے میں ہوئی۔ یعقوب صفار کا ایک کم سن بچہ ایک دن اخروٹوں سے کھیل رہا تھا۔ ایک اخروٹ لُڑھکتے لڑھکتے ایک گڑھے میں جا کر گرا۔ بچہ کی زبان سے بے ساختہ یہ مصرع نکلا۔ ع

غلطاں غلطاں ہمے رود تا لب گو۔ یعقوب بھی موجود تھا۔ اس کو بچہ کی زبان سے یہ موزوں کلام بہت پسند آیا۔ لیکن چونکہ اس وقت تک اس بحر میں اشعار نہیں کہے جاتے تھے۔ شعرا کو بلا کر کہا کہ یہ کیا بحر ہے۔ انہوں نے کہا۔ ہزج ہے۔ پھر تین مصرع اور لگا کر رباعی کر دیا۔ اور **دوبیتی** نام رکھا۔ مدت تک یہی نام رہا۔ پھر دوبیتی کے بجائے رباعی کہنے لگے[1] لیکن یہ تعجب ہے کہ عربی زبان میں آج بھی دوبیتی کہتے ہیں۔ جس سے اہل عرب کی دیانت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

# خاندان سامانیہ

خاندانِ سامانیہ

اِس وقت تک جو کچھ ہوا وہ شاعری کی ابجد تھی۔ لیکن خاندان سامانیہ نے دفعتہً اس زمین کو آسمان بنا دیا۔ **رودکی** جو فارسی شاعری کا **ابوالآبا** سمجھا جاتا ہے اسی دربار کا دست پرور تھا۔ **شاہنامہ** جو عجم کا صحیفہ آسمانی ہے۔ اُس کا عنصر اسی عہد میں تیار ہوا۔ اس خاندان کا سلسلہ نسب بہرام چوبین تک پہنچتا ہے۔ اس لئے اس خاندان میں حکومت کا آنا جانا دوسری کا دوبارہ عام وجود میں آنا تھا، عدل و انصاف، جاہ و جلال، شان و شوکت تربیت علم و فن کسی بات میں وہ اپنے اسلاف سے کم نہ تھا۔

اس سلسلہ کے قائم ہونے کی مختصر تاریخ یہ ہے۔ کہ مامون الرشید کی جہاں اور نہ فیاضیاں تھیں، ان میں ایک یہ بھی تھی کہ وہ قدیم خاندانوں کی تربیت کا خیال رکھتا تھا، جس زمانے وہ مرو میں تھا، اس سلسلہ کا مورث اوّل اسد بن سامان، دربار میں پہنچا اور مامون نے اس کو پایا قرب میں جگہ دی، جب مرو سے بغداد روانہ ہوا تو وہاں کے گورنر

[1] تذکرہ دولت شاہی سمرقندی ۱۲

کو تاکید کرتا آیا کہ اسد کی اولاد کو معزز عہدے دیئے جائیں **اسد** کے چار فرزند تھے، نوح، احمد، یحییٰ، الیاس۔ چنانچہ وہ سمرقند، فرغانہ، بشناس، ہرات کے گورنر مقرر کئے گئے، نوح کی وفات کے بعد اس کا بیٹا احمد، سمرقند کا حاکم مقرر ہوا لیکن چند روز کے بعد اپنے بیٹے **نصر** کو اپنا قائم مقام کرکے خود گوشہ نشین ہوگیا ۲۶۱ھ میں خلیفہ معتضد باللہ نے نصر کو ماوراء النہر کی حکومت دی۔ اس نے اپنی طرف سے اسمٰعیل کو بخارا کا حاکم مقرر کیا، چند روز کے بعد دو اندازوں نے دونو بھائیوں کو باہم لڑا دیا۔ یہاں تک کہ **نصر** میدان جنگ میں گرفتار ہوکر اسمٰعیل کے دربار میں آیا۔ لیکن اسمٰعیل نے حوصلہ شناسانہ سے کام لیا اور بھائی کو قید سے آزاد کرکے تخت پر بٹھایا آپ دست بستہ اُس کے سامنے کھڑے ہوکر آداب و دست بوس کی رسمیں ادا کیں اور عرض کیا کہ میں وہی آپ کا ماتحت صوبہ دار ہوں **نصر** نے ۲۷۹ھ میں انتقال کیا اور سمرقند کا صوبہ بھی اسمٰعیل کے ہاتھ آگیا۔

سلسلہ سامانیہ کی مستقل حکومت اسی تاریخ سے شروع ہوتی ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ کا پہلا فرمان روا یہی اسمٰعیل تھا، یہ خاندان ایک سو تیس برس تک قائم رہا۔ اسمٰعیل نے ۲۹۵ھ میں وفات پائی، اسمٰعیل کے بعد احمد بن اسمٰعیل اور اس کے بعد نصر بن احمد تخت نشین ہوا۔ اور یہی وہ تاجدار ہے جس کے دربار کا ملک الشعراء **رودکی** تھا۔ جو فارسی شاعری کا بانی اول کہا جاتا ہے۔ وہ نہایت فیاض عادل اور قدردان علم و فن تھا۔ تئیس برس کی حکمرانی کے بعد ۳۳۱ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا نوح فرمانروا ہوا۔ وہ بھی باپ کی طرح مربی علم و فن تھا۔ فلسفہ و حکمت اور دیگر علوم و فنون کا جو کتب خانہ اس نے مرتب کیا تھا۔ اس کی نسبت علامہ ابن خلکان نے بوعلی سینا کے حالات کے ذیل میں لکھا ہے

| | |
|---|---|
| کانت[1] عدیم المثل فیھا من کل فن من الکتب المشھورۃ بایدی الناس و | یہ کتب خانہ بے نظیر تھا، اس میں متداول اور مشہور کتابوں کے علاوہ وہ کتابیں تھیں جو اس کتب خانہ |

[1] اس کتب خانہ کا حال خود بوعلی سینا کی زبانی طبقات الاطبار میں نقل کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ یہ بہت بڑا کتب خانہ تھا۔ ہر علم و فن کے لئے الگ الگ مکان تھے اور اس میں صرف اسی فن کی کتابیں تھیں۔ کتابیں اوپر تلے بہ ترتیب صندوقوں میں رکھی ہوئی تھیں۔ بوعلی سینا کا بیان ہے۔ کہ میں نے قدماء کی کتابوں کی فہرست دیکھی اور اپنی پسند کے موافق کتابیں نکلوا کر دیکھیں، ان میں اکثر ایسی کتابیں تھیں جن کے نام بھی کسی کو معلوم نہ تھے۔ اور خود میں نے بھی کبھی ان کو نہیں دیکھا تھا۔

| | |
|---|---|
| غیرھم مالا یوجد فی سواھا ولا سمع باسمہ فضلا من معرفتا | کے سوا اور کہیں نصیب نہیں ہو سکتی تھیں، اور جن کا جاننا تو درکنار کسی نے ان کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ |

فلسفۂ یونان کی بے تیار تصنیفات خلفائے عباسیہ کی بدولت عربی میں ترجمہ ہو چکی تھیں لیکن اکثر ترجمے نامعلوم اور مشتبہ تھے۔ درجن کتابوں کے متعدد ترجمے ہوئے تھے وہ باہم مختلف تھے **نوح بن نصر** نے حکیم ابو نصر فارابی کو ملا کر فرمائش کی۔ کہ ان تمام تراجم کو سامنے رکھ کر ایک صحیح اور جامع ترجمہ تیار کر دے۔ چنانچہ **فارابی** نے اس فرمائش کی تعمیل کی اور اس کتاب کا نام تعلیم الثانی رکھا۔ اس واقعہ کو تاریخی حیثیت سے یاد رکھنا چاہیئے کہ حکمائے اسلام میں فارابی نے معلم ثانی کا جو لقب حاصل کیا ہے۔ وہ اسی کتاب کی بدولت تھا۔ افسوس ہے کہ یہ کتب خانہ جل گیا۔ اور چونکہ اس کتاب کا اصل مسودہ فارابی کے ہاتھ کا ضائع ہو گیا۔ اس لئے آج یہ بے نظیر کتاب ناپید[1] ہے۔

نوح نے ۳۴۳ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد عبد الملک اور عبد الملک کے بعد منصور بن نوح تخت نشین ہوا۔ اس کے دربار کا وزیر، ابو علی بن محمد تھا جس نے تاریخ **طبری** کا عربی زبان سے فارسی میں ترجمہ کیا منصور نے ۳۶۵ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد **نوح بن منصور ثانی** فرمانروا ہوا۔ **دقیقی** مشہور شاعر اسی کے دربار کا شاعر تھا۔ نوح کے بعد منصور بن نوح، اس کے بعد عبد الملک اور اس کے بعد اسمٰعیل بن عبد الملک تخت نشین ہوا اور اسی پر اس خاندان کا خاتمہ ہوا جس کی تاریخ ۳۹۵ھ ہے۔

# شعرائے سامانیہ

سلسلہ سامانیہ سے پہلے جو خاندان گزرے وہ طاہریہ اور صفاریہ تھے۔ طاہر یہ عربی النسل خاندان تھا۔ اس لئے فارسی شاعری کو اس کے زمانے میں عروج نہیں ہو سکتا تھا صفاریہ نو دولت اور کم اصل تھے۔ اور ان کی حیثیت ایک فتنہ جو باغی سے بڑھ کر نہ تھی۔ لیکن **سامانی** خاندان، نسل کیان کا یادگار تھا۔ ان کی سلطنت نے ایک سو دس برس

[1] یہ واقعہ اکثر کتابوں میں ہے کشف الظنون (باب الحکمۃ) میں اس تمام واقعہ کو منصور بن نوح کے عہد سے منسوب کیا ہے۔ اور مورخوں کو بھی یہ دھوکا ہوا ہے لیکن یہ صریح غلطی ہے۔ اس لئے کہ فارابی نے ۳۳۹ھ میں انتقال کیا ہے، اور منصور ۳۵۰ھ میں تخت نشین ہوا ہے۔

کی عمر پائی۔ قدردان علم دفن ہونے کے ساتھ وہ خود بھی صاحب کمال اور سخن سنج تھے۔ وہ دیکھتے تھے کہ اہل عجم اپنے لٹریچر اور ملکی خصوصیات سے بالکل الگ ہوتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ آن کی شاعرانہ قوتیں بالکل ایک غیر زبان (عربی) پر صرف ہو رہی ہیں۔ خراسان و بخارا میں سینکڑوں ہزاروں شعرا موجود ہیں جو نسلاً عجم ہیں لیکن دار الخلافتہ بغداد کے اثر سے جو کچھ کہتے ہیں عربی میں کہتے ہیں۔ ان اسباب سے اس خاندان نے اپنی قومی اور ملکی زبان کی ترقی پر شاہانہ توجہ کی شعرا کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں۔ خاص خاص مضامین پر اشعار لکھوائے۔ **کلیلہ دمنہ** سنسکرت سے اولاً فارسی میں ترجمہ کی گئی تھی۔ لیکن جب عبداللہ بن المقفع نے اس ترجمہ کو عربی میں منتقل کیا۔ تو فارسی نسخہ بالکل گمنام ہو گیا۔ نصر بن احمد سامانی نے **رودکی** کو حکم دیا کہ اس کو فارسی میں نظم کر دے۔ **عجم** کی تاریخ اب تک نامرتب اور پریشان تھی۔ اس لئے **دقیقی** کو اس کام پر مامور کیا۔ چنانچہ اس نے ہزار شعر لکھے۔ اور یہ **شاہ نامہ** کا پہلا سنگ بنیاد تھا۔ تفصیل ان واقعات کی آگے آتی ہے۔

خاندان سامانیہ کے شعرا

شعرائے سامانیہ کی تعداد اگرچہ سینکڑوں تک پہنچتی ہے لیکن عروضی سمرقندی وغیرہ نے جن لوگوں کا نام خصوصیت سے لیا ہے۔ وہ یہ ہیں۔ ابو العباس۔ ابو المثل، ابو اسحاق جوئباری، ابو الحسن، جنازی نیشاپوری، ابو الحسن کسائی، شہید بلخی، ابو المؤید ابو عبداللہ فرالادی رودکی، **دقیقی**، رابعہ فزاری، ابوذر، معمر جرجانی ابو المظفر نصر بن محمد نیشاپوری عمارہ مروزی، تجاری، مرادی۔

یہ متعین کرنا مشکل ہے کہ اس دور کا پہلا شاعر کون ہے؟ لیکن جہاں تک قرائن سے پتہ چلتا ہے۔ ابو عبداللہ فرالادی، مرادی۔ شہید، ابو شکور بلخی، اس قافلہ کے پیش رو ہیں۔ رودکی کا ایک شعر ہے ؎

شاعر شہید و شہرہ فرالادی — دیں دیگراں بہ جملہ ہمہ راوی

یعنی شاعر اصل میں شہید ہے۔ لیکن فرالادی مشہور زیادہ ہو گیا ہے۔ باقی اور شعرا انہیں دونوں کے رواۃ ہیں۔ رودکی نے شہید کا مرثیہ بھی لکھا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| کاروانِ شہید رفت از پیش | | واں مارفتہ گیروی اندیش | |
| از شمار دو چشم یک تن کم | | وز شمار خرد ہزاراں بیش | |

؎ مجمع الفصحا تذکرۂ ابو عبداللہ فرالادی ۱۲

# رابعہ

اس دور کی یہ خصوصیت یادگار ہے کہ شعر و شاعری کا مذاق عورتوں میں بھی پھیل گیا تھا۔ رابعہ فرواری بلخی، جو رودکی کی ہمعصر تھی اعلیٰ درجہ کی شاعر تھی، اس کا باپ کعب، اعراب میں سے تھا لیکن رابعہ عجم میں پیدا ہوئی۔ اور اس وجہ سے عربی فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتی تھی، نہایت حسین اور صاحب فضل و کمال تھی، یکتاش نام ایک غلام سے اُس کو عشق تھا لیکن پھر مجازی سے گزر کر عشق حقیقی کی نوبت پہنچی۔ چنانچہ اس کا شمار صوفیہ میں کیا جاتا ہے۔ تاہم چونکہ عورت کا کسی اجنبی مرد سے محبت کرنا اسلامی جماعت میں معیوب تھا۔ اس لئے لوگوں نے اس کو قتل کر ڈالا، مجمع الفصحاء میں اس کے بہت سے شعر نقل کئے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

| | |
|---|---|
| دعوتِ من بر تواں شد کابزوت عاشق کنا | بر یکے سنگین دلے نا مہرباں چوں خوشتین |
| نابدانی در دعشق و داغ ہجر و غم کشی | چوں بہ ہجر اندر بہ پیچی پس بدانی قدر من |

# رودکی

اس دور کا مشہور شاعر ہے، تمام تذکرے متعلق الفاظ ہیں کہ سب سے پہلے جس نے فارسی زبان میں دیوان مرتب کیا وہ رودکی تھا۔

سامانیوں کے دور میں سینکڑوں شعرا تھے۔ جن میں سے بعض کا تذکرہ آگے آئیگا لیکن آج تک سامانیوں کا نام جس کی بدولت زندہ ہے۔ وہ رودکی ہے۔ شریف گرگانی نے سچ کہا۔

| | |
|---|---|
| ازاں چندیں نعیم جاودانی | کہ ماند از آل ساسان و آل ساماں |
| ثنائے رودکی ماندست و مدحش | نوائے بار بد ماند است دوستاں |

رودکی کا اصلی نام محمد یا جعفر ہے، رودک، نخشب کے ضلع میں جس کو نسف بھی کہتے ہیں۔ ایک گاؤں کا نام ہے، رودکی اسی گاؤں کی طرف منسوب ہے۔ بعضوں کا بیان ہے کہ رودکی کی وجہ تسمیہ یہ ہے۔ کہ وہ رود (ایک باجے کا نام ہے) اچھا بجاتا تھا۔

یورپ اور ایشیا کا یہ عجیب اتفاقی توافق ہے۔ کہ رودکی بھی ہومر کی طرح مادرزاد اندھا

تھا، آٹھ برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔[1] پھر علم قرات کی تکمیل کی، اسی سن میں شعر کہنا شروع کر دیا، شاعری کے مشغلہ کے ساتھ تمام متداول علوم و فنون حاصل کئے۔ خوش قسمتی سے نہایت خوش آواز اور طبیعت بذلہ سنج واقع ہوئی تھی، سلاطین و امرا کے دربار میں ایک بڑی خدمت ندیمی کی تھی فقرب و اثر کے لحاظ سے ندیم کا رتبہ وزرا سے بھی بالاتر ہوتا تھا۔ اس عہدہ کے لئے بذلہ سنجی، لطیف الطبعی، حاضر جوابی، ظرافت، وسعت معلومات، ضروری شرطیں تھیں، رودکی میں یہ سب شرطیں جمع تھیں، اس بنا پر **نصر بن احمد** سامانی کے دربار میں اس کو رسائی حاصل ہوئی۔ نصر نے اس کی تربیت پر خاص توجہ مبذول کی، تمام ارباب تذکرہ کا بیان ہے کہ رودکی کو اس قدر جاہ و دولت حاصل ہوئی کہ دربار کے بڑے بڑے امرا کو بھی نصیب نہ ہوئی۔ جب اس کی سواری نکلتی تو دو سو زریں کمر غلام ارکاب کے ساتھ ساتھ چلتے۔ سفر میں اس کا اسباب چار سو اونٹوں پر بار کیا جاتا تھا۔

یہ عموماً مسلم ہے کہ فارسی شاعری عربی کے نمونے پر قائم ہوئی تھی۔ لیکن اس زمانہ میں عربی شاعری واقعیت اور حقیقت سے دور ہو کر ستائش گری اور مداحی کے سوا اور کسی کام کی نہیں رہی تھی متنبی، ابو تمام، بحتری، جو اس دور کے پیغمبران سخن ہیں، ان کا تمامتر کارنامہ یہی خوشامد اور ثنا گستری تھا۔ خلفا اور امرا شاعری کو صرف تفریح طبع کا ایک مشغلہ سمجھتے تھے۔ لیکن **خاندان سامانیہ** نے شاعری سے اصلی کام لئے چنانچہ **رودکی** کو کلیلہ و منہ کے نظم کی خدمت دی، اور اس کے صلے میں چالیس ہزار درہم عطا کئے عنصری ایک قصیدہ میں کہتا ہے۔

چہل ہزار درم **رودکی** زہی خوش عطا گرفت بہ نظم کلیلہ در کشمر

**رودکی کی شاعری کا عام انداز** رودکی کی شاعری کا عام انداز واقعہ گوئی پند و موعظت اور حسن تاثیر ہے۔ عرب جاہلیہ کی شاعری کا اصلی جوہر یہ تھا کہ اس سے بڑے بڑے قومی اور ملکی انقلابات پیدا کر دیتے تھے۔ فارسی شاعری تفریح طبع کے سوا اور کسی کام کی نہ تھی۔ یعنی اس سے کبھی کوئی تاریخی واقعہ وجود میں نہیں آیا لیکن رودکی اس عام اعتراض سے مستثنیٰ ہے۔

نصر بن سامانی نے ایک دفعہ ہرات کا سفر کیا، اور بادغیس میں جو ہرات کا مشہور

[1] ستارستان جامی ۱۲

نزدہت گاہ ہے۔ پڑاؤ ڈالا۔ بہار کے دن تھے، اور تمام دشت وصحرا چمن زار بن گیا تھا ان دلفریبیوں میں ایسا محو ہوا کہ ساری بہار یہیں گذر گئی، جاڑے آئے تو میووں کی بہتات ہوئی، ان اطراف میں ایک سو بیس قسم کے انگور ہوتے ہیں۔ جن میں ترنبیاں اور کلنجدی نہایت خوش مزہ شاداب، اور نرم ہوتے ہیں، نصر صحرا سے اٹھ کر آبادی میں آیا اور درواز میں جو ایک مشہور مقام ہے۔ قیام کیا، یہ مقامات نہایت آباد اور معمور تھے، ہر طرف عالی شان قصر و ایوان اور ہر ایوان کے ساتھ خانہ باغ اور پائین باغ ہوتا تھا۔ اسی زمانے میں سستان اور مازندران کے میوہ جات کی آمد ہوئی، نصر نے جاڑے بھی یہیں گزارے، ہر دفعہ قصد کرتا تھا کہ اب کی بہار گزرنے پر روانہ ہو جاؤں گا۔ لیکن جب ایک موسم گزر جاتا تھا۔ تو دوسرا زنجیر پا بن جاتا تھا۔ اسی طرح پورے چار برس گزر گئے۔ امرا اور فوج کے لوگ تنگ آگئے تاہم بادشاہ سے کچھ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ آخر رودکی کے پاس گئے۔ اور پانچ ہزار اشرفیاں اس شرط پر دینی منظور کیں۔ کہ بادشاہ یہاں سے بخارا کو واپس جائے۔ اگلے دن رودکی دربار میں گیا، نصر شراب پی رہا تھا۔ رودکی نے ساز کے ساتھ عشاق کی دھن میں یہ اشعار گائے۔

| | |
|---|---|
| بوئے جوئے مولیاں آید ہمے | یاد یار مہرباں آید ہمے |
| ریگ آموی و دُرشتیہائے او | زیر پایم پرنیاں آید ہمے |
| آب جیحوں (یعنی دریائے جیحوں) تا ہمہ پہنا دری | خنگ مارا تا میاں آید ہمے |
| اے بخارا شاد باش و شادزی | شاہ سوئت میہماں آید ہمے |
| شاہ سروست و بخارا بوستاں | سرو سوئے بوستاں آید ہمے |
| شاہ ماہ است و بخارا آسماں | ماہ سوئے آسماں آید ہمے |

نصر کا یہ حال ہوا کہ پاؤں میں موزے تک نہ پہنے اور اسی وقت سوار ہو کر بگٹٹ دوڑاتا ہوا پوری ایک منزل پر جا کر دم لیا، سمرقندی نے یہ واقعہ لکھ کر حیرت ظاہر کی ہے "کہ یہ ایک سیدھی سادھی نظم ہے۔ نہ کوئی صنعت ہے نہ مضمون بندی ہے۔ اس کا اس قدر اثر کیونکر ہو سکتا تھا" دولت شاہ کے زمانے میں شاعری کی اصلی اور نصری حالت بدل چکی تھی۔ اس لئے لوگوں کو واقعیت اور اظہار فطرت میں مزہ نہیں آتا تھا۔ لیکن جب تک قوم میں صحیح مذاق باقی رہا۔ شعرا ان اشعار پر سر دھنتے تھے۔ عروضی سمرقندی جو خود بہت

بڑا شاعر تھا چار مقالہ میں لکھتا ہے۔

"ہنوز ایں قصیدہ را کسے جواب نگفتہ است کہ مجال آں ندیدہ اند کہ ازیں مضایق بیروں روند"۔

سلطان سنجر کے ملک الشعرا امیر معزی سے فرمائش کی گئی تھی۔ کہ اس قصیدے کا جواب لکھے، چنانچہ اس نے جو قصیدہ لکھا۔ اس کا مطلع یہ ہے۔

| | |
|---|---|
| رشتم از مازندراں آید ہمے | زیں ملک (ممدوح کا نام) زاصفہاں آید ہمے |

امیر معزی مشہور اور کامل الفن شعرا میں سے ہے۔ لیکن رودکی کے کلام کے سامنے اس کے شعر کا جو رتبہ ہے۔ محتاج اظہار نہیں، رودکی نہایت پُر گو تھا۔ رشیدی سمرقندی[۲] نے اس کے اشعار کی تعداد ایک لاکھ بتائی ہے۔ چنانچہ کہتا ہے۔

| | |
|---|---|
| شعر او را بر شمردم سیزدہ رہ صد ہزار<br>میں نے اسکے اشعار تیرہ دفعہ گنے تو ایک لاکھ نکلے | ہم فزوں تر آید ار چونان کہ باید بشمری<br>اور اچھی طرح گنے جائیں تو اس سے بھی زیادہ نکلیں گے |

اقسام سخن میں رودکی کے ہاں، قصیدہ، رباعی، قطعہ، غزل، مرثیہ، سب کچھ موجود ہے۔ مثنوی کا کوئی نمونہ موجود نہیں لیکن بظاہر ہے کہ کلیلہ و منہ جو اس نے لکھی ہے مثنوی ہی ہوگی، کیونکہ مسلسل واقعات مثنوی کے سوا اور کسی طرح ادا نہیں ہو سکتے۔

رودکی کی شاعری کی وسعت

مضامین کے لحاظ سے بھی اس کی شاعری کا دائرہ نہایت وسیع ہے یعنی واقعہ نگاری، خیال بندی، موعظت و نصیحت، عشق و محبت، مدح و ثنا، صنائع و بدائع سب چیزیں پائی جاتی ہیں، اور درجۂ کمال پر پائی جاتی ہیں۔ ہم مختصراً ہر ایک کا نمونہ پیش

[۱] جس زمانے میں میں علی گڑھ کالج میں پروفیسر تھا، آسمان جاہ وزیر ریاست حیدرآباد دکن، علی گڑھ میں آئے۔ سرسید مرحوم نے مجھ سے فرمایا کہ سپاسنامہ کے بجائے کالج کی طرف سے قصیدہ پیش کیا جائے گا۔ وہ تم لکھ دو، میں نے ایک خاص مناسبت سے، اسی قصیدہ کو پیش نظر رکھا۔ ابتدا میں یہ تمہید تھی کہ لوگوں میں آسمان جاہ کی آمد کا چرچا ہے۔ پھر یہ اشعار تھے:۔

| | |
|---|---|
| ہمچناں باشیم گرم گفتگو | قاصد از درناگہاں آید ہمے |
| نگذرد شہر مبارک باد و پس | ایں حدیثش بر زباں آید ہمے |
| آسماں جاہ از سوئے ملک دکن | جانب ہندوستان آید ہمے |

[۲] مجمع الفصحا ذکر رودکی۔

کرتے ہیں۔

**اخلاق و موعظت**۔ اخلاق و موعظت میں حسنِ ادا کے ساتھ، اس نے دقیق نکتے بھی بیان کئے ہیں۔ مثلاً اس کو یہ کہنا کہ تم کو اوروں کی خوشحالی پر رشک اور حسد نہیں کرنا چاہیئے۔ اس کو وہ اس طرح دلنشین کرتا ہے۔

| | |
|---|---|
| زمانہ بندے آزادہ دار، داد مرا | زمانہ را چونکو بنگری ہمہ بند است |
| بروزِ نیک کساں گفت غم مخور زنہار | بسا کسا کہ بروزِ تو آرزومند است |

یعنی جس طرح تم اوروں کی خوش قسمتی پر رشک کرتے ہو۔ اسی طرح دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو تمہاری حالت پر رشک کرتے ہیں۔ اس لئے تم کو شکایت کا کوئی موقع نہیں۔ اکثر آدمی لوگوں کی بخالت کی شکائت کرتے ہیں لیکن اُن کو یہ خیال نہیں آتا کہ کسی شخص کی بخالت اور سخاوت پر توجہ کرنا گدا طبعی اور طماعی کی دلیل ہے۔ **رودکی** اس نکتہ کو یوں ادا کرتا ہے۔

| | |
|---|---|
| تا کے گوئی کہ اہل گیتی | در ہستی و نیستی لئیمند |
| چوں تو طمع از جہاں بریدی | دانی کہ ہمہ جہاں کریمند |

زمانہ کی بے ثباتی کو اس طرح ادا کرتا ہے۔

| | |
|---|---|
| زندگانی چہ کوتہ و چہ دراز | نہ بہ آخر بمرد باید باز |
| ہم بہ چنبر گزار خواہد بود | ایں رسن را اگرچہ ہست دراز |
| خواہی اندر عنا و محنت زی | خواہی اندر نشاط و نعمت و ناز |
| خواہی اندک ترا زجہاں بپذیر | خواہی ازرے بگیر تا بہ **حجاز** |
| ایں ہمہ بود و باد تو خواب است | خواب را حکم نے مگر بہ مجاز |
| ایں ہمہ روز مرگ اگر بینی | نشناسی زیکدگر شاں باز |

اپیکورس اور **عمر خیام** کے فلسفہ کو غالباً فارسی میں اوّل اسی نے روشناس کیا ہے۔ چنانچہ کہتا ہے۔

| | |
|---|---|
| شاد زی، باسیاہ چشماں شاد | کہ جہاں نیست جز فسانہ و باد |
| ز آمدہ شادماں نہ باید بود | وز گذشتہ نکرد باید یاد |
| نیک بخت آں کسے کہ داد و بخورد | شور بخت آں کہ او نخورد و نہ داد |

| | | | |
|---|---|---|---|
| باد، ابر است، این جہان افسوس | | بادہ پیش آر ہر چہ باد و باد | |

**خواجہ** حافظؒ کا سارا دیوان اسی متن کی شرح ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| روئے بہ محراب نہادن چہ سود | | دل بہ بخارا و بتاں طراز | |
| ایزد تا وسوسۂ عاشقے | | از تو پذیرد، نہ پذیرد نماز | |

**واقعہ نگاری** یعنی کسی واقعہ یا حالت، کی تصویر کھینچنا شاعری کا ایک عنصر ہے۔ رودکی کے کلام میں یہ عنصر، ہر جگہ نظر آتا ہے۔ ایک قصیدہ میں اس نے جوانی اور بڑھاپے کی کیفیت بیان کی ہے۔ اِس کے چند اشعار یہ ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| مرا بسود و فرو ریخت ہر چہ دنداں بود | | نہ بود دنداں، لا بل چراغ خنداں بود | |
| یکے نماند کنوں، بل ہمہ بسود و بریخت | | چہ نخس بود ہمانا کہ نخس کیواں بود | |
| نہ نخس کیواں بود، و نہ روزگار دراز | | چہ بود؟ راست بگویم، قضائے یزداں بود | |
| ہمے ندانی اے ماہروئے غالیہ موئے | | کہ حالِ بندہ ازیں پیش بر چہ ساماں بود | |
| بہ زلف چوگاں نازش، ہمیکنی تو بہ دِہ | | ندیدی او را آنگہ کہ زلف چوگاں بود | |
| شد آں زمانہ کہ رودکیؔ بسان دیبا بود | | شد آں زمانہ کہ مویش بسان قطراں بود | |
| شد آں زمانہ کہ او شاد بود و خرم بود | | نشاط او بہ فزوں بود و غم بہ نقصاں بود | |
| ہمیشہ دستش زی زلفگاں خوشبو بود | | ہمیشہ گوشش زی مردم سخنداں بود | |
| ہمیشہ شادندانستمے کہ غم چہ بود | | دلم نشاط طرب را فراخ میداں بود | |
| عیال نہ، زن و فرزند نہ، مؤنت نہ | | ازیں ہمہ تنم آسودہ بود و آساں بود | |
| ہمے خریدو ہمے ریخت بے شمار درم | | بہ شہر ہر چہ ہمے ترک نارپستاں[1] بود | |
| بسا کنیزک نیکو کہ میل داشت بدو | | بشب زیارت او نزد او بہ پنہاں بود | |
| شد آں زمانہ کہ شعر در اجہان نبوشت | | شد آں زمانہ کہ او شاعر خراماں بود | |
| **تو رودکی** را اے ماہرو کنوں بینی | | بداں زمانہ ندیدی کہ در خراساں بود | |
| بداں زمانہ ندیدی کہ در چمن رفتے | | سرود گویاں گوئی ہزار دستاں بود | |
| کرا بزرگی و نعمت، ازایں و آں بودے | | ورا بزرگی و نعمت ز آلِ **سامان** بود | |
| بداد میر خراسانش چل ہزار درم | | از و فزونی یک پنج، میر ماکاں بود | |
| کنوں زمانہ دگرگشت، من دگر گشتم | | عصا بیار کہ وقتِ عصا دانباں بود | |

[1] نعمت ہے کہ اس انشاء نے کامدہ کے بجائے عورت کا نام لیا ہے۔

**مدحیہ** مدحیہ شاعری کے جو نمونے پائے جاتے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ اور اُن میں خیال آفرینی بھی پائی جاتی ہے۔

| | |
|---|---|
| شاہے کہ بروز رزم از راوی | زرّیں نہد بہ تیر در پیکاں |
| تا کشتۂ او، ازاں کفن سازد | تا خستۂ او، ازاں کند درماں |

یعنی بادشاہ اس درجہ کا سخی ہے۔ کہ لڑائی میں تیر جو استعمال کرتا ہے۔ اُن کی پیکاں سونے کی ہوتی ہیں جس سے مقصود یہ ہے کہ اگر کوئی شخص زخمی ہو تو پیکاں کو بیچ کر اپنا علاج کر سکے۔ اور مر جائے تو تجہیز و تکفین کے کام آئے۔

**مرثیہ** مرثیے متعدد ہیں، اور سب میں مرثیہ کی خالص شان پائی جاتی ہے۔ ایک مرثیہ میں جو وزیرِ اعظم کے بیٹے کی وفات پر لکھا ہے۔ حکیمانہ انداز میں وزیر کو صبر کی تلقین کی ہے۔

| | |
|---|---|
| اے آنکہ غمگینی و سزاواری | و اندر نہاں سرشک ہمے باری |
| اے وہ کہ غمزدہ ہے اور غمزدہ ہونا زیبا بھی ہے | اے وہ کہ چپکے چپکے آنسو بہاتا ہے |
| رفت آنکہ رفت، آمد آنکہ آمد | بود آنچہ بود، خیرہ چہ غم داری |
| جو گیا، گیا، جو آیا، آیا | جو ہونا تھا ہوا، اب فضول کیوں غم کرتے ہو |
| ہموار کرد خواہی گیتی را | گیتی است کے پزیرد ہمواری |
| کیا تم زمانہ کو ہموار کرنا چاہتے ہو | یہ زمانہ ہے۔ بھلا وہ کب ہموار ہو سکتا ہے |
| مستی مکن، نشود او مستی | زاری مکن، کہ نشود او زاری |
| جوش ظاہر نہ کرو، وہ جوش کا لحاظ نہیں کرتا | فریاد نہ کرو، وہ فریاد نہیں سنتا |
| تو تا قیامت زاری کن | کے رفتہ را بہ زاری باز آری |
| اچھا جاؤ قیامت تک روتے رہو | لیکن جو شخص چلا گیا، کیا وہ رونے سے واپس آجائیگا |

شہید بلخی اور مرادی، جو اس کے زمانے کے مشہور شاعر تھے، اُن کا مرثیہ بھی لکھا ہے جو مجمع الفصحا وغیرہ میں منقول ہے۔

**غزل** غزل نے اس وقت تک مستقل حیثیت اختیار نہیں کی تھی، قصائد کی ابتدا میں ہی تشبیب کرتے تھے یہی اس زمانہ کی غزل تھی۔ اُس کا نمونہ یہ ہے۔

| | |
|---|---|
| اے جان من از آرزوئے تو پریشاں | بنمائے یکدوئے بہ بخشائے بریں جاں |

| | | |
|---|---|---|
| دشوار نمائی رُخ و دشوار دہی بوس | | آساں بر بائی دل و آساں ببری جاں |
| نزدیک من آسانی تو باشد دشوار | | نزدیک تو دشواری من باشد آساں |
| مشوش است دلم از کرشمۂ سلمےٰ | | چناں کہ خاطر مجنوں ز طرۂ لیلےٰ |
| چو گل شکر دہیم، در دل شو و تسکیں | | چو ترش روئے شوی وارہانی از صفرا |
| ببردہ ورگس تو آب جادوئے بابل | | گشادہ غنچۂ تو باب معجز عیسےٰ |

والہ داغستانی نے رودکی کی ایک غزل کی نقل کی ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| زہے فرزودہ جمال تو زیب آرا را | | شکستہ سنبل زلف تو مشک سارا را |

لیکن اس زمانہ کا یہ انداز نہیں ہے، اس کے علاوہ اس غزل کے مقطع میں تخلص بھی مذکور ہے۔ حالانکہ اس زمانہ تک غزلوں میں تخلص نہیں لاتے تھے۔

رودکی کے ان اشعار کا جو رتبہ ہے۔ ظاہر ہے۔ تاہم عنصری کہتا ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| غزل رودکی وار نیکو بود | | غزلہائے من رودکی وار نیست |

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عنصری۔ رودکی کو غزل گوئی میں اُستاد مانتا تھا۔ اس لئے یا تو ماننا چاہیئے کہ رودکی کی عمدہ غزلیں جاتی رہیں، یا یہ کہ عنصری غزل گوئی میں رودکی سے بھی کم تھا۔

**قصیدہ** قصیدہ کا جو طریقہ رودکی نے قائم کیا۔ آج تک قائم ہے۔ یعنی ابتدا میں تشبیب یا بہاریہ وغیرہ پھر بادشاہ کی مدح کی طرف گریز، جود و سخا، عدل و انصاف، شجاعت و دلیری کا ذکر، پھر دعائیہ، صنائع شاعری میں ایک صنعت ہے۔ جس کو **ترصیع** کہتے ہیں۔ یعنی دونوں مصرعوں میں ہم وزن الفاظ لاتے ہیں۔ مثلاً

| | | |
|---|---|---|
| عرفی رمادرا اثر رقم او کند شنجرف | | جمادرا اثر لطف او کند شمشاد |

یہ صنعت رودکی کے تمام قصیدوں میں پائی جاتی ہے۔ اور چھٹی صدی تک تمام شعرا کا یہ عام انداز رہا۔

قصیدہ میں اگرچہ صرف مداحی ہی مداحی ہوتی ہے۔ لیکن رودکی نے جا بجا تخیل سین بھی دکھلائے ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| از بنفشہ مرزہا گسترده دیبا ہا بہ چین | | وز شگوفہ شاخہا بر بستہ در شاہوار |
| با ہوائے اوست گفتی ہر چہ گفتی در نسیم | | بر زمین اوست گفتی ہر چہ در عالم بہار |

| | | |
|---|---|---|
| از میاں جوئے آں آبِ رواں ہمچو گلاب | | شاخہائے گل شگفتہ بر کنارِ جوئبار |
| بود ہر جا بہر نزہت گاہ بار، ونقل و مل | | گلستاں در گلستاں و میوہ اندر میوہ زار |
| کوہ دیگر کوہ سیمیں گشت و زریں شد چمن | | آب دیگر بارہ روشن گشت و تیرہ شد ہوا |
| گشت خامش فاختہ، تا شد چمن پرداختہ | | گشت بلبل بے نوا تا بوستاں شد بے نوا |
| نارچوں بر حقۂ زریں نگیں ہائے عقیق | | سیب چوں بر چہرۂ سیمیں نشانہائے بکا |
| باد سرد آمد چو آہِ عاشقاں ہنگام صبح | | بانگ زاغ آمد چو آوازِ معشوق پیغام جفا |
| بد انگہے کہ دو لشکر بروئے یکدیگر | | گراں کنند رکاب و سبک کنند عناں |
| ز گرد اسپاں تیرہ شود رخِ خورشید | | ز بانگِ مرداں خیرہ شود دل کیواں |
| یکے کشیدہ سنان و یکے کشادہ حسام | | یکے کشادہ کمند و یکے کشیدہ کماں |

خزاں

معرکۂ جنگ

**قصیدہ** کے حسن کا بڑا معیار گریز ہے، یعنی تشبیب، کہتے کہتے ممدوح کا ذکر اس طرح چھڑ جائے جس طرح بات میں سے بات پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بالکل نہ معلوم ہو کہ یہ قصد و ارادہ ممدوح کی مدح شروع کی ہے، رودکی کی اکثر گریزیں اسی قسم کی ہیں۔ مثلاً ایک قصیدہ میں خزاں کا حال لکھتے لکھتے کہتا ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| باد خوارزمی کنارِ باغ پُر دینار کرد | | چوں کنارِ زائراں را کرد وست بادشا |

یا مثلاً باغ کی تعریف کرتے کرتے کہتا ہے۔

یار من گفتا بہشت است اے شگفت!! ایں باغ نیست
گفتم ایں باغیست خرسم چوں بہشت کردگار
آں بہشت ناپدید است، ایں بہشت استے عیاں
ایں بہ نقد است آں بہ نسیہ آں نہاں ایں آشکار
آں مکافاتِ نماز است، ایں مکافاتِ مدیح
آں عطائے کردگار است، ایں عطائے شہریار

یعنی معشوق نے باغ کو دیکھ کر کہا۔ کہ یہ تو بہشت ہے۔ میں نے کہا بہشت نہیں۔ باغ ہے۔ لیکن خدا کی بہشت کے ہم پلہ ہے۔ فرق یہ ہے کہ خدا کی بہشت کا پتہ نہیں۔ اور یہ علانیہ موجود ہے۔ یہ نقد ہے۔ وہ ادھار، یہ ظاہر ہے۔ وہ مخفی، وہ نماز پڑھنے سے ہاتھ آتی ہے۔ اور یہ مدح کرنے سے، وہ خدا کا عطیہ ہے، اور یہ بادشاہ کا۔

بعض بعض قصیدوں میں ایسی باتوں کا التزام کیا ہے جس کی تقلید کسی نے نہیں کی مثلاً ایک قصیدہ تینتیس ۳۳ شعروں کا ہے جس میں صرف مطلع ہی ہیں۔ پہلا مطلع یہ ہے۔

| | |
|---|---|
| ندانی درد ہجرا ے بت مرازاں زار گردانی | دگر زارم نگردانی بہ داغ ہجر گردانی |

**ہجو یا شکایت** ہجو فارسی شاعری کے چہرہ کا نہائت بدنما داغ ہے۔ لیکن رودکی کی ہجو میں بھی متانت اور واقعیت پائی جاتی ہے۔

| | |
|---|---|
| زہے سوار وجوان و توانگر از رہ دور | بخدمت آید نیکو سگال نیک اندیش |
| پسند آید مرخواجہ را پس از دہ سال | کہ باز گردد پیر و پیادہ و دل ریش |

ممدوح سے کہتا ہے۔ کہ کیا یہ مناسب ہے۔ کہ جو لوگ آپ کے دربار میں جوان و دلتمند اور سواریوں پر آئیں، وہ اس قدر آپ کے ہاں امیدواری میں پڑے جھولا کریں، کہ جب واپس جانے لگیں تو دولتمند غریب، اور سوار پیادہ، اور جوان بوڑھا ہو کر جائے۔

**جدت مضامین** عام قاعدہ یہ ہے۔ کہ ابتدائے شاعری میں مضمون بندی بالکل نہیں ہوتی لیکن یہ حیرت انگیز بات ہے۔ کہ **رودکی** نے کثرت سے نئے نئے مضامین پیدا کئے مثلاً

گھوڑے کی تعریف
شراب کی تعریف
تشبیہ

| | |
|---|---|
| آفتاب بیکہ زچابک فدی | بر سر ذرہ نماید جولاں |
| رودکی چند برگرفت و نواخت | بادہ انداز، کو سرود انداخت |
| آں عقیقین مے کہ ہر کہ بدید | از عقیق گداختہ نشاخت |
| ہر دو یک گوہرند، لیک بطبع | ایں ہیفسرد، وآں دگر بگداخت |
| نالبسودہ دو دست رنگیں کرد | ناچشیدہ بتارک اندر تاخت |

یعنی شراب، اور عقیق دونو ایک ہی چیز ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ایک سیال عقیق ہے اور دوسری منجمد، شراب کے رنگ، اور نشہ کی یہ کیفیت ہے کہ بے چھوئے ہوئے ہات رنگیں ہو جاتے ہیں۔ اور بے چکھے ہوئے دماغ میں دوڑ جاتی ہے۔

| | |
|---|---|
| بنفشہائے طرب خیل خیل سر برکرد | چو آتشے کہ بگو گرد بر دوید کبود |
| بیار دہاں بدہ آں آفتاب کش بخوری | زلب فرو شود از دہاں بر آرد دود |

یعنی بنفشہ دستہ دستہ اُگ رہا ہے۔ جس طرح گندھک سے جلانے کے وقت رنگ کا شعلہ اٹھتا ہے۔ اب وہ آفتاب لاؤ (یعنی شراب) کہ ادھر ہونٹوں سے اُترے اور اُدھر

مُنہ سے دھواں اٹھنے لگے۔

تیر او مانند کہ روزی کہ زے مردم رسد | تیر دشمن باز گرد و سوئے دشمن چوں صدا

یعنی ممدوح کا تیر، اس طرح نشانے پر لگتا ہے۔ جس طرح انسان کا مقدّر، اور دشمن کا تیر اس طرح دشمن ہی کی طرف پلٹ جاتا ہے جس طرح آواز،

ہر آنچہ بست میان ارم بہم شدّاد | ہر آنچہ کرد بزیر زمیں نہاں قاروں
سرشکِ ابر پراگندہ کرد در بستاں | نسیم باد پدید از کرد در ہاموں

یعنی باغِ ارم میں شدّاد نے جو چیزیں فراہم کی تھیں۔ بادل کے آنسوؤں نے وہ سب باغ میں پھیلا دیں، اور **قاروں** نے زمین کے اندر جو چیزیں چھپا رکھی تھیں، نسیم نے وہ سب میدان میں کھول کر دکھا دیں۔

مہ نیساں بشبخوں کرد۔ اکنوں بر مہ کانوں
کہ گردوں گشت از و پُر کرد، وصحرا گشت از و پُرخوں

اگر خواہی نشان خوں، نگہ کن لالہ بر صحرا | اگر خواہی نشان گرد بنگر ابر بر گردوں

یعنی بہار کے مہینے نے خزاں کے مہینے پر شبخون مارا جس کی وجہ سے صحرا پُر خون ہو گیا اور آسمان میں گرد بھر گئی، صحرا میں جو لالہ نظر آتا ہے، یہ وہی خون ہے۔

نگار ینا شنیدستم کہ گاہِ محنت و راحت | سہ پیراہن سلب بودہ است یوسف را بعمر اندر
یکے از کید شد پُرخوں، دوم شد چاک از تہمت | سوم یعقوب را از بوئے روشن کرد چشم تر
رخم ماند بداں اوّل، دلم ماند بداں دوم | نصیب من شود در وصل آں پیراہن دیگر

یعنی اے معشوق! میں نے سنا ہے کہ حضرت یوسف کے تین پیراہن تھے۔ ایک خون سے رنگین ہوا، دوسرا زلیخا نے چاک کیا، تیسرے نے حضرت یعقوبؑ کی آنکھیں روشن کیں، میرا چہرہ پہلے پیراہن کے مشابہ ہے۔ اور میرا دل دوسرا پیراہن ہے۔ باقی تیسرا، وہ خدا وصل میں نصیب کرے۔

زلف ترا جیم کہ کرد، آں کہ او | خال ترا نقطۂ آں جیم کرد
از دہن تنگ تو گویا کسے | دانگکے نار بدو نیم کرد

یعنی تیرا دہن ایسا چھوٹا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے انار کے دانے کے دو حصے کر دیے ہیں

**رباعیاں** رباعیاں معمولی ہیں، مجمع الفصحا میں ایک رباعی نقل کی ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| چوں کار دلم زلف او ماند گرہ | | در ہر رگِ جاں صد آرزو ماند گرہ | |
| امید زگریہ بودہ افسوس افسوس | | کانہم شب وصل در گلو ماندہ گرہ | |

لیکن یہ ہرگز رودکی نے زمانہ کا کلام نہیں ہوسکتا۔

قبولیت عام اور اعتراف شعراء | رودکی کے کمال شاعری کو تمام شعرا نے تسلیم کیا ہے۔ خود اس کا معاصر اور ہم فن اور ہم پایہ شہید کہتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| بسخن ماند شعر شعراء | | رودکی را سخنش تلو نیا است | |
| شاعران را خہ واحسنت، مدیح | | رودکی را خہ واحسنت ہجا است | |

عنصری کہتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| غزل رودکی وار نیکو بود | | غزل ہائے من رودکی وار نیست | |
| اگرچہ بکوشم بہ باریک دہم | | دریں پردہ اندر مرا یار نیست | |

معروف بلخی کہتا ہے۔

از رودکی شنیدم سلطان شاعراں

**دقیقی** کہتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| کرا رودکی گفتہ باشد مدیح | | امام فنون و سخنور بود | |
| دقیقی مدیح آورد نزد او | | چو خرما بسوے ہجیور بود | |

نظامی سمرقندی کے زمانہ میں کسی نے رودکی کی شاعری پر اعتراض کیا تھا نظامی نے اس کے جواب میں لکھا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| اے آنکہ طعن کردی در شعر رودکی | | ایں طعن کردن تو از جہل و کودکی است | |
| کانکس کہ شعر داند، داند کہ در جہاں | | صاحب قران شاعری، استاد رودکی است | |

رودکی نے ۳۰۴ھ میں وفات پائی۔ اس کا دیوان ایران میں چھپ گیا ہے۔

## دقیقی

سلسلۂ سامانیہ کے ہر فرمانروا کا عہد، اگرچہ بام ترقی کا ایک نیا پایہ ہے۔ لیکن نوح بن منصور کا زمانہ آخر المنازل ہے۔ یہ فخر اسی دور کو حاصل ہے۔ کہ عجم کا سرمایۂ فخر و ناز یعنی "شاہنامہ" جس کو ابن الاثیر، قرآن العجم کہتا ہے۔ اس کا ابتدائی خاکہ اسی عہد میں

قائم ہوا، اور اگر ایک اتفاقی واقعہ پیش نہ آجاتا، تو سلطان محمود کے کارناموں کی فہرست شاہنامہ کے نام سے خالی رہ جاتی۔

سامانی خاندان ابتدا سے اس بات کا خواہشمند تھا کہ ان کے اسلاف کی داستان نثر سے نظم ہوکر، عام زبانوں پر چڑھ جائے، لیکن ابھی شاعری نے اس قدر ترقی نہیں کی تھی کہ ایک عظیم الشان تاریخی سلسلہ، شعر کے قالب میں آجائے۔ نوح بن منصور جب ۳۶۵ھ میں تخت نشین ہوا۔ تو پایۂ تخت یعنی بخارا میں بڑے بڑے شعراء موجود تھے۔ ان میں دقیقی خاص پایہ تخت کا رہنے والا تھا۔ اس کا اصلی نام منصور بن احمد ہے۔ ابتدائی تربیت امراء چغانیہ یعنی ابوالمظفر نے کی تھی۔ لیکن جب اس کا کمال مشہور ہوا تو نوح نے دربار میں بلا کر **شاہنامہ** کی تصنیف کی خدمت سپرد کی، دقیقی اپنے زور بازو کا اندازہ کر چکا تھا، اس نے یہ خدمت قبول کی۔ اور کم و بیش بیس ہزار شعر لکھے بعضوں کا بیان ہے۔ کہ صرف ایک ہزار شعر تھے۔ جو آج شاہنامہ میں شامل ہیں۔ فردوسی نے **شاہنامہ** کی تاریخ کے بیان میں ان واقعات کو اس طرح اجمالاً لکھا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| جوانے بیامد گشادہ زباں | | سخنگوی و خوش طبع و روشن روان | |
| بہ شعر آرم ایں نامہ را گفت من | | از و شادماں شد دل انجمن | |
| ز گشتاسپ وارجاسپ بیتے ہزار | | بگفت و سر آمد و را روزگار | |

کیا عجیب بات ہے۔ کہ اتنے بڑے کامل الفن کا دامن عزت، ایک اخلاقی دھبے سے داغدار ہے۔ دقیقی کا ایک خوشرو غلام تھا۔ جس سے اس کو عاشقانہ محبت تھی، لیکن افسوس ہے کہ اس محبت میں ہوس کا شائبہ تھا۔ غلام نہایت غیور تھا۔ اس نے ننگ کو گوارا نہ کیا۔ اور دقیقی کا خاتمہ کر دیا، **فردوسی** نے اس ناگوار واقعہ کو ابہام کے پردہ میں ادا کیا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| جوانیش را خوئے بدیار بود | | ابا بد ہمیشہ بہ پیکار بود | |
| یکایک از و بخت برگشتہ شد | | بدست یکے بندۂ کشتہ شد | |

**فردوسی** نے فیاض دلی سے اس کے اشعار **شاہنامہ** میں شامل کر لئے۔ جس کی بدولت، آج اس کا نام زندہ رہ گیا۔ چنانچہ خود کہتا ہے۔

---

لہ تذکار ہفت اقلیم و مجمع الفصحاء روائت اخیر۔

کنوں رازہا باز جویم ترا
حدیثِ دقیقی بگویم ترا

چناں دید گوینده یک شب بخواب
کہ یک جام میداشتے چوں گلاب

دقیقی ز جائے پدید آمدے
بداں جام مے داستانہا زدے

بہ **فردوسی** آواز دادے کہ مے
مخور جز بہ آئین کاؤس کے

کہ شاہے گزیدے ز گیتی کہ تخت
بنازد بدو تاج و شمشیر و بخت

شہنشاہ **محمود** گیرنده شہر
ز شادی بہر کس رساننده بہر

بدیں نامہ گر چند بشتافتے
کنوں ہر چہ جستی ہمہ تا فتے

از اندازہ من بیش گفتم سخن
اگر باز یابی بخیلی مکن

ز گشتاسپ وارجاسپ بیتے ہزار
بگفتم سر آمد مرا روزگار

گر آں مایہ نزد شہنشہ رسد
روانِ من از خاک بر مہ رسد

بداند کہ پیش از تو آخر کسے
دریں داستان رنج بُردش بسے

پذیرفتم و داشتم ز و سپاس
مرا در دل آمد ز ہر سو ہراس

کہ روزے مرا ہم بباید گزشت
ز گفتارِ او در نشاید گزشت

ز گفتارِ او بشنو اکنوں سخن
کہ گفت است ایں داستانِ کہن

اِن اشعار کا حاصل یہ ہے۔ کہ ایک دن میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے ہاتھ میں جامِ شراب ہے، دقیقی کہیں سے آنکلا اور اُس نے کہا کہ شراب کیانی طریقہ سے پیو، تم کو ایسا بادشاہ ہاتھ آگیا ہے جس پر سلطنت کو ناز ہے۔ تم نے **شاہنامہ** کے لئے بہت تگ و دو کی، جو تم چاہتے تھے۔ وہ تم کو مل گیا۔ میں نے بھی گشتاسپ وارجاسپ کے واقع میں ہزار شعر لکھے تھے۔ تم کو اگر یہ اشعار مل جائیں تو اپنی کتاب میں شامل کر دینا کہ بادشاہ تک پہنچ جائیں۔ اور لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ اور بھی کسی نے کچھ محنت اٹھائی تھی۔

یہ سُن کر میرا دل کانپ اٹھا کہ مجھ کو بھی ایک دن مرنا ہے۔ اس لئے اس کی خواہش پوری کرنی چاہیئے۔ اب تم اس کے اشعار سنو۔

**فردوسی** نے دقیقی کے ساتھ جس ہمدردی اور مُردہ پرستی کا اظہار کیا ہے۔ قدر کے قابل ہے لیکن داستان کے ختم ہوتے ہوتے نیت بدل جاتی ہے۔ دقیقی کے

اشعار کے بعد کہتا ہے۔

| | |
|---|---|
| نگہ کردم ایں نظم سُست آمدم | ہمہ بیتہا نادرست آمدم |
| من ایں زاں نوشتم کہ تا شہریار | بداند سخن گفتن نابکار |
| دہاں گر بماند ز خوردن تہی | ازاں بہ کہ ناساز خوانے نہی |
| دو گوہر نمودم بہ گوہر فروش | کنوں شاہ دارو بہ گفتار گوش |
| سخن چوں بدینگونہ بایدت گفت | مگوی و ملکن رنج با طبع جفت |
| چو طبعت نباشد چو آب رواں | مبر دست ازیں نامۂ خسرواں |

یعنی جب میں نے دقیقی کی یہ نظم دیکھی تو تمام اشعار مجھ کو سُست اور غلط نظر آئے۔ میں نے یہ اشعار اس لئے نقل کر دیئے کہ بادشاہ ان اشعار کی لغویت سے واقف ہو جائے۔ اگر آدمی کو کھانا نہ دیا جائے تو اس سے بہتر ہے۔ کہ اس کے سامنے بدمزہ کھانے لائے جائیں، میں نے گوہر فروش کے سامنے دو موتی رکھ دیئے ہیں۔ اب بادشاہ خود تمیز کرلے، جب تم کو اس طرح کا شعر کہنا آتا ہے۔ تو اس سے تو نہ کہنا ہی اچھا ہے جب تمہاری طبیعت میں روانی نہیں ہے۔ تو سلاطین کی تاریخ پر کیوں ہاتھ ڈالتے ہو۔

اگر **دقیقی** کا کلام نقل کرنے سے اپنے اشعار کا چمکانا مقصود تھا۔ تو اُس غریب پر احسان رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس لئے اندازہ کرنا چاہیئے کہ سلطان محمود کی ہجو میں کس حد تک واقعیت کا پہلو ہوگا۔

فردوسی خدائے سخن ہے۔ اس کے آگے بندوں کو زبان کھولنے کی کیا جرأت ہوسکتی ہے۔ لیکن ع انصاف نیبوہ ایست کہ بالائے طاعت است، ہم بیرسری طور پر یہاں دقیقی کے چند اشعار بغیر کسی انتخاب کے نقل کرتے ہیں۔ جس سے **دقیقی** کے رتبۂ کلام کا اندازہ ہوسکے گا۔ وہ معرکہ آرائی کا سماں اس طرح کھینچتا ہے۔

دقیقی کا انداز کلام

| | |
|---|---|
| زبس بانگ اسپان و جوش و خروش | ہمے نالۂ کوس نشنیدہ گوش |
| درفشان لبسیار افراشتہ | سر نیزہا، زابر برگذاشتہ |
| چو رستہ درخت از برِ کوہسار | چو بیشہ نیستان بوقت بہار |
| ز تاریکی گرد و بانگ سیاہ | کسے روز روشن نمے دید راہ |
| بکردند یک تیر باراں نخست | بسان تگرگِ بہاراں درست |

بپوشیدہ شد چشمۂ آفتاب — زپیکانہائے درخشاں چو آب
تو گفتی ہوا ابر آرد ہمے — وزاں ابر الماس بارد ہمے
ہوا زیں جہاں بود شبگوں شدہ — زمیں سر بسر ملک درخوں شدہ
در دشت تہا شد ہمہ لالہ گوں — بہ دشت و بیاباں ہمے ریخت خوں
چناں شد زلبس کشتہ آں رزمگاہ — کہ بر وے نہ تاں نشت رفتن نگاہ

فردوسی نے کلام کا جو اصلی جوہر ہے یہی ہے کہ جس واقعہ کو بیان کرتا ہے۔ اس کی تصویر کھینچ دیتا ہے۔ انصاف سے کہو۔ کیا ان اشعار میں یہ بات نہیں؟ بے شبہ فردوسی نے اس وصف کو کمال تک پہنچا دیا۔ لیکن یہ صاف نظر آتا ہے۔ کہ وہی شراب ہے جو دوبارہ کھینچ کر تیز ہوگئی ہے۔ دقیقی کے زمانہ تک فارسی زبان میں عربی الفاظ اس طرح مخلوط تھے کہ دو قوسے مل کر گویا ایک نئی زبان پیدا ہوگئی تھی۔ عباس مروزی کے کل چار شعر ہیں، لیکن عربی الفاظ فارسی سے زیادہ ہیں۔ رودکی و شہید بلخی وغیرہ کا کلام بھی اسی کے قریب قریب ہے۔ سب سے پہلے جس نے فارسی زبان کو اس آمیزش سے پاک کر کے مستقل زبان کی حیثیت قائم کی ہے۔ وہ دقیقی ہی ہے۔ اس کے سینکڑوں شعر پڑھتے چلے جاؤ عربی کا ایک لفظ نہیں آتا۔ دقیقی کی بدقسمتی دیکھو کہ اس فخر کا تاج شہرت کے ہاتھوں نے اس سے چھین کر فردوسی کے سر پر رکھ دیا۔ دقیقی نے زبان کو جس طرح صاف کیا۔ اس کا نمونہ یہ ہے۔

دقیقی کے ہاں عربی الفاظ بہت کم ہیں

چو گشتاسپ را داد لہراسپ تخت — فرود آمد از تخت و بربست رخت
بہ بلخ گزیں شد بداں نوبہار — ق — کہ یزداں پرستان آں روزگار
مر آں خانہ را داشتندے چناں — کہ مر مکہ را تا زیاں ایں زماں
بداں خانہ شد شاہ یزداں پرست — فرود آمد آں جاد ہیکل بہ بست
بہ بست آں در آفریں خانہ را — دراں خانہ نگزاشت بیگانہ را
بپوشید جامہ پرستش بلاس — خدا را چنیں داشت باید سپاس
بیفگند یارہ فرد ہشت موئے — سوئے روشن داد گر کرد روئے
نیائش ہمے کرد خورشید را — چناں پردہ بُد راہ جمشید را
چو گشتاسپ بر شد بہ تخت پدر — کہ فرّ پدر داشت بخت پدر

بسر بر نہاد آں پدر دادہ تاج | کہ زیبندہ باشد بر آزادہ تاج
منم گفت یزداں پرستندہ شاہ | مرا ایزد پاک داد ایں کلاہ
بداں دانوا مارا کلاہِ بزرگ | کہ بیروں کنم از رسہ میش گرگ
سوئے راہ ورزاں نیاریم چنگ | بر آزادہ گیتی نداریم تنگ
پس از دفترِ نامورِ قیصرا | کہ ناہید بُد نام آں دخترا
کتا یونش خواندی گرانمایہ شاہ | دو فرزندش آمد چو خورشید و ماہ
یکے نامور فرخ اسفندیار | شہے کارزاری، نبردہ سوار
پشوتن دگر گرد شمشیر زن | شہے نامبردار لشکر شکن
چو یک چند گاہے برآمد بریں | درختے پدید آمد اندر زمیں
از ایواں گشتاسپ بمیان کاخ | درختے کشن برگ، و بسیار شاخ
ہمہ برگ او پند، بارش خرد | کسے کو چنو بر خورد کے مرد
جحستہ پے نام او زردہشت | کہ اہرمن بد کنش را بکشت

ان اشعار میں جا بجا کافِ اضافت اور الف اشباع ہے۔ جو آج کل متروک ومعیوب ہے، لیکن قدماء کے ہاں اس کا عام رواج تھا، فردوسی بے تکلف ان چیزوں کو برتتا ہے۔

دقیقی نے مثنوی کے ساتھ، قصیدہ اور غزل کو بھی ترقی دی، یہ دو شعر جو نامعلوم طور پر لوگوں کی زبانوں پر جاری ہیں۔ اسی کی غزل کے ہیں۔

گویند صبر کن کہ ترا صبر بر دہد | آرے دہد ولیک بہ عمرِ دگر دہد
من عمر خویشتن بصبوری گزاشتم | عمرِ دگر بباید تا صبر بر دہد

اس نے بعض غزلیں مسلسل لکھی ہیں۔ اور یہ اس زمانہ کے لحاظ سے بالکل نئی بات ہے۔ اس کی شاعری کی بڑی خصوصیت یہ ہے، کہ رزم وبزم، اور عشق و عاشقی کے دائرہ میں محدود نہیں، آج جس چیز کو لوگ پیخرل شاعری کہتے ہیں۔ فارسی میں غالباً سب سے پہلے اسی نے اس کی بنیاد قائم کی، ایک قصیدہ میں بہار کا سماں دکھایا ہے۔ اس میں خوشرنگ اور رنگ برنگ پھولوں کی تصویر اس طرح کھینچتا ہے۔

پیخل شاعری

سحرگاہاں کہ بادِ رزم جنبد | بجنباند درختِ سرخ و اصفر
نمرود

| | |
|---|---|
| تو پنداری کہ از گردوں ستارہ | ہمے بارید بر دیبائے اخضر |
| نگار اندر نگار و لون در لون | ہزاراں در شدہ پیکر بہ پیکر |

ایک مسلسل غزل بہار کی رنگینی اور مے و معشوق پر لکھی ہے۔

| | |
|---|---|
| در افگند اے صنم ابر بہشتی | زمیں را خلعتِ اُردے بہشتی |
| زمیں بر سان خوں آلود و بیجا | ہوا بر سان مشکِ اندودہ دشتی |
| بداں ماند کہ گوئی از مے مشک | مثالِ دوست بر صحرا نوشتی |
| بتے رخسارِ او ہم رنگِ یاقوت | صنمے بر گونہ جامہ گشتی |
| جہاں طاؤس گونہ گشت گوئی | بجائے نرمی و جائے درشتی |
| ز گل بوئے گلاب آید بدانساں | کہ پنداری گل اندر گل سرشتی |
| دقیقی چار خصلت برگزیدست | بگیتی از ہمہ خوبی و زشتی |
| لب یاقوت رنگ و نالۂ چنگ | مے چوں رنگ و کبیش زردہشتی[1] |

## شہید بلخی

زمانہ کی ناقدردانی کی شکایت | اس دور کا مشہور شاعر ہے۔ مختصر تذکرہ اس کا اوپر گزر چکا۔ اشعار کا نمونہ یہ ہے۔

| | |
|---|---|
| دانش و خواستہ است نرگس و گل | کہ بہ یک جائے نشکفتند بہم |
| ہر کرا دانش است خواستہ نیست | ہر کرا خواستہ است دانش کم |
| اگر غم را چو آتش دود بودے | جہاں تاریک بودے جاودانہ |
| وریں گیتی سراسر گر بگردی | خرمندے نیابی شادمانہ |
| بر فلک ہر دو شخص پیشہ درند | ایں یکے دزدی، آں دگر جولاہ |
| ایں نہ دوزد مگر کلاہِ ملوک | داں نہ بافد مگر پلاس سیاہ |
| ابر ہمے گرید چوں عاشقاں | باغ ہمے خندد و معشوق دار |
| رعد ہمے نالد مانند من | چوں کہ بنالم بہ سحرگاہ زار |
| چوں چلیپائے روم زاں شد باغ | کاں بپرزے است باغ را از حلی |

[1] یعنی زردشتی کیونکہ زردشت کے مذہب میں شراب حلال ہے۔

موعظت و نصیحت

| | |
|---|---|
| ابر چوں چشم ہند بن عتبہ است | برق مانند ذوالفقار علی |
| عیب باشد بہ کار نیک و زنگ | گر شتاب آید اے رفیق ملام |
| عاقبت راہم از نخستیں ہیں | تا بہ غفلت گلو نہ گیرد وام |

## ابوشکور بلخی

۳۳۶ھ میں تھا۔ اس کا کلام بہت کم ملتا ہے۔ لیکن جس قدر موجود ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاعری کا ہر قدم آگے بڑھ رہا ہے، سقراط سے کسی نے پوچھا تھا کہ آپ کو اس قدر تحقیقات و تدقیقات کے بعد کیا معلوم ہوا؟ اس نے کہا "یہ معلوم ہوا کہ کچھ نہیں معلوم ہوا"۔ اس فلسفیانہ سیال کو کس قدر عمدہ اور شاعرانہ انداز میں ادا کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| تا بدآنجا رسیدہ دانش من | کہ بدانم ہمے کہ نادانم |

یعنی میرا علم اس حد تک ترقی کر گیا کہ میں نے اب جان لیا کہ میں کچھ نہیں جانتا۔
اس کی مثنوی کے چند اشعار جو منقول ہیں۔ اُن میں صاف **شاہنامہ** کا رنگ نظر آتا ہے۔

| | |
|---|---|
| بہ دشمن برت مہربانی مباد | کہ دشمن درختے است تلخ از نہاد |
| درختے کہ تلخش بود گوہرا | اگر چرب و شیریں دہد مر ورا |
| ہماں میوۂ تلخ آرد پدید | از و چرب و شیریں نخواہی مزید |

اسی مضمون کو فردوسی نے زیادہ بلند کر دیا ہے۔

| | |
|---|---|
| درختے کہ تلخ است ویرا سرشت | گرش بر نشانی بہ باغ بہشت |
| ور از جوئے خلدش بہنگام آب | بہ بیخ انگبیں ریزی و شہد ناب |
| سرانجام گوہر بہ کار آورد | ہماں میوۂ تلخ بار آورد |

## خبازی نیشاپوری

دولت سامانیہ کا مشہور شاعر ہے۔ ۳۴۲ھ میں وفات پائی۔ اس کا کلام بالکل نایاب ہے۔ ایک قصیدہ کی گریز کے دو شعر مشہور ہیں۔ جن میں متاخرین کی جدت مضمون کے ساتھ۔ نیچرل رنگ بھی موجود ہے۔

| | |
|---|---|
| مے بینی آں دو زلف کہ باد ش ہمے برد | گوئی کہ عاشقی است کہ ہمیش قرار نیست |
| یا نہ کہ دست صاحب سالار لشکر است | کز دور مے نماید کامروز بار نیست |

یعنی معشوق کی زلف جو ہوا سے ہل رہی ہے، گویا ایک بیچین عاشق ہے۔ یا شاہی نقیب کا ہاتھ ہے۔ جو دور سے اشارہ کر رہا ہے۔ کہ آج دربار نہ ہوگا۔

## عمارہ مروزی

مرو کا رہنے والا تھا ۳۶۵ھ میں انتقال کیا۔ کلام کا نمونہ یہ ہے۔

| | |
|---|---|
| آتش اگر ندیدی با آب ممتزج | اینک نگاہ کن تو بدیں جام و ایں شراب |
| جام بلور و لعل مے صاف اندرو | گوئیکہ آتشے ست بر آمیختہ بہ آب |

ان شعراء کے علاوہ اس دور میں اور بہت سے خوشگو اور خوش فکر تھے۔ مثلاً اعجمی۔ اطخاری۔ ابوالعباس زنجی۔ جوہاری۔ ابوالمثل بخاری۔ طلحہ۔ وغیرہ لیکن چونکہ اُن کے حالات اور اشعار بہت کم ملتے ہیں۔ اس لئے ہم ان کے نام قلم انداز کرتے ہیں۔

## غزنویہ

شاعری اگرچہ ابتدائے ظہور سے روز افزوں ترقی کرتی جاتی تھی۔ لیکن غزنویہ دور میں انتہائے کمال تک پہنچ گئی، فردوسی اسدی، طوسی، عنصری، فرخی، حکیم سنائی، منوچہری و امغانی جن میں ہر شخص اقلیم سخن کا صاحب تاج و تخت ہے۔ اسی عہد کی یادگار ہیں۔

**سلسلہ غزنویہ**۔ حقیقت میں سامانی حکومت کی ایک شاخ ہے۔ عبدالملک بن نوح سامانی المتوفی ۳۵۰ھ کے زمانہ میں الپتگین جو اسی خاندان کا غلام تھا، ترقی کر کے امارت کے درجہ تک پہنچ گیا، عبدالملک نے اس کو خراسان کا حاکم مقرر کر دیا۔ عبدالملک کے بعد جب اس کا بیٹا منصور تخت نشین ہوا۔ تو الپتگین خراسان چھوڑ کر غزنین چلا گیا۔ اور یہاں ۱۶ برس تک حکومت کر کے وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابواسحٰق قائم مقام ہوا، لیکن چند روز کے بعد مر گیا، الپتگین کا ایک غلام سبکتگین تھا۔ اس نے الپتگین کے عہد میں ایسی قابلیت کے جوہر دکھائے۔ کہ ابواسحٰق کے بعد لوگوں نے ۳۶۵ھ میں اسی کو غزنین کا حاکم مقرر کر دیا۔ یہی غلام اور غلام سلطنت غزنویہ کا بانی اوّل

غزنوی خاندان کا اجمالی تذکرہ

ہے۔ اور **سلطان محمود** فاتح ہندوستان اسی ناسور کا فرزند ہے سبکتگین پہلا شخص ہے جس نے ہندوستان کو تسخیر کی نگاہ سے دیکھا۔ اور جیپال کو بار بار سخت شکستیں دیں سامانی دربار سے اس کو ناصر الدین کا خطاب ملا۔ ۳۸۳ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا اسمٰعیل جو الپتگین کی دختر کے بطن سے تھا۔ بلخ میں تخت نشین محمود غزنین میں تھا۔ اُس نے بھائی کو لکھا۔ کہ آپ بلخ میں حکومت کیجئے لیکن غزنین میرے قبضہ میں رہنے دیجئے۔ اُس نے نہ مانا۔ اس پر جنگ ہوئی۔ اور اسمٰعیل نے شکست کھائی۔ محمود باپ کی زندگی ہی میں نوح سامانی کے دربار سے سیف الدولہ کا خطاب حاصل کر چکا تھا۔ تخت نشینی کے بعد اس کو بغداد کے دربار سے **یمین الدولہ** کا لقب ملا۔

محمود کی شاہانہ فتوحات اور معرکہ آرائیاں ایک دلچسپ داستان ہے جس کی آواز بازگشت آج بھی ہندوستان کے در و دیوار سے آرہی ہے۔ لیکن شعر العجم کی زبان سے اس کے ملکی فتوحات کے بجائے، علمی فتوحات کا ترانہ زیادہ موزوں ہوگا۔

سلطان محمود کے علمی کارنامے

محمود جس طرح فاتح و کشور ستاں تھا۔ اسی طرح علم و فضل میں بھی کمال رکھتا تھا۔ جواہر مضیہ جو فقہائے حنفیہ کے حالات میں ایک نہایت مستند کتاب ہے اس میں اس کو فقہا میں شمار کیا ہے۔ **فقہ** میں خود اس کی ایک مبسوط تصنیف موجود ہے۔ غزنین میں اس نے ایک عظیم الشان مدرسہ قائم کیا تھا جس کے ساتھ ایک عجائب خانہ بھی تھا جس میں تمام دنیا کے نوادر موجود تھے۔ ملک میں جو بڑے بڑے مشاہیر فن تھے اکثروں کو بلا کر دربار میں جگہ دی تھی، ان میں سے ایک ابوریحان بیرونی بھی تھا۔ جو متعدد فنون میں بوعلی سینا کا ہمپایہ و ہمسر تھا۔ بوعلی کو بھی اس نے خوان کرم پر دعوت دی تھی۔ لیکن اس کو کچھ وہم پیدا ہوا اور نہ آیا۔

شعرا کی تربیت اور فیاضی

شاعری پر اس نے حوصلۂ شاہانہ سے توجہ کی، ایک مستقل محکمہ قائم کیا اور **عنصری** کو ملک الشعرا کا خطاب دے کر اس کا افسر مقرر کیا۔ تمام تذکرے متفق اللفظ ہیں کہ محمود کے خوان کرم سے چار سو شاعر بہرہ یاب تھے، جن کو حکم تھا کہ جو کچھ کہیں پہلے عنصری کو دکھلا کر پھر دربار میں لائیں۔ ایک موقع پر جب شہزادۂ مسعود خراسان سے غزنین میں آیا اور شعرا نے دربار عام میں قصائد پیش کئے، تو ایک ایک شاعر کو بیس بیس ہزار اور زینتی اور عنصری کو پچاس پچاس ہزار درہم عطا کئے۔ غضائری کو دو شعروں

پر دو نوڑے دیئے۔ چنانچہ عنصری خود کہتا ہے۔

| | |
|---|---|
| مرا دو بیت بفرمود شہریار جہاں | براں صنوبر عنبر عذار مشکیں خال |
| دو بیت زر بفرستاد دو ہزار درم | بر غم حاسد و تیمار بدسگال نکال |

عنصری کو ایک رباعی پر حکم دیا کہ اس کا منہ جواہرات سے بھر دیا جائے۔

ان واقعات کو ایک نکتہ چین محمود کے فضائل کے بجائے اس کے معائب کے دفتر میں لکھے گا۔ اور واقعی، مداحوں اور خوشامدگویوں کی ایک فوج کثیر بہم پہنچانا اور ان پر زر و جواہر کا مینہ برسانا، فیاضی نہیں، بلکہ اسراف اور سبک سری ہے۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ محمود کی یہ فیاضیاں، مدح پسندی کی غرض سے نہیں، بلکہ فن ادب و تاریخ کی ترقی کی غرض سے تھیں، اس نے فردوسی سے شاہنامہ لکھوا کر عجم پر یہ احسان کیا۔ کہ عجم گو خود مٹ گیا لیکن اس کے کارنامے آج تک نہ مٹ سکے، اسلامی فتوحات، مسلمانوں کے مذہبی ترانے ہیں لیکن مسلمان خالد، وضرار، کے بجائے، **رستم، وسہراب** کے نام سے زیادہ آشنا ہیں، عبدالملک، ولید، مقتدر، معتضد، معتصم، مستعصم کو کتنے آدمی جانتے ہیں؟ لیکن **جم و کیخسرو، کیکاؤس و فریدون**، افراسیاب و اسفندیار کو بچہ بچہ جانتا ہے۔

**عنصری** نے ۱۸۰ شعروں کا قصیدہ لکھا جس میں محمود کی تمام لڑائیاں نہایت تفصیل سے بیان کیں[1]، بدایعی بلخی نے نوشیرواں کا نصیحت نامہ نظم کیا، اسدی طوسی نے لغات فارسی کی تدوین کی اور بدائع و صنائع فارسی پر ایک کتاب لکھی، تاریخ و اخلاق کے علاوہ محمودی شعراء نے اصل فن کو ترقی دی اور شاعری کو اس قابل کر دیا کہ جس قسم کے مطالب چاہیں ادا کر سکیں، واقعہ نگاری، معاملہ بندی، اظہار جذبات قدرتی مناظر کی تصویر غرض شاعری کے جتنے انواع ہیں۔ سب ان کے ہاں پائے جاتے ہیں۔ **غزل** البتہ رہ گئی۔ لیکن ابھی اسلام کی ترقی کا شباب تھا۔ ابھی سے اس فتنۂ خوابیدہ کے جگانے کی کیا ضرورت تھی۔

محمودی شعراء اگرچہ بیشمار ہیں۔ لیکن جن ناموروں کو محمود نے ندما میں داخل کر لیا تھا۔ اور جو آسمان سخن کے سبعہ سیارے تھے یہ ہیں عنصری، فردوسی، اسدی، عسجدی، غضائری، فرخی، منوچہری،

# عنصری

حسن بن احمد نام، ابوالقاسم کنیت عنصری تخلص، بلخ کا رہنے والا تھا، آغاز شباب میں والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا، چونکہ آبائی پیشہ تجارت تھا، خود بھی تجارت شروع کی ایک دفعہ اسی ضرورت سے سفر کو نکلا، راہ میں ڈاکہ پڑا اور جو کچھ کائنات تھی سب جاتی رہی۔

عنصری نے تجارت کا خیال چھوڑ کر علم کی طرف توجہ کی، اس زمانہ میں تحصیل علم کے لئے فیس وغیرہ کا کچھ جھگڑا نہ تھا۔ ہر جگہ، ہر طرف بڑی بڑی درسگاہیں کھلی ہوئی تھیں۔ اور جو شخص جس آزادی سے پڑھنا چاہتا تھا۔ پڑھ سکتا تھا، عنصری نے تمام متداول علوم و فنون حاصل کئے، لیکن طبیعت کو قدرتی لگاؤ شاعری سے تھا۔ اس لئے شاعری کو اپنا فن قرار دیا اور اسی ذریعہ سے سلطان محمود کے چھوٹے بھائی نصر بن سبکتگین کے دربار میں پہنچا۔ نصر نے جوہر قابل دیکھ کر محمود کے دربار میں تقریب کی، رفتہ رفتہ **ملک الشعرا** کا خطاب ملا سلطان محمود نے حکم دیا کہ دربار کے تمام شعراء جن کی تعداد چار سو تھی۔ اپنا کلام عنصری کو اصلاح کی غرض سے دکھائیں، اور جس کا کلام پیش ہو عنصری کی اصلاح کے بعد پیش ہو۔ بڑے بڑے نامور شعراء عنصری کی مدح میں قصائد لکھ کر پیش کرتے تھے۔ اور گراں بہا صلے پاتے تھے۔ محمود کی شاہانہ فیاضیوں نے عنصری کو دولت و مال سے اس قدر مالا مال کر دیا کہ چار سو زرہیں مکمل غلام، رکاب میں ساتھ چلتے تھے۔ اور جب سفر کرتا تو اس کا ساز و سامان جو عموماً طلائی و نقرئی ہوتا تھا۔ چار سو اونٹوں پر بار کیا جاتا تھا، انتہا یہ کہ دیگیں بھی طلائی اور نقرئی ہوتی تھیں۔[1] اکثر شعراء نے عنصری کی دولتمندی کا ذکر حسرت و رشک کے ساتھ کیا ہے۔ خاقانی کہتا ہے۔

| | |
|---|---|
| شنیدم کہ از نقرہ زد دیگداں | زر زر ساخت آلات خوان عنصری |

محمود کے دربار میں چار سو شعراء تھے جن میں فرخی، عسجدی، غضائری، منوچہری جیسے قادر الکلام بھی شامل ہیں لیکن یہ بات اسی کو حاصل ہوئی کہ سلطان محمود کا بقائے نام اسی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ نظامی سمرقندی کہتا ہے۔

[1] عنصری کے حالات زیادہ تر مجمع الفصحاء و تذکرۂ دولت شاہ سمرقندی سے لئے گئے ہیں ۱۲

| | |
|---|---|
| بسا کاخاکہ محمودش بنا کرد | کہ از رفعت ہمے بامسر ندا کرد |
| نہ بینی زاں ہمہ یک خشت بر پائے | مدیح عنصری ماندست برجائے |

**عنصری** نے سلطان محمود کی وفات کے تقریباً دس برس بعد ۴۳۱ھ میں وفات پائی۔ اس کے اشعار کی تعداد۔ سو ہزار بیان کی جاتی ہے۔ جن میں اب صرف تین ہزار موجود ہیں۔ قصائد کے سوا مثنوی و مثنویاں بھی لکھی تھیں۔ مثلاً وامق و عذرا، سرخ بت و خنگ نہروعین، لیکن آج بالکل ناپید ہیں۔ اس زمانہ تک شاعری کا بڑا لازمہ ندیمی یعنی فن مجلس تھا۔ جو شاعر جس قدر زیادہ اس فن میں کمال رکھتا تھا۔ اسی قدر زیادہ کامیاب ہوتا تھا۔ اس کے لئے سب سے مقدم چیز بدیہہ گوئی تھی **عنصری** اس وصف میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ وہ نہایت پُرگو تھا اور برجستہ کہتا تھا۔ آتشکدہ میں لکھا ہے۔ کہ ایک موقع پر رات بھر میں ہزار شعر کہہ ڈالے۔ اس کی بدیہہ گوئی کے واقعات تذکروں میں کثرت سے ملتے ہیں۔

عنصری کی بدیہہ گوئی

سلطان محمود کو ایاز سے جو محبت تھی۔ اگرچہ حد سے متجاوز تھی لیکن ہوس کا شائبہ نہ تھا۔ ایک دن بزم عیش میں بادہ و جام کا دور تھا۔ محمود خلاف عادت معمول سے زیادہ پیکر بدمست ہوگیا۔ اسی حالت میں **ایاز** پر نظر پڑی۔ اس کی شکن در شکن زلفیں چہرہ پر بکھری ہوئی تھیں۔ محمود نے بے اختیار اس کے گلے میں ہاتھ ڈال دیئے۔ لیکن فوراً سنبھل گیا اور جوش تقوی میں آکر ایاز کو حکم دیا کہ زلفیں کاٹ کر رکھ دے۔ ایاز نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔[1] صبح کو جب محمود سو کر اٹھا تو ایاز کی صورت دیکھ کر سخت مکدر ہوا۔ بار بار اٹھ اٹھ کر بیٹھ جاتا تھا۔ ندما اور مغنی دم بخود تھے۔ آخر علی قریب نے جو حاجب خاص تھا۔ عنصری کو بلا کر صورتِ واقعہ بیان کی، عنصری نے محمود کے سامنے جاکر یہ رباعی پڑھی۔

| | |
|---|---|
| گر عیب سر زلف بت از کاستن است | نہ جائے بہ غم نشستن و برخاستن است |
| وقت طرب و نشاط و می خواستن است | کاراستن سرو زپیراستن است |

یعنی اگر معشوق کی زلفیں ترش گئیں تو یہ رنج و غم کی کیا بات ہے۔ یہ تو اور خوشی کا موقع ہے۔ اس لئے کہ سرو جب چھاٹ دیا جاتا ہے۔ تو اور زیادہ موزوں ہو جاتا ہے محمود

[1] شعرا نے اس واقعہ سے مضامین پیدا کئے، مرزا صائب کہتے ہیں۔ یاد گلیم خویش نباید دراز کرد؛ تیغ ستم ببیں چہ بزلف ایاز کرد۔

نے حکم دیا کہ عنصری کا مُنہ جواہرات سے بھر دیا جائے، چنانچہ تین دفعہ ایسا کیا گیا **چہار مقالہ** میں لکھا ہے کہ مُنہ کے بجائے دامن بھرا گیا تھا، فیاضی کے مبالغہ کے لحاظ سے یہی روایت صحیح ہو لیکن مُنہ بھرنے میں جو بات ہے۔ وہ دامن میں نہیں۔

ایک دفعہ سلطان نے فصد لی، عنصری نے برجستہ کہا۔

| | |
|---|---|
| آمد آں رگ زن مسیح پرست | نیش الماس گوں گرفتہ بدست |
| طشت زریں و آبدستاں خواست | بازوئے شہریار را بربست |
| نیش بگرفت و گفت عز علیک | ایں چنیں دست را کہ یارو خست |
| سر فرد بُرد و بوسۂ بر داد | وز سمن شاخ ارغواں برجست |

پہلے شعر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اوج ترقی کے زمانہ میں بھی جراحی و فصادی کا کام نیسائی کرتے تھے۔ ایک دفعہ **محمود** چوگاں کھیلنے میں گھوڑے سے گر پڑا خفیف سا زخم آیا عنصری نے فی البدیہہ کہا۔

| | |
|---|---|
| شاہا! ادبے کن فلک بدخورا | کاسیب رسانید رخ نیکو را |
| گر گوی خطا رفت بہ چوگانش زن | ور اسپ غلط کرد بمن بخش اورا |

اخیر مصرع دو پہلو رکھتا ہے۔ ایک یہ کہ گھوڑے نے اگر غلطی کی تو میری خاطر اُس کو بخش دیجئے، دوسرے یہ کہ گھوڑا اگر غلط رُوسے۔ تو مجھے دے ڈالئے۔ **محمود** نے اِس حسن طلب کے صلہ میں گھوڑا **عنصری** کو دے دیا، عنصری نے ایک اور رباعی گھوڑے کی طرف سے معذرت میں لکھی۔

| | |
|---|---|
| رفتم بر اسپ تا تر ارش بکشم | گفتا کہ نخست اینتو ایں عذر نخوشم |
| نے گاؤ زمینم کہ جہاں برگیرم | نے چرخ چہارمم کہ خورشید کشم |

یعنی میں نے گھوڑے کا سزا دینے کا قصد کیا، گھوڑے نے کہا۔ پہلے میرا عذر تو سُن لیجئے، کچھ میں گاؤ زمین تو نہیں ہوں۔ کہ عالم کا بار اٹھالوں، نہ چوتھا آسمان ہوں کہ آفتاب کو لئے پھروں۔

شاعری کے متعلق **عنصری** نے جو کام کئے اُن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) **قصیدہ** میں مخلص اور گریز سب سے زیادہ مہتم بالشان چیز سمجھی جاتی ہے یعنی غزلیہ مضامین کہتے کہتے بادشاہ کی مدح کی طرف کیونکر رجوع کریں، متاخرین کو نازہے

عنصری کی شاعری کی خصوصیات

کہ یہ مکتبہ آفرینیاں انہیں کے ساتھ مخصوص ہیں لیکن انصاف یہ ہے۔ کہ عنصری کے مخالص بھی متاخرین سے کم نہیں، ایک **قصیدہ** میں ابتدا سے انتہا تک دو دو چیزوں کا مقابلہ کیا ہے۔ اُس میں لکھتا ہے۔

| | |
|---|---|
| غنو دستند آں ماہِ منوّر | خط، و زلفیں آں، مہ روے دلبر |
| یکے را سنبل نو رستہ بالیں | یکے را لالۂ خودروے بستر |
| بہ روئے و موے او بنگر کہ بینی | بہ آذار ہر دو آں را فعل آذر |
| یکے بے دود سال و ماہ تیرہ | یکے بے نور روز و شب منوّر |
| مرا بہرہ دو چیز آمد ز گیتی | دلِ پاک و زباں مدح گستر |
| یکے بر مہر جاناں وقف کردم | یکے بر مدح **شاہنشاہ** کشور |

ایک اور قصیدہ ہے۔

| | |
|---|---|
| گہ آں آراستہ زلفش گرہ گردد، گہے چنبر | گہ آں پیراستہ جعدش ببارد مشک و گہ عنبر |
| شگفتہ لالہ رخسارہ۔ حجابِ لالہ چہرہ (کذا) | بر از عاج و دل از خارہ، تن از شیر، و لب از شکر |
| سمن بوئے، شبہ موئے، بلا جوئے، جفا گوئے | پرستارے پری روئے، پری چہرے، پری پیکر |
| بپرسد از دل از روے، کہ گاہ آمد کہ حق جوئے | غزل چندیں چرا گوئی ز عشق آں بتِ دلبر |
| شنا جوئے از غزل پاسخ کرا گوئی ایں ہر دو بود فرخ | غزل بر ماہ **زیبارخ** شنا بر شاہ نیک اختر |

ایک **قصیدہ** سوال و جواب سے شروع کیا ہے۔ اور اخیر تک یہ اندازہ قائم رکھا ہے۔ اُس میں نہایت خوبی سے مدح کی طرف رجوع کی ہے۔

| | |
|---|---|
| ہر سوالے کزاں گل سیراب | دوش کردم مرا بداو جواب |
| گفتم آتش براں رخت کہ فروخت | گفت آں کہ دلِ تو کرد کباب |
| گفتم اندر عذابِ عشقِ توام | گفت عاشق نکو بود بہ عذاب |
| گفتم از چیست روئے راحتِ من | گفت ہر دم، ز دی خسو شباب |
| گفتم آں میر **نصر** ناصر دین | گفت آں مالکِ قلوب و رقاب |
| گفتم اندر جہاں چو او دیدی | گفت نے و نخواندہ ام یکتاب |
| گفتم اعدائے او دروغ زن اند | گفت ہمچو مسیلمہ کذّاب |
| گفتم از مدح او نیاسایم | گفت زنہار کنند او لوالالباب |

| | | |
|---|---|---|
| گفتم اورا چہ خواہم از ایزد | | گفت عمر دراز و دولت شاب |

ایک **قصیدہ** کو تشبیب سے شروع کیا ہے۔ معشوق کی تعریف کرتے کہتا ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| او، و من ہر دو ہمے زازیم، و ناز من بہ است | | کو بہ حسن خویش ناز و من بہ مدح **شہریار** |

ایک قصیدہ زلف کی تعریف سے شروع کیا ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| اے شکستہ زلف یار، از بسکہ کہ تو دستاں کنی | | دست، دست لست، گر با ساحراں یکساں کنی |
| ہم زرہ پوشی و ہم چوگاں زنی بر ارغواں | | خویشتن را گہ زرہ سازی و گہ چوگاں کنی |
| نیستی دیوانہ، بر آتش چرا غلطی ہمے؟ | | نیستی پروانہ، گرد شمع چوں جولاں کنی؟ |

زلف سے خطاب کرتے کرتے، اپنے آپ سے خطاب کرتا ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| دل نگہدار اے تن از دردش کہ دل باید ترا | | تا شائے کہ خدائے کشور ایران کنی |

(۲) **قصیدہ** اگرچہ مدحی اور بھٹی کیلئے مخصوص ہو گیا تھا۔ اسی بنا پر عرفی نے کہا ہے۔

قصیدہ کار ہوس پیشگاں بود عرفی۔

ایک اور شاعر کہتا ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| گر نگویم قصیدہ باکے نیست | | من خوشامد نمے توانم گفت |

لیکن **عنصری** نے اکثر قصائد سے واقعہ نگاری کا کام لیا ہے۔ اس نے اکثر قصیدوں میں محمود کی لڑائیاں اور فتوحات نظم کی ہیں۔ ایک قصیدہ میں جو ۱۷۲ شعروں کا ہے۔ محمود کے تمام معرکے اجمالاً لکھے ہیں[1]۔ اس کے چند اشعار یہ ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| شنیدہ؟ خبر شاہ ہندواں **جیپال** | | کہ بر سپہر بلندش ہمے بسود افر |
| بداں صفت سپہے چوں شب سیاہ بزرگ | | بدست ایشاں شمشیرہائے ہمچو سحر |
| چو دود تیرہ، درو آتشے زبانہ زناں | | تو گفتی کہ پراگندہ شد بدشت سقر |
| خدایگان خراساں بدشت **پیشاور** | | بہ حملہ بپراگند آں ہمہ لشکر |
| حکائت سفر **مولتان** ہمیدانی | | وگر ندانی **تاج الفتوح** پیش آور |
| اگر ز دجلہ **فریدوں** گزشت بے کشتی | | بہ **شاہنامہ** بر آں بر حکائت ست سمر |
| ازاں سپس کہ درد دہم را نبد پایاب | | وزاں سپس کہ براں بادراند بود عبر |

[1] تذکرہ دولت شاہ میں لکھا ہے کہ اس قصیدہ میں ۱۸۰ شعر ہیں لیکن دیوان مروجہ میں اس سے کم ہیں۔

به **مولتان** شد و در ره دو لیست قلعه کشاد — که هر یکے را صد بنده بود چون خیبر
بلاد و بت (مولتان) کده شان کشاده سوخت همه — بُرد باد همه تودهائے خاکستر
چو باز گشت به یک تاختن به میمنه شد — ازاں که بود **خراسان** ز رنجها مضطر

**خوارزم** کی فتح میں لکھتا ہے۔

بوقت آں کہ زمیں تفته بُد ز باد سموم — هوا چو آتش گرداند رو، بجائے شرار
فروگذشت **بآمویه** شهریار جهاں — به فال اختر نیک و به نصرت دادار
همه زمیں شده (دریائے جیحوں) از روئے بندگاں کشمیر — همه هوا شده از عکس چاؤشاں فرخار
در آب در همه غرقه شدند چوں فرعون — چو برگزشت بر آں آب، شاه موسیٰ وار
فراخ **جیحوں** چوں کوه شد ز بسکه درو — کلاه و ترکش و زیں بود و جامه و دستار
کسے که زنده بماند است ازاں هزیمتیاں — اگرچه تنش درست است، هست چوں بیمار
به مغزش اندر، تیغ است، اگر بود خفته — به چشمش اندر تیر است اگر بود بیدار
اگر به جنبد، بند قبائے او از باد — گماں کند که همے بر جگر خورد مسمار
گر سوال کند، گوید اے سوار مزن — وگر جواب دهد، گوید اے ملک زنهار

اخیر شعروں میں شکست یافتہ فوجوں کی بدحواسی اور خوف زدگی کی تصویر کس خوبی سے کھینچی ہے۔ کہتا ہے کہ جب یہ سوتے ہیں، تو خواب میں اُن کو ہر طرف تلواریں نظر آتی ہیں۔ اور آنکھ کھلتی ہے۔ تو تیر ہی تیر دکھائی دیتے ہیں۔ قبا کا بند اگر ہوا سے جنبش کرتا ہے۔ تو گمان کرتا ہے۔ کہ کوئی شخص کلیجے میں کیل ٹھوک رہا ہے، اگر کچھ درخواست کرتا ہے۔ تو یہ کہ میاں سوار! اب نہ مارنا، اور کچھ جواب دیتا ہے۔ تو یہ کہ اے بادشاہ پناہ دے۔

(۳) مناظر قدرت، اور خاص خاص چیزوں کے اوصاف بھی اُس نے نہایت خوبی سے لکھے ہیں۔

بہار

ابر نوروزی همے دُرباره وهت گر شود — تاز صنعش هر درختے لعبتے دیگر شود
باغ همچوں کلبه بزاز پُر دیبا شود — باد همچوں طبله عطار پُر عنبر شود
روئے بند هر زمینے حلهٔ چینی شود — گوشوار هر درختے رشتهٔ گوهر شود
زمین کا هر تخته چینی کپڑے کی نقاب پہن لیتا ہے — درخت کانوں میں سونے کے بُندے ڈال لیتے ہیں

(۱) زنار کمر کستی

| | |
|---|---|
| چوں حجابے لعبتاں خورشید رابینی کہ باز | گہ بروں آید زمیغ، وگہ بہ میغ اندر شود |
| آفتاب، بھان متی کی پتلی بن گیا ہے | کبھی بادل سے نکل آتا ہے اور کبھی بادلوں میں چھپ جاتا ہے |
| افسرِ سیمیں فرو گیرد ازسر کوہِ بلند | باز، مینا چشم، دو دیبا روے و مشکیں سر شود |
| پہاڑنے چاندی کا تاج (برف) سر سے اتار کر رکھدیا | اور اسکی آنکھیں سبز، چہرہ پُرنگار، اور سر مشکیں ہوگیا |

مقصد یہ کہ پہاڑ پر سبزہ، بنفشہ، اور طرح طرح کے پھول پیدا ہوگئے۔

نہر کی تعریف

| | |
|---|---|
| درخت نارنج، از خامہ گویا شنگرف | بر یخت است کسے مشت مشت و زر نگار |
| زبرگ و بار ہمہ طوطیانِ پرآنند | کہ برگ شان ہمہ پرّ است و بار شان منقار |
| مجرّہ دار یکے جوئے اندرو گزرد | بر آب خضر بتہ کردہ، آب او بازار |
| اگر بجنبد گوئی ہمے بجنبد جان | دگر بہ بیجد گوئی ہمے بہ بیچد مار |
| بساں قاروں گاہے فرو شود بزمیں | گہے شود بہ ہوا بر چو جعفرِ طیّار |

ہاتھی کی تعریف

| | |
|---|---|
| نہ چرخ اند، لیکن ہمہ چرخ گردش | نہ کوہند، لیکن ہمہ کوہ پیکر |
| چو اندر ہوا، کوہ بر قوم موسےٰ | چو بر قوم عاد آئت بادِ صرصر |
| چناں گرد، ارغش شاں دشت گوئی | بہ موج اندر آید ہمے بحرِ اخضر |
| تبک سیر راہ گیرند۔ بر آب و آتش | بارنداں بدرند پولاد و مرمر |
| زمیں کوہ باشد چو آیند پیدا | چو اندر گزشتند، چاہ منقعّر |

صنائع و بدائع | یہ بدعت عنصری سے پہلے شروع ہو چکی تھی، لیکن خال خال تھی۔ اور اس قدر نمایاں نہ تھی کہ لوگوں کا خیال اُس طرف رجوع ہوتا۔ **عنصری** نے اکثر صنعتیں مثلاً لف و نشر، ترصیع، تقسیم، سوال و جواب، کثرت سے برتیں۔ اور چونکہ بعض صنعتیں نہایت خوبی سے استعمال کیں، اور شعرا نے بھی تقلید کی، اور ایک عام شاہراہ پیدا ہوگئی۔ چنانچہ **ترصیع** یعنی دونو مصرعوں میں تمام الفاظ کا باہم مساوی الوزن ہونا یا ہم قافیہ ہونا، اس قدر عام ہوا کہ قدما کے اخیر دور یعنی ساتویں صدی تک تمام قصائد اسی انداز پر لکھے جاتے تھے۔ اور فیصدی ۸۰ شعروں میں یہ صنعت پائی جاتی تھی۔ لف و نشر، تقسیم، سیاقۃ الاعداد، کو بھی رواج ہوا، لیکن نہ اس قدر کہ قصائد کے گلے کا ہار بن جائیں۔ عنصری نے جس طرح ان صنعتوں کو برتا اُن کی مثالیں درج ذیل ہیں۔

ترصیع ترتیب

| | |
|---|---|
| درختے است گویا بہ مینا سقش | پرندے ست گویا بہ لولو مشجر |
| روندہ است و رفتنش در مغز شیراں | خورندہ است و خوردنش از مغز کافر |
| نہ دہم است و گشتنش چوں وہم بر دل | نہ مغز است و بودنش چوں مغز در سر |
| گہ آں آراستہ زلفش گرہ گردد، گہے چنبر | گہ آں پیراستہ جعدش بیارد مشک گہ عنبر |
| رخ چوں تو شگفتہ گل، ہمہ گلبن بزنگ مل | ہمہ شمشاد، پر سنبل، ہمہ بیجادہ پر شکر |
| بہ رو از نیکوئے معنی، بہ غمزہ از جادوئی دعوے | بہ چہرہ حجت مانی، بہ خوبی حاجت آذر |
| سمن بوئے، بنہ موئے، بلا جوئے، جفا گوئے | پریزادے، پریروئے، پری چہرے، پری پیکر |
| دل آرامی، دل آرائے، غم آنجامے، غم افزائے | نکو روئے، نکو رائے، بہ حسن اندر جہاں سرور |

تمام قصیدہ اسی صنعت میں ہے۔ اور اس قدر مقبول ہوا کہ تمام شعرائے مابعد نے التزاماً اسکے تتبع میں قصائد لکھے۔ **سلیمان ساوجی**، **امیر خسرو**، اور **قاآنی** نے بعض اور خوبیاں اس میں اضافہ کیں، اور زیادہ حسن پیدا کر دیا۔ مثلاً قاآنی کہتا ہے۔

| | |
|---|---|
| کنوں کز شنبلید و ارغوان و یاسمن دارد | چمن تزئین، و سمن تمکین، زمیں آئین، زماں زیور |
| بہ صحن باغ و طرف راغ، و زیر سرو، و پائے جو | بزن گام، و بجو کام، و بدہ جام، و بکش ساغر |

لف و نشر اور تقسیم کو اگرچہ عنصری نے بہت کم برتا ہے۔ لیکن نہایت خوبی اور سادگی سے برتا ہے۔

| | |
|---|---|
| یا بہ بند دا یا کشاید یا ستاند یا دہد | تا جہاں باشد ہمے مر فتنہ را ایں یادگار |
| آنچہ بستاند ولایت آنچہ بدہد خواستہ | آنچہ بندد دست دشمن، آنچہ بکشاید حصار |

**مبالغہ** اس میں بھی عنصری نے کچھ کمی نہیں کی۔ لیکن اس وقت تک تکلف اور بناوٹ کو اس قدر ترقی نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے متاخرین کے مقابلہ میں اس کے مبالغے پھیکے معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً وہ گھوڑے کی تعریف میں لکھتا ہے۔

مضمون آفرینی

| | |
|---|---|
| شگفت آید از مرکب تو خرد را | کہ از باد طبع ست و از خاک منظر |
| بہ گام لیسیں بر رود گر برانے | بہ تقریبش از باختر تا بہ خاور |
| بر جستن کند کم ز دریا بہ دریا | نہ منزل کند کم از کشور بہ کشور |
| بہ نور و ظلمت ماند زمیں را بر ہمے | بہ در و مینا ماند سر شک ابر دگیا |
| فریفتہ ست زمیں ابر تیرہ را کہ ازو | ہمے مستاند در و ہمے دہد مینا |

یعنی زمین اور بادل نور و ظلمت کے مشابہ ہیں، اور قطرۂ باراں۔ اور گھاس۔ گویا موتی اور سبز شیشے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بادل زمین کے فریب میں آگئے ہیں۔ کیونکہ زمین سبز شیشہ دے کر اس کے عوض بادلوں سے موتی لیتی ہے۔

| | |
|---|---|
| ہمانا کہ خورشید رنگ رخش را | بدزد قطرۂ باراں دو کہ بخشد بہ یاقوت احمر |

عام خیال یہ ہے کہ آفتاب، جب کسی پتھر پر چالیس برس تک متصل طلوع ہوتا رہتا ہے۔ تو وہ یاقوت بن جاتا ہے۔ عنصری کہتا ہے کہ آفتاب در اصل معشوق کے چہرے کا رنگ چراتا ہے۔ اور یاقوت کو دے دیتا ہے۔

گھوڑے کی تعریف

| | |
|---|---|
| زمان گزشتہ است کش در نیابی | چو بگزشت از پیش چشم تو دیگر |
| بہ رجعت بر آں گونہ باشد کہ گوئی | ہمے باز گردد زمانہ مکرر |

یعنی جب یہ گھوڑا، سامنے سے نکل جاتا ہے۔ تو گویا گزرا ہوا زمانہ ہے جس کو تم پا نہیں سکتے۔ اور جب چکر لگا کر آجاتا ہے۔ تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ نے پلٹا یا۔

## فرّخی

علی نام۔ ابوالحسن کنیت۔ فرّخی تخلص، سیستان وطن۔ باپ کا نام قلوغ تھا۔ جو امیر خلف بن احمد حاکم سیستان کے دربار میں ملازم تھا۔ بچپن میں ادب اور موسیقی کی تعلیم پائی۔ چنانچہ چنگ بجانے میں کمال پیدا کیا، معاش کی یہ صورت تھی کہ ایک زمیندار کی ملازمت کرتا تھا۔ جس کے معاوضہ میں سالانہ دو سو کیل غلہ اور سو درم مقرر تھے۔ یہ مختصر سی آمدنی اس کی سادہ زندگی کے لئے کافی تھی۔ لیکن چند روز کے بعد اس نے امیر خلف کی ایک لونڈی سے شادی کی۔ جس کی وجہ سے خرچ بڑھ گیا۔ آقا سے تحریری درخواست کی کہ تنخواہ میں ۵۰ درم کا اضافہ کر دے۔ اور غلہ کی مقدار دو سو کیل کی بجائے تین سو کر دی جائے۔ آقا نے عرضی کی پشت پر لکھ دیا کہ اس قدر حاضر ہے اور اس سے زیادہ کا مجھ کو مقدور نہیں۔

فرّخی کو شعر و شاعری کا بچپن سے ذوق تھا۔ اور اب اس نے اس فن میں کافی ترقی کر لی تھی۔ شاعری کی قدردانی کے قصے ہر جگہ مشہور تھے۔ اس لئے اس کو خیال ہوا کہ اس ذریعہ سے یہ مشکل حل ہوگی۔ چنانچہ لوگوں سے پوچھتا رہتا تھا کہ اس فن کا کون بڑا

قدر دان ہے۔

**ابوالمظفر چغانی**، اس زمانہ میں سلطان محمود کی طرف سے بلخ کا گورنر تھا۔ اور مہمات فیاض طبع۔ اور قدر دان سخن تھا۔ فرخی اس کی فیاضی اور قدر دانی کا شہرہ سن کر چغان میں آیا چنانچہ ایک قصیدہ کی ابتدا اس واقعہ سے کی ہے۔

| | |
|---|---|
| یا کاروان حلہ برفتم زسیستان | باحلہ تنیدہ زدل، بافتہ زجان |

ابوالمظفر کو گھوڑوں سے بہت شوق تھا۔ اور بڑے اہتمام سے ان کی پرداخت و تربیت کرتا تھا۔ اٹھارہ ہزار گھوڑیاں اور بچھیرے ہمیشہ چراگاہ میں رہتے تھے سال میں ایک دفعہ ان بچھیروں کا جائزہ لیتا تھا اور ان کو داغ کرتا تھا۔ فرخی جب بلخ پہنچا تو معلوم ہوا کہ ابوالمظفر داغ گاہ میں گیا ہے لیکن خوش قسمتی سے عمید اسعد جو ابوالمظفر کا مختار کل تھا۔ موجود تھا۔ فرخی اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ شاعر ہوں۔ عمید نے نظر اٹھا کر دیکھا تو فرخی کے چہرہ مہرہ ہیئت، وضع قطع، کسی چیز کو شاعری سے مناسبت نہ تھی، بھدا ڈیل ڈول۔ ڈھیلا ڈھالا کرتا جس کے دونو طرف چاک، سر پر بڑا سا پگڑ سخت متعجب ہوا تاہم حسن اخلاق کے لحاظ سے کہا کہ میں تم کو امیر کے دربار میں لے چلوں گا۔ لیکن پہلے داغ گاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھ لاؤ، اس کے ساتھ، داغ گاہ کی صورت کا نقشہ کھینچ کر دکھایا کہ کوسوں تک سبزہ زار ہوتا ہے۔ جا بجا چشمے بہتے ہیں بے تکلف احباب مل بیٹھتے ہیں۔ گاتے بجاتے ہیں۔ شراب پیئے جاتے ہیں۔ بادشاہ ایک ہاتھ میں پیالہ دوسرے میں کمندلے کر بیٹھتا ہے۔ شراب پیتا جاتا ہے۔ اور لوگوں کو گھوڑے انعام دیتا جاتا ہے۔

**فرخی** نے رات بھر میں قصیدہ طیار کر کے صبح کو عمید کے سامنے پڑھا۔

| | |
|---|---|
| چوں پرند نیلگوں بر روے پوشد مرغزار | پرنیان مفت رنگ، اندر سر آرد کوہسار |
| خاک را چوں ناف آہو مشک زاید بقیاس | بید را چوں پر طوطی برگ روید بے شمار |
| دوش وقت نیم شب بوئے بہار آورد باد | جذابا دشمال و فرخا بوئے بہار |
| باد گوئی مشک سودہ دارد اندر آستین | باغ گوئی لعبتان جادہ دارد در کنار |
| نسترن لولوے بیضا دارد اندر مرسلہ | ارغوان لعل بدخشاں دارد اندر گوشوار |
| باغ بوقلموں لباس، و شاخ بوقلموں نمائے | آب مروارید گون، و ابر مروارید بار |
| وانغبائے شہریارا کنوں چناں خرم شود | کاندرد از خرمی خیرہ بماند روزگار |

سبزہ اندر سبزہ بینی ۔ چوں سپہر اندر سپہر — خیمہ اندر خیمہ بینی ۔ چوں حصار اندر حصار
ہر کجا خیمہ است، خفتہ عاشقے با دوست — ہر کجا سبزہ است شاداں، بہاے از دیدار یار
سبزہا بر بانگ چنگ مطرباں چرب دست — خیمہا بر بانگ نوش ساقیان مے گسار
عاشقان بوس دکنار، و نیکوان ناز و عتاب — مطرباں رود و سرود و خفتگان خواب و خمار
بر در پردہ سراے خسرو پیروز بخت — از پئے داع آتشے افروختہ خورشید وار
داغہا چوں شاخہاے بستہ یاقوت رنگ — ہر یکے چوں نار دانہ گشتہ اندر زیر نار
ریدگاں خواب نادیدہ مصاف اندر مصاف — مرکبان داغ ناکردہ قطار اندر قطار
روے ہاموں، سبزہ چوں گردوں ناپیدا کراں — روے صحرا سادہ چوں دریاے ناپیدا کنار
اندراں دریا سماری، واں سماری جانور — اندریں گردوں ستارہ داں ستارہ بیدار
خسرو فرخ سیر بر بارہ، دریا گزر — با کمند اندر میان دشت چوں اسفندیار
گردن ہر مرکبے چوں گردن قمری بہ طوق — از کمند شہریار شہر گیر شہروار
ہر کرا اندر کمند شصت بازی، در فگند — گشت نامس بر سرین و شانہ درویش نگار
روز یک نیمہ، کمند و مرکبان تیز تگ — نیم دیگر مطربان و بادۂ نوشین گوار

**عمید** نے **فرخی** کو ساتھ لیا، اور ابوالمظفر کے پاس جاکر اس تقریب سے پیش کیا کہ **دقیقی** کے بعد، آج تک اس پایہ کا شاعر نہیں پیدا ہوا، یہ کہ کر سارا واقعہ بیان کیا۔ ابوالمظفر نے فرخی کو دربار میں مناسب موقع پر جگہ دی۔ شراب کا دور چل رہا تھا۔ دو تین دور ہو چکے تو فرخی اٹھا۔ اور درد آمیز لہجہ میں یہ قصیدہ پڑھا ع باکاروان حلہ برفتم زسیستان ابوالمظفر خود شاعر تھا، حد سے زیادہ مسرور ہوا، اور فرخی سے کہا کہ ہزار کیت بچھیرے سامنے ہیں۔ جس قدر تم سے پکڑے جاسکیں سب تمہارے ہیں۔ فرخی شراب سے بدمست تھا۔ فوراً اٹھا دستار سر سے پھینک بچھیروں کی قطار میں گھس گیا۔ وہ بھاگ کر ادھر ادھر پھیل گئے فرخی، ہر طرف پیچھے پیچھے دوڑتا پھرتا تھا۔ تھک کر چور ہو گیا، اور وہیں زمین پر پڑ کر سو رہا۔ صبح کو دن چڑھے اٹھا، ابوالمظفر نے صبح کی نماز سے فارغ ہو کر، فرخی کو دربار میں طلب کیا۔ اور اسپ خاصہ، ایک خیمہ تین شتر، پانچ غلام، اور پہننے کے کپڑے انعام دیئے دریافت سے معلوم ہوا کہ فرخی نے جس گلہ پر ہاتھ ڈالا تھا۔ اس میں بیالیس بچھیرے تھے۔ ابوالمظفر نے وہ بھی انعام میں دیدیئے۔ چند روز کے بعد فرخی بڑے سر و سامان سے

**سلطان محمود** کے دربار میں پہنچا، سلطان نے نہایت قدردانی کی اور شعرائے خاص میں داخل کیا[1]، ایک موقعہ پر اسپ خاصہ عنایت کیا تو فرخی نے یہ اشعار شکرگزاری میں لکھے۔

| | |
|---|---|
| اسپے کہ چناں شاہ دہد اسپ نباشد | تاجے بود آراستہ از لولوئے شہوار |
| دشمن کہ بریں ابلق رہوار مرا دید | بے صبر شد و کرد غم خویش پدیدار |

اس وقت باوجود تقرب اور منصب ندامت کے **فرخی** کو دربار میں کمر بند باندھنے کی اجازت نہ تھی۔ کیونکہ یہ لباس امرائے فوج کے ساتھ مخصوص تھا، فرخی نے نہایت خوبی سے اس قصیدہ میں اس عہدہ کا آرزو کی ہے۔

| | |
|---|---|
| گفتا کہ بہ میداں و بہ سرہنگاں مانی | امروز کلاہ و کمرت باید ناچار |
| گفتم کہ چہ دانی کہ شب تیرہ چہ زاید | بشکیب و صبوری کن تا شب بہ نہد یار |
| من تنگدلی پیشہ نگیرم کہ بزرگاں | کس را بہ بزرگی نرسانند بیک بار |

یعنی دشمن نے مجھ سے کہا کہ اب تو تمہارا ٹھاٹھ امراء کا سا ہے۔ اب کمر بند و کلاہ بھی ملنا چاہیئے۔ میں نے کہا تجھ کو کیا خبر ہے کہ کل کیا ہوگا؟ جس نے مجھ کو اسپ خاصہ کے قابل سمجھا وہ اس کا مستحق بھی سمجھے گا۔ میں دل گرفتہ نہیں ہوتا کیونکہ سلاطین کا یہ دستور نہیں کہ کسی کو ایک دم سے بڑے رتبہ پر پہنچادیں، بالآخر فرخی کی دولت و جاہ کی یہ نوبت پہنچی کہ جب اُس کی سواری نکلتی تھی تو بیس زرّین کمر غلام رکاب میں چلتے تھے۔

**ایاز** جو سلطان محمود کا محبوب خاص تھا۔ فرخی کا نہایت قدردان تھا۔ اور اِس سے نہایت خلوص رکھتا تھا۔ ربط زیادہ بڑھا تو محمود کو رشک ہوا یہاں تک کہ فرخی کا دربار بند کر دیا۔ فرخی نے متعدد قصیدے معذرت میں لکھے۔ بالآخر سلطان صاف ہوگیا، اور فرخی بدستور دربار میں جانے آنے لگا۔

اِس زمانہ کے تمدن اور معاشرت پر تعجب ہوتا ہے۔ کہ شعراء محمود کی مدح میں جو قصیدے لکھتے تھے۔ اس میں علانیہ ایاز کے حسن و معشوقی کا ذکر کرتے تھے۔ اور محمود اس سے خوش ہوتا تھا۔ فرخی ایک قصیدہ میں لکھتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| امیر جنگجو ایاز اُو یساق | | دل و بازوے خسرو روز پیکار | |

[1] یہ تمام واقعہ اگرچہ تمام تذکروں میں منقول ہے لیکن سب سے زیادہ تفصیل چہار مقالہ میں ہے۔ اور میں نے گویا اُسی کا لفظی ترجمہ کیا ہے۔ [2] مجمع الفصحاء۔

زنانِ پارسا از شوق گردند | به کابین کردنی او را خریدار
نه بر خیره بدو دل داد **محمود** | دلِ محمود را بازی بپیوندار
جزا و در پیش سلطان نیز کس بود | جزا و سلطان غلامان داشت بسیار
اگرچوں میر یک تن بود آنجا | نه چندیں بُد مر اورا گرم بازار

**غضاری** نے محمود کی فرمائش سے ایاز کی تعریف میں دو شعر لکھ کر پیش کئے تو محمود نے دو ہزار اشرفیاں انعام میں دلوائیں۔ چنانچہ غضاری ایک قصیدہ میں کہتا ہے۔

مرا دو بیت بفرمود شہریار جہاں | براں صنوبر عنبر غدار مشکیں خال
دو پیدرہ زر بفرستاد دو ہزار درم | برغم حاسد بیمار بدسگال نکال

**فرخی** نے صنائع و بدائع شعری میں ایک کتاب بھی لکھی جس کا نام ترجمان البلاغت ہے۔ رشید الدین وطواط نے حدائق السحر میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ "لغو کتاب ہے بظاہر تعجب ہوتا ہے کہ ایران کے شعرا ابتدا ہی سے صنائع و بدائع کی طرف کیونکر مائل ہوئے لیکن حقیقت میں یہ تعجب کی بات نہیں۔ شاعری کا جو نمونہ فارسی شعرا کے پیش نظر تھا۔ وہ عربی شاعری تھی۔ عرب میں خود اس زمانہ میں صنائع و بدائع کی بدعت ایجاد ہو چکی تھی اور عبد اللہ بن معتز کی کتاب البدیع جو اس فن کی پہلی کتاب تھی گھر گھر پھیلی ہوئی تھی۔ تاہم فرخی کی سلامت روی دیکھو کہ اس نے صنائع و بدائع پر کتاب لکھی۔ لیکن خود ان تکلفات سے آزاد ہے۔ فرخی نے ۴۲۹ھ میں وفات پائی۔

**کلام پر رائے** فرخی کے کلام کا عام جوہر زبان کی صفائی، اور سلاست و روانی ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اس ابتدائی زمانہ میں اُس نے بیان کو اس قدر صاف کر دیا کہ ہزار برس گزر چکے لیکن آج کی زبان معلوم ہوتی ہے۔ قاآنی کا بڑا اعجاز یہی خیال کیا جاتا ہے کہ وہ قصائد میں ہر قسم کے واقعات اس طرح پر تکلف ادا کرتا جاتا ہے، گویا دو آدمی آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ فرخی سے اس کا موازنہ کرو۔ صاف نظر آئے گا جو بات قاآنی کو ہزار برس کے بعد حاصل ہوئی، فرخی کو اس وقت حاصل تھی، رمضان اور عید کے ذکر میں قاآنی کا ایک مشہور قصیدہ ہے۔

ولکا! ہیچ خبرداری کاں ترک پسر | با سن از ناز دگر بار چہ آورد بہ سر
بلب نوشیں آمد شب دوشیں بسرائے | حلقہ بر در زدو برجستم و بگشودم در
گفت قاآنیگا! تا کے خسپی بہ سرائے | خیز کز روزہ شد اوضاع جہاں زیر و زبر

غالباً مست چناں خفتہ اند در رمضاں — کز مہ روزہ و از روزہ ترا نیست خبر
گفتم اے ترکِ دلارام مگر باز آمد — رمضاں آں مہ شاہد کش و زاہد پرور
گفتم آرے رمضان آمد و گوید کہ بخلق — رقم از بار خدا دارم و از پیغمبر
وقت آں آمد کاں واعظ ک از بعد نماز — ہمچو بوزینہ بہ یکبار جہد از منبر

اسی بحر و قافیہ میں فرخی کا قصیدہ دیکھو۔

رمضان رفتہ و رہے دور گرفت اندر بر — خنک آں کس رمضاں را بہ سر آرد بسر
بس گرامی بود ایں ماہ ولیکن چہ کنم — رفتنی رفتہ بہ و روئے نہادہ بہ سفر
رمضان گر بپذیرند ز راہ فراز آمد عید — عید فرخندہ ز ماہِ رمضاں نیکو تر
گاہ آں آمد کز شادی پر گردد دل — وقت آں آمد کز بادہ گراں گردد سر
بادۂ روشن و آسودہ و صافی چو گلاب — ساقی دلبر و شائستہ و شیریں چو شکر
مطربا آں غزل نغز ولاویز بیار — ورنہ دانی بشنو تا غزل گویم تر
اے دریغا دل من کاں صنم سیمیں بر — دلِ من برد و مرا از دلِ او نیست خبر
او ولے داشت گرامی و دل دیگر یافت — کاشکے من دلکے یافتمی نیز دگر

اسی بحر اور قافیہ میں اس کا ایک اور قصیدہ ہے۔ جو ہر ایا محاورہ اور روزمرہ ہے۔

ترکِ بت روئے من از خواب گراں دارد سر — دوش مے دادہ است از اول شب تا بسحر
میرا پری چہرہ معشوق نیند سے سرگراں ہے — کل شام سے صبح تک شراب پلاتا رہا ہے۔
من بچشم او را دو بار نمودم کہ بخسپ — او ہمے گفت بسر تا برم ایں دور بسر
میں نے دو دفعہ آنکھ سے اشارہ کیا کہ سو رہو — لیکن وہ یہی کہتا رہا کہ یہ دور تو ختم ہونے دو
شب بسر برد بہ مے دادن و نشست و نخفت — دل من خست کہ نشست و نخفت آں دلبر
ساری رات شراب پلانے میں گزاری، نہ بیٹھا نہ سویا — یہ میری خاطر داری تھی کہ سویا نہیں اور کھڑا رہا
حیلہ سازد کہ مے افزوں خورد از نوبت خویش — در تواند بخورد نوبت یاراں دگر
چالاکی کرکے چاہتا ہے کہ اپنے حصہ سے زیادہ پی لے — اور اس کے امکان میں ہو تو اوروں کا حصہ بھی لے ڈالے
کیست آں کو؟ ندید دل بچنیں خدمت و دوست — کیست آں کو؟ نہ کشد بار چنیں خدمت گر

مدح کے تشبیب میں فتوحات کا ذکر کرتا ہے۔

خسرو ما بہ خکار ملکاں تا خستہ بود — ما ز اندیشۂ او خستہ دل و خستہ جگر

خسرو از راہ دراز آمد با نہمت و کام
ملک از جنگ عراق آمد با فتح و ظفر

قلعہ ہا کندہ و بنشاندہ بہر شہر سپاہ
جنگہا کردہ و بنمودہ بہر جائے ہنر

دیگر

اے پسر اگر دل من کردہ ہمے خواہی شاد
از پسِ بادہ بمن بوسہ ہمے باید داد

نقل یا بوسہ بود، بادہ دہی نقل بدہ
دیرگاہ است کہ ایں رسم نہادآں کہ نہاد

گر ہمے گوئی بوس از دگرے نیز بخواہ
تو مرا از دگراں پردۂ اے حور نژاد

یہ بھی **فرخی** کے خصوصیات میں ہے کہ جب کسی چیز کی تعریف یا کسی واقعہ کی حالت اور کیفیت بیان کرتا ہے۔ تو اس کا اصلی سماں آنکھوں کے سامنے کھینچ دیتا ہے۔ ایک قصیدہ میں مجلس عیش کی خیالی تصویر کھینچی ہے۔

سرو ساقی و ماہِ رود نواز
پردۂ بستہ در رہ شہناز

زخمۂ رود زن نہ پست و نہ تیز
زلف ساقی نہ کوتہ و نہ دراز

مجلسے خوب خرد وانی دار
از سخن چیں، تہی و از غمناز

بوستانے ز لالہ و سوسن
ہمچو روئے تذرو و سینۂ باز

دوستان مساعد و یک دل
کہ تواں گفت پیش ایشاں راز

ماہ روئے نشاندہ اندر پیش
خوش زبان و موافق و دمساز

جعد او بر پرند کشتی گیر
زلف او بر حریر چوگاں باز

بادۂ چوں گلاب روشن و تلخ
ماندہ در خُم ز گاہِ آدم باز

از چنیں مجلس و چنیں بادہ
ہیچ زاہد مرا ندارد باز

سلطان محمود نے ایک باغ بڑے سر و سامان سے تیار کرایا تھا۔ گلہائے رنگ برنگ کے تختۂ زاب جا بجا جدولیں، دو طرفہ سرو شمشاد، ایک طرف مصنوعی خوشنما جھیل اُس میں رنگ برنگ کی مچھلیاں کانوں میں موتی کے آویزے پہنے تیرتی پھرتی تھیں، تصویر خانہ میں محمود کی مجسم تصویریں، کہیں برچھا ہاتھ میں لئے ہوئے شکار کھیل رہا ہے۔ کہیں بزم عیش میں بیٹھا ہے۔ اور شراب کا دور چل رہا ہے۔ **فرخی** اِس باغ کا نقشہ دکھاتا ہے۔

بہ فرخندہ فال و بہ فرخندہ اختر
زنو باغ میخواست شاہِ مظفر

درد مسکن ماہرویان مجلس
در وخانۂ شیر گیرانِ لشکر

کجا جائے بزم است گلہائے بسیار
کجا جائے صید است مرغان بسیر

روان گرد بر گرد رعنا درختاں — نذر داں، آموختہ مادہ و نر
یکے کاخ شاہانہ اندر میانش — سر کنگرہ بر کنار دو پیکر
بہ کاخ اندروں صفہائے مصفا — از صفہا ساختہ سرائے منظر
یکے ہمچو دیبائے چینی منقش — یکے ہمچو ارزنگ مانی مصور
نگاریدہ در چند جا مر مصور — شہ شرق را اندراں کاخ پیکر
بہ یکجائے در صید، در دست شروین — بہ یکجائے سلطان محمود در بزم، بر دست ساغر
ازاں کاخ فرخ چو اندر گزشتی — یکے رود، آب اندر و ہمچو شکر
نہ چرخ است و اجزائے او چوں ستارہ — نہ ابرست و آوائے او ہمچو تندر
اگر بگذرد بر سرش مرغ موجش — بیالاید اندر ہوا مرغ را پر
بدینسان بہ باغ اندراں تندروے — یکے ژرف دریا مر آں را برابر
بدو اندراں ماہیاں چوں عروساں — بگوش اندروں پر گہر حلقہ زد
مکانے برآوردہ پہلوئے دریا — بداں تا براں مے خورد شاہ صفدر
بمیمن و دل شاہ محمود غازی — امین ملل خسرو بندہ پرور

ابو المظفر چغانی کے دربار میں جب اس نے جانا چاہا ہے۔ تو راہ میں بہت صعوبتیں پیش آئیں، قصیدہ میں تمام حالات تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ اور دیکھو مدح کی تمہید کا پہلو کس خوبصورتی سے پیدا کیا ہے۔

رہے صعب، وشبے تاریک و تیرہ — ہوا چوں قیروز و ہا موں مقیر
ہوا اندودہ رخسارہ بدودہ — سپہر آراستہ چہرہ بہ گوہر
گماں بردی کہ بادا (سیاہی) اندر پراگند — بروئے سیمبر دریا برگ عبہر
مجرہ چوں بہ دریا (رود پہنل) راہ موسے — کہ اندر قعر او بگذشت لشکر (یعنی آسمان یعنی ستارے)
زمانے رفت و سر بر زد مہ از کوہ — برنگ روئے بہوراں مزعفر (کہکشاں)
بہ ریگ اندر ہمے شد پارہ تازاں — چو در غرقاب مرد آشنا در (تیراک)
شکم مالاں بہ ہاموں در ہمے رفت — شدہ ہاموں بزیر آں مقعر (کھوڑا)
وزندہ اژدہائے پیشم آمد — خروشاں و بے آرام[1] و زمین در

(یعنی دریا)

[1] بے کی ی ظاہر نہیں ہوتی۔ اور یہ قدما کی زبان ہے ۱۲

گرفتہ دامن خاور دنبال — نہادہ بر کران باختر سر
بہ باران بہاراں (مشرقی) گشتہ فربہ — بگرمائے حزیراں گشتہ لاغر
مدیح شاہ برجیجوں بخواندم — برآمد بانگ (مہینہ کا نام) از آب اللہ اکبر
کہ من شاگرد کف را دادیم — کہ تو مدحش ہمے برخوانی ازبر
بفر شاہ از (فیاض) جیجوں گزشتم — یکے موئے از تن من ناشدہ تر
وزاں جا نابدیں درگاہ گفتی — کشادشتند مر فردوس رادر
ہمہ بالا پُر از دیبائے رومی — ہمہ پستی پُر از کالائے (نام شہر) تبت
تو گفتی ہیکل زردشت گشتہ است — زبس لالہ ہمہ صحرا سراسر

**فرخی** نے واقعہ نگاری کو بہت ترقی دی، اس سے پہلے بھی یہ صفت موجود تھی۔ لیکن سینکڑوں گوناگوں واقعات کو نہائت بے تکلفی اور برجستگی سے ادا کرکے اس نے واقعہ نگاری کی ایک شاہراہ قائم کردی۔ اور آیندہ نسلوں کے لئے راستہ صاف کردیا۔ اکثر قصیدوں میں فتوحات کے حالات لکھتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ایک مؤرخ بے کم وکاست ٹھیک ٹھیک حالات لکھتا جاتا ہے۔ **سومنات** کی فتح میں جو قصیدہ لکھا ہے۔ اس میں ایک ایک مقام کا نام اور اس کا حال بیان کیا ہے۔

گمان کہ برد؟ کہ ہرگز کسے ز راہ طراز — بہ سومنات برد لشکر وچنیں لشکر
یہ کس کو خیال تھا کہ کوئی شخص طراز کی راہ سے — سومنات پر فوج لیجاسکتا ہے اور فوج بھی ایسی فوج
ہوائے آں دژم وباد آں چو دود جحیم — زمیں آں سیہ وخاک آں چو خاکستر
راستے میں ہوا ایسی خراب جیسے دوزخ کا دھواں — زمین بالکل سیاہ اور خاک جیسے راکھ
ہمہ درخت ومیان درخت خارکشن — نہ خار بلکہ سنان خلندہ وخنجر
تمام جھاڑیاں اور جھاڑیوں کے کانٹے — کانٹے نہیں بلکہ چبھنے والی برچھیاں اور خنجر
نہ مرد را سر آں کاندراں نہادے پے — نہ مرغ را دل آں وارزاں کشادے بر
نہ آدمی کو یہ حرکت ہوتی تھی کہ قدم رکھے — نہ پرند کو یہ ہمت ہوتی تھی کہ اڑ سکے
عجب تر انیکہ ملک را ہمے چنیں گفتند — کہ اندریں رہ مار دو سر بود بسیر
سب سے بڑھکر عجیب بات یہ کہ لوگوں نے بادشاہ سے کہا تھا — کہ اس راہ میں دو مونہے سانپ بے شمار ہیں
نہ شب چو خفتہ بود مرد سر برآرد مار — ہمے کشد نفس خفتہ تا برآید خور

آدمی جب رات کو سو جاتا ہے۔ تو یہ سانپ نکلتے ہیں اور دھوپ نکلنے تک پھنکار مارتے ہیں

چو خور بر آمد اگر می بہ مرد خفتہ رسد سبک نہ گردد ازاں خواب تا گہ محشر

جب آفتاب نکل آتا ہے اور آدمی کے بدن کو گرمی پہنچتی ہے تو آدمی ٹھنڈا ہو کر رہ جاتا ہے اور قیامت تک اٹھ نہیں سکتا

بدیں درشتی و زشتی رہے کہ کردم یاد گزشت شاہ بتوفیق خالق اکبر

ایسے سخت اور خراب راستہ سے کس کا میں نے بیان کیا بادشاہ خدا کی توفیق سے گزر گیا

بزوز بہر لیں ماندگان و گم شدگان میانِ بادیہ ہا حوضہائے چوں کوثر

پیچھے رہ جانے والوں کے لئے جنگل میں حوض تیار کرا دیئے تھے

بداں رہ اندر چندیں حصار و شہر بزرگ خراب کرد، و بکند اصل ہر یک ازین وبر

سینکڑوں قلعے اور شہر جو راہ میں پڑے برباد کر دیئے اور ان کی جڑ کھود کے پھونک دی

نخست لاردکز روئے برج دبارۂ او چو کوہ فرو ریخت آہن و مرمر

پہلا قلعہ لاردہ تھا۔ جس کے برج اور دیوار سے پہاڑوں کے برابر لوہا اور پتھر برستا تھا

چہ مندبیر کہ در مندبیر حوضے بود چنانکہ خیرہ شدے اندرو دو چشم فکر

اور مندبیر کا کیا کہنا جس میں ایک ایسا حوض تھا جس کو دیکھ کر نقل کی آنکھوں کو چکا چوندہ لگ جاتی تھی

فراخ پہنا حوضے بہ صد ہزار عمل ہزار تبکدۂ خرد کرد حوض اندر

نہایت چوڑا حوض جس میں ہزاروں کاریگریاں کام میں آئیں ایک ہزار چھوٹے چھوٹے بتخانے اس کے اندر تھے

یکے حصار قوی بر کرانِ شہر و رود زبت پرستان گرد آمدہ یکے محشر

شہر کے کنارے پر ایک قلعہ تھا جس میں بت پرست ٹھٹ کے ٹھٹ رکھے تھے

فریضہ ہر روز آں سنگ را بشستندے بہ آب گنگ و بہ شیر و بزعفران و شکر

اس بت کے لازمی طور پر ہر روز گنگا کے پانی اور دودھ اور زعفران اور شکر دھوتے تھے

شکار میں قمرغہ کا طریقہ، ایک مدت سے چلا آتا ہے۔ یعنی کسی بڑے جنگل میں جہاں کثرت سے شکاری جانور ہوتے تھے۔ چاروں طرف آدمیوں کی صفوں کو پھیلا کر ایک بڑا حلقہ قائم کر لیتے تھے۔ پھر حلقہ کو بتدریج چھوٹا کرتے جاتے تھے یہاں تک کہ دو چار میل کی وسعت رہ جاتی تھی۔ اور تمام جانور سمٹ کر انتے ہی دور میں آجاتے تھے۔ پھر ہر طرف سے اس پر حملے ہوتے تھے۔ اکثر مارے جاتے۔ بہت سے زندہ بھی گرفتار ہوتے سلطان محمود بھی اس طریقے سے اکثر شکار کھیلا کرتا تھا۔ فرخی نے ایک قصیدہ میں اس کا سماں دکھایا ہے۔

| | |
|---|---|
| اے زجنگ آمدۂ وروئے نہادہ بہ شکار | تیغ و تیر تو ہمے سیر نگردیدہ زکار |
| ہرچہ در ایران پرندہ، دود و امی بود | ہمہ را گرد بہم کردی در یک دیوار |
| گردِ ایشاں (ردیف ۱۲) پرہ بر بستی مانند عقاب | زاں بروں رفت ندانست، یک از ہیچ کنار |
| در دویدند سوئے تو بہ قطار از سرِ کوہ | باز گشتند (زمین ۱۲) دردا من کہ شاں بہ قطار |
| با مداداں ہمہ کہسار پُر از وحشی بود | شامگاہاں ہمہ پرداختہ بود از کہسار |
| در زملنے، ہمہ آں دشت زخون دوودام | لعل کردے چو گلستانے ہنگامِ بہار |
| خواہمی من کہ بجا بستے بہرام امروز (بقیہ ہو) | تا بدیدے دبیا موختے از شاہ شکار |

واقعہ نگاری کا انداز فرخی پر اس قدر غالب ہے کہ قصائد کی تشبیب میں جو دراصل غزل ہوتی ہے۔ یہ انداز قائم رہتا ہے۔ مثلاً ایک قصیدہ کی تشبیب میں لکھتا ہے۔

| | |
|---|---|
| دوش متواریک بہ وقتِ سحر | اندر آمد بہ خیمہ آں دلبر |
| چنگ (چھپکلی) در بر گرفت و خوش بنواخت | واز دو لب (یاقوت ۱۲) شد فرو فشاند شکر |
| پنج شش جام خورد و پُر گل گشت | روئے آں (انار ۱۳) روئے بنکواں یکسر |
| مست گشت و، ز بہر خفتن ساخت | خویشتن را کنارِ من (خوبصورت ۱۲) بستر |
| زلفِ مشکیں بروئے در پوشید | دستِ من زیر کرد، و زلف زیر |
| زلف او را بدست بگرفتم | زنخ گرداد بہ دستِ دگر |
| راست گفتی، گرفتہ بُد چاکر | گوئے و چوگاں شہ بدست اندر |

دیکھو تشبیب سے مدح کی تمہید کس خوبی سے پیدا کی ہے۔

**فرخی** سے پہلے مرثیہ کے اشعار بہت کم پائے جاتے ہیں، اور جس قدر ہیں معمولی درجہ کے ہیں لیکن **فرخی** نے **سلطان محمود** کا جو مرثیہ لکھا، وہ نہ صرف پُر درد اور پُر تاثیر ہے۔ بلکہ اس فن کے تمام اصول اور آئین اس سے قائم ہو سکتے ہیں۔

مرثیہ گوئی کے بڑے اصول تین ہیں۔

(۱) ممدوح کی عظمت و شان کا ذکر کیا جائے۔ تاکہ اس سے عبرت کا سبق حاصل ہو کہ اس پایہ کا شخص اٹھ گیا۔

(۲) اس کے مرنے سے ملک میں جو رنج و ماتم برپا ہے۔ اس کا ذکر کیا جائے۔

(۳) اُس کو مخاطب کر کے ایسے خیالات ظاہر کئے جائیں جس سے یہ ثابت ہو کہ انتہائے

وارفتگی اور مدہوشی کی وجہ سے مرثیہ کہنے والے کو اُس کے مرنے کی بھی خبر نہیں، اور وہ اب تک اُس کو اسی طرح مخاطب کرکے باتیں کرتا ہے۔ جس طرح زندگی میں کرتا تھا۔

فرخی کے مرثیہ میں یہ تمام باتیں پائی جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ الفاظ، بندش، اور طرز ادا اس قدر مؤثر ہے۔ کہ پتھر کا دل بھی پانی ہوجاتا ہے۔

شہر غزنین نہ ہماں است کہ من دیدم پار
چہ فتادست کہ امسال دگرگوں شد کار

غزنین اب وہ نہیں ہے جو میں نے پارسال دیکھا تھا
اس سال کیا پیش آیا کہ وہ حالت بالکل بدل گئی

کو یہا ہینم پر شورش و سرتاسر کوئے
ہمہ پُر جوشن و جوشن در و پُر خیل و سوار

دیکھتا ہوں کہ تمام گلیوں میں شور برپا ہے اور اس سرے سے اس سرے تک
جوشن پوش گھوڑوں اور سواروں کے ٹھٹ کے ٹھٹ ہیں

مہتراں بینم بر روئے زناں ہمچو زناں
چشمہا کردہ زخوں نابہ برنگ گلنار

بڑے بڑے سردار عورتوں کی طرح مُنہ پیٹ رہے ہیں
اور اُن کی آنکھیں خون سے رنگین ہوگئی ہیں

ملک امثال دگر باز نیامد زغزا
دشمنے روئے نہادست دریں شہر و دیار

شاید اس سال بادشاہ جہاد سے واپس نہیں آیا
اس وجہ سے ملک میں کوئی دشمن آپہنچا ہے

سیرمے خوردہ مگر دی، کہ بخفتہ است امروز
دیر تر خواست مگر رنج رسیدش زخمار

غالباً رات بہت شراب پی گیا اس لئے اب تک سو رہا تھا
چونکہ خمار کی تکلیف ہے۔ اسلئے آج دیر میں اُٹھے گا

خیز شاہا! کہ رسولانِ شہاں آمدہ اند
ہدیہا دارند آوردہ فراواں و نثار

اے بادشاہ اٹھ! بادشاہوں کے قاصد آئے ہیں
جو کثرت سے ہر قسم کے ہدیے اور تحفے لائے ہیں

کہ تواند؟ کہ برانگیزد ازیں خواب ترا
خفتنی خفتنی، کز خواب نگردی بیدار

کس کی طاقت ہے کہ تجھ کو اس نیند سے جگا سکے
تو ایسی نیند سویا کہ اب پھر نہ جاگے گا۔

خفتنِ بسیار اے خواجہ خوئے تو نبود
ہیچ کس خفتہ ندیدہ است ترا زیں کردار

اے آقا! دیر تک سونا تو تیری عادت نہ تھی
کسی نے اس طرح تجھ کو سوتے نہیں دیکھا تھا

یکدمک بارے درخانہ بالیست نشست
تا بدیدندے روئے تو عزیزان و تبار

ذرا دیر تو تجھ کو دربار میں آکر بیٹھنا چاہیئے تھا
کہ عزیز اور قریب تیرا چہرہ دیکھ لیتے

بہ حصار از فزع و بیم تو رفتند شہاں
تو شہا از فزع و بیم کہ رفتی بہ حصار؟

تیرے ڈر سے تو تمام سلاطین قلعوں میں بھاگ کر چھپ گئے
تو کس کے ڈر سے قلعہ میں بھاگ کر چھپا ہے

شعرا را بہ تو بازار بر افروختہ بود
رفتی و با تو بہ یکبارہ برفت آں بازار

| | |
|---|---|
| تیرے دم سے شاعروں کا بازار گرم تھا | تو گیا۔ اور وہ بازار بھی جاتا رہا |

صنائع شاعری میں ایک چیز **تلمیح** یعنی کسی قصہ طلب واقعہ سے مضمون پیدا کرنا ایک لطیف صنعت ہے۔ **فرخی** اس صنعت کا استعمال نہایت خوبی سے کرتا ہے۔

مشہور ہے کہ حضرت آدم نے جب بہشت میں گیہوں کھا لیا۔ تو اُن کے بدن کے کپڑے خود بخود اُتر گئے اور وہ بالکل برہنہ رہ گئے فرخی نے اس واقع سے خزاں کی تعریف میں مضمون پیدا کیا۔

| | |
|---|---|
| مگر درخت شکوفہ گناہِ آدم کرد | کہ از لباس چو آدم ہمے شود عریاں |

**نوشیرواں** نے زنجیر عدل قائم کی تھی یعنی ایوان شاہی میں ایک زنجیر لٹکا دی تھی کہ جس کسی کو کچھ شکایت ہو وہ زنجیر آکر ہلا دے۔ زنجیر کے ہلنے کے ساتھ وہ کسی حالت میں ہوتا باہر نکل آتا تھا، دیکھو فرخی اس سے مضمون پیدا کرتا ہے۔

| | |
|---|---|
| من چو مظلوماں، از سلسلۂ نوشیرواں | اندر آویختہ زاں سلسلۂ زلف دراز |

مشہور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہوا کے تخت پر بیٹھ کر سیر کیا کرتے تھے فرخی نے اس سے تشبیہ کا کام لیا۔

| | |
|---|---|
| پے بازیٔ گورے شد خسرو | بر یکے تازی اسپ کہ پیکر |
| راست گفتی بہ باد بر اجسم بود | گر بود باد را ستام بہ زر |

حضرت موسیٰ جب رود نیل پر پہنچے تو دریا بیچ میں سے پھٹ کر سیدھی سڑک نکل آئی جس سے تمام بنی اسرائیل پار اتر گئے۔ **فرخی** کمکشاں کی تعریف میں کہتا ہے۔

| | |
|---|---|
| مجرّہ چوں بدریا راہ موسےٰ | کہ اندر قعر او بگزشت لشکر |

صنائع و بدائع، عارض سخن کے داغ ہیں۔ تاہم چونکہ اس زمانہ میں اس کا رواج عام ہو چکا تھا۔ فرخی کے کلام میں بھی یہ داغ پائے جاتے ہیں۔ لیکن چنداں بدنما نہیں معلوم ہوتے لف و نشر، اور صنعت تقسیم کو ایک قصیدہ میں جمع کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| در گ و اندر تن و اندر دل و اندر دو چشم | خواب و حیرت روح و خوں را لے مدافتاد انقلاب |
| رنج دارد جائے خوں، درد دارد جائے روح | عشق دارد جائے صبر و آب دارد جائے خواب |
| ہشت چیز او برد از ہشت مایۂ ہشت چیز | سال مہ ایں ہشت چیزش را ہمیں ہست اکتساب |
| علم او سنگِ زمین و طبع او لطف ہوا | روئے او دیدار ماہ و دست او جودِ سحاب |

| | |
|---|---|
| رسم او حسن بہار و لفظ او قدر شکر | خلق او بازار مشک و خوے او بوے گلاب |
| ہشت چیزش را برابر یافتم با ہشت چیز | ہر یکے زاں ہشت سوے فضل او وارد تاب |
| تیغ او را با قضا و تیر او را با قدر | اسپ او را با سپہر و خشت او را با شہاب |
| حزم او را با اماں و عزم او را با ظفر | لفظ او را با قرآں و حفظ او را با کتاب |

صنعتِ سوال و جواب،

| | |
|---|---|
| بر نخیزد کہ گل سوری، چہ ریخت؟ برگ چرا؟ | ز ہجر لالہ کجا رفت لالہ؟ شد پنہاں |
| ازاں چہ خیزد؟ دُرّ و ازیں چہ چیزد؟ زر | سخا کہ درزد؟ ایں و عطا کہ بخشد؟ آں |

# فردوسی

حسن بن اسحاق بن شرف نام، اور فردوسی[1]، تخلص تھا۔ دولت شاہ کا بیان ہے کہ کہیں کہیں وہ اپنا تخلص ابن شرف شاہ بھی لاتا ہے۔ مجالس المومنین میں بعض مورخوں کے حوالہ سے اس کے باپ کا نام منصور بن فخر الدین احمد بن مولانا فرخ بیان کیا ہے۔ وطن میں بھی اختلاف ہے۔ چہار مقالہ میں ہے کہ طبرستان کی نواحی میں باژ عام ایک گاؤں تھا۔ فردوسی یہیں کا رہنے والا تھا۔ دیباچۂ شاہنامہ میں گاؤں کا نام شاداب لکھا ہے۔ بہرحال اس قدر عموماً مسلّم ہے کہ فردوسی کا وطن طوس کے اضلاع میں تھا۔ اور یہ وہی مردم خیز صوبہ ہے جس کی خاک نے امام غزالی اور محقق طوسی پیدا کئے۔

فردوسی کا وطن

سن ولادت معلوم نہیں، البتہ سال وفات ۴۱۱ھ ہے۔ اور چونکہ عمر کم از کم ۸۰ برس کی تھی جیسا کہ وہ خود لکھتا ہے۔

| | |
|---|---|
| کنوں عمر نزدیک ہشتاد شد | امیدم بہ یکبارہ برباد شد |

اس لئے سال ولادت تقریباً ۳۲۹ھ سمجھنا چاہیے۔

[1] فردوسی کا حال تمام تذکروں میں بہ تفصیل مذکور ہے لیکن سب میں باہم سخت اختلاف ہے۔ ان میں سب سے زیادہ قابل اعتبار چہار مقالہ ہے جس کا مصنف خود نامور شاعر اور فردوسی سے قریب العہد ہے۔ تاہم اس میں بھی سخت غلطیاں ہیں۔ تیمور کے پوتے بای سنقر نے فضلا سے شاہنامہ پر جو دیباچہ لکھوایا تھا۔ اس میں فردوسی کی مفصل سوانحعمری ہے لیکن بعض واقعات ایسے لغو لکھے ہیں، کہ اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ دولت شاہ سمرقندی نے بھی کسی قدر تفصیل سے حالات لکھے ہیں، اور وہ بھی غلطیوں سے خالی نہیں۔ عربی مصنفین میں سے صرف قزوینی نے آثار البلاد میں اس کا حال لکھا ہے۔ میں نے ان سب میں سے واقعات لئے ہیں۔ لیکن جابجا ان کی غلطیوں کی بھی تصریح کر دی ہے ؛

**فردوسی کی ولادت** فردوسی جب پیدا ہوا تو اس کے باپ نے خواب میں دیکھا کہ نوزائیدہ بچے نے کوٹھے پر چڑھ کر نعرہ مارا، اور ہر طرف سے لبیک کی صدائیں آئیں، صبح کو جاکر نجیب الدین سے جو اُس زمانہ کے مشہور معبّر تھے تعبیر پوچھی، انہوں نے کہا "یہ لڑکا شاعر ہوگا۔ اور اس کی شاعری کا غلغلہ تمام عالم میں پھیلے گا۔ سن رشد کو پہنچ کر تحصیل علوم میں مشغول ہوا اور تمام درسی علوم حاصل کئے، چونکہ آبائی پیشہ زمینداری تھا۔ اور جس گاؤں میں سکونت تھی خود اس کی ملک میں تھا۔ اس لئے معاش کی طرف سے فارغ البال تھا، وہ اطمینان کے ساتھ علمی مشغلوں میں بسر کرتا تھا۔ اور کتب بینی کیا کرتا تھا۔

**شاہنامہ کی ابتدا اور دربار میں رسائی** یہ واقعہ جس قدر قطعی ہے۔ اُسی قدر اس کی تفصیل میں اختلاف ہے۔ عام روائت یہ ہے کہ فردوسی داد رسی کے لئے **محمود** کے دربار میں گیا یہاں اس کی شاعری کا جوہر کھُلا، اور **شاہنامہ** کی تصنیف پر مامور ہوا لیکن یہ قطعاً غلط ہے۔ فردوسی نے خود بیان کیا ہے۔ کہ شاہنامہ کی تصنیف میں ۳۵ برس صرف ہوئے۔

| | |
|---|---|
| سی و پنج سال از سرائے سپنج<br>چو بر باد دادند گنج مرا | بسے رنج بردم بہ امید گنج<br>نبد حاصلے سی و پنج مرا |

اور سلطان محمود کی کل مدت سلطنت ۳۱ برس ہے۔

**شاہنامہ** کے دیباچہ میں فردوسی نے خود جو سبب تصنیف بیان کیا ہے۔ اُس سے بھی اس روائت کی تکذیب ہوتی ہے۔ اُس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ محمود کے دربار میں پہنچنے سے بہت پہلے وہ شاہنامہ شروع کر چکا تھا۔ تفصیل اُن واقعات کی، شاہنامہ کے سبب تصنیف میں آگے آئے گی۔

**شاہنامہ کی ابتدا** بہرحال اس قدر یقینی ہے۔ کہ فردوسی نے وطن ہی میں شاہنامہ کی ابتدا کی اور ابو منصور نے جو طوس کا صوبہ دار تھا، اس کی سرپرستی کی، ابو منصور کے مرنے کے بعد طوس کا عامل سلان خاں مقرر ہوا۔ چونکہ شاہنامہ کا اب ہر جگہ چرچا پھیلتا جاتا تھا، سلطان محمود کو بھی خبر ہوئی، سلان خاں کے نام حکم پہنچا کہ فردوسی کو دربار میں بھیج دو۔ فردوسی نے پہلے تو انکار کیا، لیکن پھر شیخ معشوق کی پیش گوئی یاد آئی۔ اس لئے راضی ہو گیا اور طوس سے چل کر ہرات میں آیا۔ لیکن ادھر درانداز یاں شروع ہوگئیں، دربار کا میر منشی بدیع الدین دبیر تھا۔ اسی نے عنصری سے کہا کہ بادشاہ کو مدت سے شاہنامہ کی

تصنیف کا خیال تھا لیکن دربار کے شعراء میں سے کسی نے اس کی حامی نہیں بھری اب اگر فردوسی سے یہ کام بن آیا تو تمام شعرائے دربار کی آبرو خاک میں مل جائے گی، عنصری نے کہا بادشاہ سے یہ تو نہیں کہا جا سکتا۔ کہ فردوسی کو الٹا پھیر دیجئے، لیکن اس کی اور تدبیر کرنی چاہیئے۔ چنانچہ فردوسی کے پاس ایک قاصد بھیجا کہ یہاں کا قصد بیفائدہ ہے۔ سلطان کو یونہی ایک خیال پیدا ہوا تھا جس کی بنا پر آپ کی طلبی کا حکم صادر ہوا لیکن اس دن سے آج تک پھر کبھی ذکر تک نہیں آیا۔ اس لئے حقیقت واقعہ سے آپ کو اطلاع دی گئی۔ **فردوسی** نے ہرات سے واپس جانا چاہا لیکن ساتھ ہی خیال پیدا ہوا کہ شاید اس میں کچھ بھید ہو۔ اتفاق سے عنصری اور بدیع الدین دبیر میں شکر رنجی پیدا ہوئی عنصری نے فردوسی کو جو خط لکھا تھا۔ بدیع الدین ہی کے مشورہ سے لکھا تھا۔ اب بدیع الدین نے فردوسی کے پاس قاصد بھیجا کہ فوراً ادھر کا عزم کیجئے۔ عنصری نے جو لکھا خود غرضی سے لکھا تھا۔ فردوسی نے خط کے جواب میں لکھ بھیجا کہ میں آتا ہوں۔ یہ اشعار بھی خط میں درج کئے۔

| | |
|---|---|
| بگوش از سرودشم بسے مژدہاست | دلم گنج گوہر زبان از دہاست |
| چہ سنجد بہ میزان من عنصری | گیا چوں کشد پیش گلبن سرے |

غرض ہرات سے چل کر غزنین میں آیا۔ اور ایک باغ کے قریب ٹھیرا، وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی، شہر میں جن لوگوں سے راہ و رسم تھی۔ اُن کو اپنے آنے کی اطلاع دی، چلتا پھرتا باغ میں جا نکلا حسن اتفاق سے دربار کے ممتاز شعرا یعنی **عنصری فرخی عسجدی** باغ میں سیر کو آئے تھے، اور بادہ جام کا دور چل رہا تھا، فردوسی ادھر جا نکلا حریفوں نے اس کو مخل صحبت سمجھ کر روکنا چاہا۔ ایک نے کہا کہ اس کو چھیڑا جائے تو خود ننگ آکر چلا جائے گا۔ عنصری نے کہا۔ یہ تہذیب اور آدمیت کے خلاف ہے۔ آخر رائے قرار پائی کہ رباعی کا ایک مصرعہ طرح کیا جائے۔ سب اس پر طبع آزمائی کریں۔ اگر یہ بھی مصرع لگائے، تو شریک صحبت کر لیا جائے ورنہ خود شرمندہ ہو کر اٹھ جائے گا۔

عنصری نے ابتدا کی اور کہا ع چوں عارض تو ماہ نباشد روشن۔

شعرا کا معرکہ فرخی نے کہا۔ مانند درخت گل نبود در گلشن

---

لہ دیباچہ نویسوں نے عنصری کے ساتھ رودکی کا نام بھی لکھا ہے لیکن رودکی اس سے پہلے ۳۴۰ھ میں مر چکا تھا۔

عسجدی نے کہا، مژگانت ہمے گزر کند از جوشن۔

قافیوں میں شین کا التزام تھا۔ اور اس التزام کے ساتھ کوئی شگفتہ، قافیہ باقی نہیں رہا تھا۔ **فردوسی** نے برجستہ کہا ع مانند سناں گیو در جنگ پشن۔

سب نے گیو اور پشن کی تلمیح پوچھی، فردوسی نے تفصیل بیان کی، اُس وقت تو سب نے اس کو شریک صحبت کر لیا، لیکن رشک اور حسد، ایشیائی قوموں کا خاصہ ہے سب نے سازش کی کہ فردوسی دربار تک نہ پہنچنے پائے[1]۔

بعض روائتوں میں ہے کہ یہ مشاعرہ خود سلطان محمود کے دربار میں ہوا تھا۔ **سلطان محمود** کے ندیموں میں **ماہک** نام ایک شخص صاحب مذاق تھا۔ اُس سے یہیں باغ میں ملاقات ہو گئی تھی۔ فردوسی کی شیریں زبانی اور قابلیت دیکھ کر گرویدہ ہوا۔ اور اپنے گھر میں لا کر رکھا، کھانے کے بعد فردوسی سے اس کا حال دریافت کیا۔ اُس نے اپنی ساری داستان بیان کی۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ سلطان نے **شاہنامہ** کی تصنیف کا حکم دیا تھا۔ اور سات شاعر یعنی عنصری، فرخی، زینی، عسجدی، مجنیک چنگ زن خرمی، ابوبکر اسکاف ترمذی اس کام کے لئے انتخاب ہوئے تھے۔

ماہک نے فردوسی سے شاہنامہ کی تصنیف، اور شعراء کے انتخاب کا ذکر کیا۔ فردوسی نے کہا، میں بھی شعر کہتا ہوں موقع ہو تو دربار میں میرا بھی ذکر کر دینا۔ ماہک نے اُسی دن دربار میں جا کر فردوسی کی تقریب کرنی چاہی۔ لیکن موقع نہ ملا۔ اس طرح ایک ہفتہ گزر گیا۔ ایک دن **ماہک** نے دربار سے آ کر بیان کیا کہ آج تمام شعرا دربار میں حاضر تھے۔ اور شاہنامہ کی مختلف داستانیں سنائی جا رہی تھیں، **عنصری** نے رستم و سہراب کی داستان نظم کی تھی، جب یہ دو شعر پڑھے۔

دربار میں پہنچنے کی تقریب

| | |
|---|---|
| ہر آنگہ کہ تشنہ شدی تو بخون | بیالودی ایں خنجر آب گوں |
| زمانہ بخون تو تشنہ شود | بہ اندام تو موئے دشنہ شود |

تو سلطان محمود نے نہایت پسند کیا اور حکم دیا کہ **عنصری** ہی اس خدمت کے لئے

[1] یہ دیباچہ خاہنامہ کی روائت ہے۔ دولت شاہ کا بیان ہے۔ اس امتحان کے بعد عنصری نے فردوسی کی تحسین کی اور خود دربار شاہی میں اس کو لے جا کر پیش کیا۔

مقرر کیا جائے، فردوسی اُس وقت چپکا ہو رہا۔ اور خود یہ داستان نظم کرنی شروع کی، رات کو جب معمول کے موافق کھانے پر بیٹھے تو فردوسی نے کہا عنصری سے پہلے شعرا نے رستم وسہراب کی داستان نظم کی ہے۔ چنانچہ خود میرے پاس ایک نظم موجود ہے۔ جس کے آگے عنصری کے اشعار کی کچھ حقیقت نہیں۔ یہ کہہ کر نظم حوالہ کی، سرنامہ تھا۔

| | |
|---|---|
| کنوں خورد باید مئے خوشگوار | کہ مے بوئے مشک آرد از جوئبار |
| ہوا پُرخروش وزمیں پُرزجوش | خنک آنکہ دل شاد دارد بہ نوش |
| ہمہ بوستاں زیر برگ گل است | ہمہ کوہ پر لالہ و سنبل است |

**ماہک** نے سلطان محمود کی خدمت میں جاکر تمہید کے ساتھ پیش کی۔ محمود نے پوچھا کہ یہ جواہر کہاں سے ہاتھ آئے۔ **ماہک** نے فردوسی کا نام لیا، اسی وقت طلبی ہوئی، محمود نے نام ونشان پوچھا، فردوسی نے کہا طوس کا باشندہ ہوں۔ محمود نے اس کے حالات پوچھے اور اسی سلسلہ میں پوچھا کہ طوس کب سے آباد ہے۔ اور کس نے آباد کیا۔ فردوسی نے تفصیل سے تمام واقعات بیان کئے۔ محمود نے شعرائے سبعہ کو بلوایا اور فردوسی کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ یہ رستم وسہراب کی داستان اسی نے نظم کی ہے۔ نے اس کے اشعار سنائے تو سب حیرت زدہ رہ گئے۔ محمود نے خلعت عطا کیا۔ شعرا نے تحسین کی صدا بلند کی، عنصری نے بڑھ کر، فردوسی کے ہاتھ چوم لئے۔ اس زمانہ میں امرد پرستی عیب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ محمود نے فردوسی سے فرمائش کی کہ ایاز کے سبزہ خط کی تعریف میں کچھ کہے، فردوسی نے برجستہ کہا۔

| | |
|---|---|
| مست است بتا! چشم تو و تیر بہ دست | بس کس کہ ز تیر چشم مست تو نجست |
| گر پوشد عارضت زرہ، عذرش است | کز تیر بترسد ہمہ کس خاصہ ز مست |

بدیہہ گوئی کا امتحان

یعنی معشوق کی آنکھیں مست اور تیر بکف ہیں، اُن تیروں نے ہزاروں کے دل چھلنی کردیئے ہیں۔ اس لئے ان سے بچنے کے لئے رخساروں نے زرہ پہن لی ہے۔ (خط کو زرہ سے تشبیہ دی ہے) کیونکہ مست سے سبھی ڈرتے ہیں، خصوصاً جب اُس کے ہاتھوں میں تیر ہو۔

شاہنامہ کی تصنیف کی خدمت سپرد ہوئی

**محمود** نہائت مخطوظ ہوا اور شاہنامہ کی تصنیف کی خدمت سپرد کی، ساتھ ہی یہ بھی حکم ہوا کہ فردوسی کو ایوان شاہی کے قریب ایک مکان دیا جائے۔ جو تمام ضروری سازوسامان

سے آراستہ ہو، اور آلاتِ جنگ، اسلحۂ حرب، شاہانِ عجم اور بہادروں اور پہلوانوں کے مرقعوں اور تصویروں سے سجا دیا جائے، ایک ایک شعر پر ایک ایک اشرفی صلہ مقرر ہوا اور حکم ہوا کہ جب ہزار شعر تک نوبت پہنچ جائے تو ہزار اشرفیاں دیدی جایا کریں لیکن فردوسی نے متفرق رقم سے انکار کیا، اور کہا کہ جب کتاب پوری ہو جائے گی تو ایک ساتھ لوں گا۔

فردوسی جب وطن میں تھا تو اکثر ایک چشمہ کے کنارے بیٹھا کرتا۔ اور آبِ رواں کی سیر سے لطف اٹھاتا چشمہ کے اوپر بند تھا۔ جو برسات کے زمانہ میں ٹوٹ جاتا تھا۔ اور اس وجہ سے پانی گدلا ہو جاتا تھا، فردوسی کی طبیعت اس سے مکدر ہوتی تھی۔ قصد کیا کہ بند کو پختہ کرا دے لیکن اتنا مقدور نہ تھا۔ شاہنامہ لکھنا شروع کیا تو نیت کی کہ جو کچھ صلہ ملے گا۔ بند کی تیاری میں صرف کروں گا، یہ وجہ تھی کہ اُس نے **شاہنامہ** کا صلہ متفرق طور پر لینا پسند نہ کیا۔

**فردوسی** نے متصل بہ سال تک غزنین میں قیام کیا، اور شاہنامہ کی تصنیف میں مصروف رہا۔ پھر وطن گیا اور کئی برس رہ کر واپس آیا، اس اثنا میں جو حصہ تیار ہو چکا تھا، محمود کے حضور میں پیش کیا۔ اور تحسین و آفرین کے صلے حاصل کئے۔

شاہنامہ کی تصنیف کے بیسویں سال جبکہ اس کی عمر ۶۵ برس کی تھی، اس کے جوان بیٹے کا انتقال ہو گیا، فردوسی کو سخت رنج ہوا۔ چنانچہ اس واقعہ کا ذکر شاہنامہ میں کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| مگر بہرۂ گیرم از بند خویش | برانذیشم از مرگ فرزند خویش |
| زہدہا تو بودی مرا دستگیر | چرا را، جستی زہمراہ پیر |
| مگر ہمرہانِ جواں یافتی | کہ از پیش من تیز بشتافتی |
| جواں را چو شد سال برسی و ہفت | نہ بر آرزو یافت گیتی و رفت |
| ہمے بود ہمواره با من درشت | بر آشفت و یکبار نمود پشت |
| مرا شصت و پنج دو راسی و ہفت | بپرسید ازیں پیر و تنہا برفت |

علمی تاریخ کا یہ نہایت ناگوار واقعہ ہے۔ کہ **فردوسی** کو اس کی اعجاز بیانی کی داد نہیں ملی۔ یعنی جب شاہنامہ تیار ہوا تو اُس کو اشرفیوں کے بجائے روپے دلوائے گئے۔

فردوسی کی ناکامی اور اس کا سبب

یہ واقعہ عموماً مسلم ہے لیکن اسباب مختلف بیان کئے گئے

ہیں۔ اور سب باہم متناقص ہیں۔

دولت شاہ نے لکھا ہے۔ کہ چونکہ فردوسی نے ایاز کی طرف کبھی رُخ نہیں کیا۔ اس لئے اُس نے دراندازی کی اور محمود کو یقین دلایا کہ فردوسی رافضی ہے۔ نظامی عروضی کا بیان ہے کہ دربار کا بڑا گروہ وزیر اعظم حسن میمندی کا مخالف تھا۔ اور چونکہ فردوسی کا مربی اور سرپرست وہی تھا۔ اِس لئے اُس کی ضد پر اس گروہ نے محمود کے کان بھرے۔ اور فردوسی کو معتزلی اور رافضی ثابت کیا، دیباچہ میں ہے کہ فردوسی کو خود حسن میمندی نے تباہ کیا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ غزنین اور اطراف وجوانب کے امراء فردوسی کو طرح طرح کے تحفے بھیجتے تھے، فردوسی بھی اشعار کے ذریعہ سے اُن کا شکریہ ادا کرتا تھا۔ حسن کو یہ ناگوار معلوم ہوتا تھا۔ لیکن فردوسی کچھ پروا نہیں کرتا تھا۔ اور کہتا تھا۔

| | |
|---|---|
| من بندہ کز مبادی فطرت نبودہ ام | مائل بہ مال ہرگز وطامع بجاہ نیز |
| سوے در وزیر چرا ملتفت شوم | چوں فارغم ز بارگہ بادشاہ نیز |

حسن میمندی مذہباً خارجی تھا۔ اور فردوسی شیعہ، اس لئے بھی اُس نے فردوسی کی مخالفت کی، اِن متناقص روائتوں میں سے کس پر اعتبار کیا جائے۔[1]

دیباچہ نویسوں نے ایک اور نکتہ بیان کیا ہے۔ اور اُس پر اُن کو ناز ہے۔ وہ یہ کہ فردوسی نے شاہنامہ میں جا بجا خرافتِ نسب کو بڑی آب وتاب سے لکھا ہے۔ اور یہ سلطان محمود کو اِس وجہ سے ناگوار ہوتا تھا۔ کہ وہ غلام زادہ تھا۔ اس لئے شرافت کی خوبی پر زور دینا، گویا در پردہ اس پر چوٹ تھی۔

[1] سلطان محمود کی مدت حکومت میں تین شخصوں کو وزارت کا رتبہ ملا، سب سے پہلے فضل ابن احمد اس منصب پر ممتاز ہوا۔ وہ ابتدا میں سامانی خاندان کا نائب میر منشی تھا، پھر سبکتگین کے دربار میں وزارت کے رتبہ پر پہنچا سبکتگین کے بعد، سلطان محمود نے اس کا عہدہ بحال رکھا، علم وفن سے جاری تھا، لیکن مہمات سلطنت کے انتظام میں خداداد ملکہ رکھتا تھا۔ دس برس وزارت کرنے کے بعد سلطان محمود نے رقابت کی بنا پر معزول کر دیا۔ اس کے بعد حسن میمندی وزیر مقرر ہوا۔ اٹھارہ سال کے بعد وہ بھی معزول ہوا اور حسن بن محمد کو وزارت کی سند ملی، فردوسی نے فضل بن احمد کی مدح شاہنامہ میں لکھی ہے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ محمد کے دربار میں اُسی نے فردوسی کی تقریب کی ہوگی۔ اور بالآخر جس نے محمود کو فردوسی کی ناکامی پر متوجہ کیا، وہ حسن بن محمد ہوگا ۱۲

[1] حبیب السیر میں ان وزرا کے حالات کسی قدر تفصیل سے مذکور ہیں ۱۲

تذکرہ نویسوں کا فیصلہ یہ ہے۔ کہ محمود نے فردوسی کے شیعہ پن کی وجہ سے اس کی قدردانی میں کمی کی۔ لیکن اولاً تو محمود کے دربار میں بہت سے شیعی علماء و فضلاء تھے۔ جو نہایت قدر و عزت سے بسر کرتے تھے۔ **ابوریحان بیرونی** جو علانیہ شیعہ تھا۔ محمود نے خود فرمان بھیج کر اُس کو بلایا تھا۔ اور نہایت قدردانی کرتا تھا، دربار میں ہندو، عیسائی، یہودی ہر مذہب و ملت کے اہل کمال تھے، فردوسی نے کیا قصور کیا تھا۔

دیباچہ میں ایک اور وجہ بیان کی ہے۔ اور وہ قرین قیاس ہے۔

سلطان محمود کو ویلمی خاندان سے سخت عداوت تھی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ متعصب شیعہ تھے۔ (دیباچہ میں رافضی کا لفظ تھا جس کو ہم نے بدل دیا) اس خاندان کا تاجدار **فخرالدولہ** تھا۔ وہ فردوسی کا نہایت قدردان تھا۔ جب فردوسی نے رستم و اسفندیار کی داستان نظم کی تو اُس نے صلہ کے طور پر ہزار اشرفیاں بھیجیں اور لکھا کہ اگر آپ یہاں تشریف لائیں تو نہایت اعزاز و احترام کیا جائے گا، یہ خبر تمام غزنین میں پھیل گئی۔ محمود نے سنا تو اُس کو ناگوار گزرا۔

اس اجمال کی توضیح یہ ہے کہ سلاطین **ویلم** عموماً سخت متعصب شیعہ تھے۔ ۳۵۱ھ میں معزالدولہ ویلمی کے حکم سے بغداد کی تمام مسجدوں کی دیواروں پر یہ عبارت لکھی گئی۔ "امیر معاویہ اور غاصب فدک پر لعنت ہے"۔ رات کو لوگوں نے یہ عبارت مٹادی معزالدولہ نے دوبارہ لکھنے کا حکم دیا، لیکن وزیر مہلبی نے رائے دی کہ صرف اس قدر لکھوا دیا جائے "ظالمین آل محمدؐ پر لعنت ہے"۔ البتہ معاویہ کا نام بہ تصریح لکھا جائے۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ یہ تعصب روز بروز بڑھتا گیا، سیوطی ۳۶۴ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| وفی هذه السنة وبعدها غلا الرفض | اس سن میں اور اس کے بعد، مصر، شام اور |
| وفار بمصر والشام والمشرق والمغرب | مشرق و مغرب میں رفض اُبل پڑا۔ |

فرقہ باطنیہ جو مسلمانوں کو چھپ چھپ کر قتل کرتا رہتا تھا۔ اُن کی بڑی جمعیت ویلمیوں ہی کے زیر حمایت تھی۔ چنانچہ جب ۴۲۰ھ میں سلطان محمود نے مجدالدولہ ویلمی کو گرفتار کیا تو باطنیوں کا ایک گروہ عظیم اس کے ساتھ تھا۔ ان اسباب سے محمود کو ویلمیوں کے ساتھ نہ صرف مذہبی بلکہ پولیٹیکل دشمنی تھی۔ اس لئے وہ فردوسی کے ساتھ فخرالدولہ ویلمی کی خط و کتابت کو مصالح ملکی کے لحاظ سے بھی گوارا نہیں کر سکتا تھا۔

بہرحال وجہ کچھ ہو، واقعہ یہ ہے۔ کہ محمود نے فردوسی کی قدردانی کا حق ادا نہ کیا۔ **فردوسی** حمام میں نہا رہا تھا کہ شاہنامہ کا صلہ پہنچا۔ فردوسی حمام سے نکلا۔ تو ایاز نے روپے کی تھیلیاں پیش کیں۔ فردوسی نے بڑی بیتابی سے دستِ شوق بڑھایا۔ لیکن سونے کے پھل کے بجائے چاندی کے پھول تھے۔ فردوسی کے دل سے بے ساختہ آہ نکلی تھیلیاں کھڑے کھڑے لٹا دیں اور ایاز سے کہا کہ بادشاہ سے کہنا کہ "میں نے یہ خونِ جگر ان سفید دانوں کے لئے نہیں کھایا تھا۔ ایاز نے محمود سے ساری کیفیت بیان کی۔ محمود نے حسن میمندی کو بلا کر ناراضی ظاہر کی اور کہا کہ تیری دراندازی نے مجھ کو بدنام کر دیا۔ میمندی نے کہا۔ کہ حضور خاک کی ایک چٹکی بھیج دیتے تب بھی فردوسی کو آنکھوں سے لگانا تھا، انعام شاہی کا رد کرنا بڑی گستاخی ہے۔" اس چبھتے ہوئے فقرہ نے محمود کے دل میں بھی اثر کیا۔ اور برہم ہو کر کہا کہ کل میں اس قرمطی کو اس گستاخی کا مزہ چکھاؤں گا۔ **فردوسی** کو خبر ہوئی تو سخت پریشان ہوا۔ صبح کو محمود باغ میں آیا۔ تو فردوسی نے دوڑ کر پاؤں پر سر رکھ دیا۔ اور بدیہہ یہ اشعار پڑھے۔

چو در ملک سلطاں کرم پیشہ بود
بسے ہست ترسا و گبر و یہود

گرفتند در ظل عدلش قرار
شدہ ایمن از گردشِ روزگار

چہ باشد کہ سلطاں گردوں شکوہ
رہے را شمارد یکے زاں گروہ

سلطان محمود کو رحم آیا، اور اس کی تقصیر معاف کی۔

غزنین سے چلتے وقت فردوسی نے ایاز کو ایک لفافہ سربمہر دیا اور کہا کہ میرے جانے کے ۲۰ دن بعد بادشاہ کو دینا، فردوسی ہرات کو روانہ ہوا۔ محمود نے لفافہ کی مہر کھولی تو ہجو کے اشعار تھے۔ سلطان محمود کی ہجو۔

یکے بندگی کردم اے شہریار
کہ ماند ز تو در جہاں یادگار

پے افگندم از نظم کاخ بلند
کہ از باد و باراں نیابد گزند

بسے رنج بردم دریں سال سی
عجم زندہ کردم بدیں پارسی

چو بر باد و ادند گنج مرا
نہ بد حاصلے سی و پنج مرا

اگر شاہ را شاہ بودے پدر
بسر بر نہادے مرا تاج زر

وگر مادرِ شاہ بانو بدے
مرا سیم و زر تا بزانو بدے

پرستار زادہ نیاید بکار | وگر چند دارد پدر شہریار
سرناسزایاں برافراشتن | وزیشاں امید بہی داشتن
سر رشتۂ خویش گم کردن است | بہ جیب اندروں مار پروردن است
درختے کہ تلخ است ویرا سرشت | گرش بر نشانی بہ باغ بہشت
وور از جوے خلدش بہ ہنگام آب | بہ بیخ انگبیں ریزی و شہد ناب
سرانجام گوہر بہ کار آورد | ہماں میوۂ تلخ بار آورد
زبد اصل چشم بہی داشتن | بود خاک در دیدہ انباشتن
ازاں گفتم ایں بیتہائے بلند | کہ تا شاہ گیرد ازیں کار پند
کہ شاعر چو رنجد بگوید ہجا | بماند ہجا تا قیامت بجا

کلام کی جہانگیری دیکھو۔ محمود نے دنیا کی بڑی بڑی سلطنتیں مٹا دیں۔ ملک کے ملک غارت کر دیئے۔ عالم کو زیر و زبر کر دیا۔ لیکن فردوسی کی زبان سے جو بول نکل گئے آج تک قائم ہیں۔ اور قیامت تک نہیں مٹ سکتے۔

فردوسی کا غزنین سے نکلنا پھر نا

**فردوسی** غزنین سے نکلا تو اس بے سر و سامانی سے نکلا کہ ایک چادر اور عصا کے سوا کچھ پاس نہ تھا۔ احباب اور فدر دانوں کی کمی نہ تھی لیکن معتوب شاہی کو کون پناہ دے سکتا تھا۔ تاہم ایاز نے یہ جرأت کی کہ جب فردوسی شہر سے باہر نکل گیا تو مخفی طور پر، کچھ نقدی اور سامانِ سفر بھجوا دیا، فردوسی ہرات میں آیا اور اسمٰعیل وراق کے ہاں مہمان ہوا۔ چونکہ سلطان محمود نے ہر طرف فرمان بھیج دیئے تھے۔ کہ فردوسی جہاں ہات آئے گرفتار کر کے بھیج دیا جائے۔ چھ مہینے تک روپوش رہا، شاہی جاسوس ہرات میں آئے لیکن فردوسی کا پتہ نہ لگا سکے، اب اس نے ہرات سے طوس[1] کا رُخ کیا۔ طوس سے قہستان گیا۔ ناصر لک یہاں کا حاکم تھا۔ اس کو خبر ہوئی تو ندیمان خاص کو استقبال کے لئے بھیجا اور نہایت اخلاص کے ساتھ پیش آیا، فردوسی نے ایک مثنوی لکھنی شروع کی تھی۔ جس میں حاسدوں کی دراندازی، اپنی مظلومی اور سلطان محمود کی بدعہدی و ناقدر دانی کا ذکر تھا۔

سلطان محمود کی شکایت کے اشعار

بہ غزنین مرا گرچہ خوں شد جگر | زبیداد آں شاہ بیداد گر
کزاں ہیچ نارنج سی سالہ ام | شنید از زمین آسماں نالہ ام

[1] چہار مقالہ ۱۲

| | |
|---|---|
| همے خواستم تا فغانها کنم | بہ گیتی ازو داستانها کنم |
| بگویم زمادرش وهم از پدرش | نترسم بغیر از خداوند عرش |
| چو دشمن لمید اندر دوست باز | بہ تیغ زبانش کنم پوست باز |
| ولیکن زفرمودۂ محتشم | ندانم کزیں پیش چوں سر کشم |
| فرستادم از گفتۂ داشتم | بہ نزدیک خود، ہیچ نگذاشتم |
| اگر باشد ایں گفتہا ناصواب | بسوزاں در آتش بشوآں در آب |
| گزشتم ایا سرور نیک رائے | ازیں داوری تا بدیگر سرائے |
| رسد لطف یزداں بفریاد من | ستاند بمحشر ازو داد من |

**فردوسی** نے مثنوی کے اشعار ناصر لک کو سنائے۔ تو اس نے سمجھا یا کہ بدگوئی اہل کمال کی شان نہیں۔ میں لاکھ روپے ان اشعار کے معاوضہ میں دیتا ہوں۔ اشعار کہیں ظاہر نہ ہونے پائیں، فردوسی نے منظور کیا، ناصر لک نے سلطان محمود کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ فردوسی کے حق میں بڑا ظلم[1] ہوا۔

فردوسی جب **غزنین** سے روانہ ہوا تھا تو جامع مسجد کی دیوار پر یہ اشعار لکھ آیا تھا۔

| | |
|---|---|
| نجستہ درگہ محمود غزنوی دریا است | چگونہ دریاکاں را کرانہ پیدا نیست |
| چو غوطہ ہا زدم و اندرو ندیدم دُر | گناہ بخت من ست ایں گناہ دریا نیست |

اتفاق یہ کہ جس دن ناصر لک کا عریضہ پہنچا، سلطان نماز جمعہ پڑھنے کے لئے جامع مسجد میں آیا تھا۔ اتفاق سے ان اشعار پر نظر پڑی۔ نہائت متاسف ہوا۔ مسجد سے آکر، ناصر لک کا عریضہ دیکھا اور بھی مکدر ہوا۔ جن لوگوں نے فردوسی کے حق میں کانٹے بوئے تھے۔ اُن کو بُلا کر سخت توبیخ کی کہ تم نے دنیا میں مجھ کو بدنام کر دیا۔

ناصر لک نے گو فردوسی کی بہت کچھ خاطر مدارات کی تاہم سلطان محمود کے ڈر سے اپنے پاس نہ ٹھہرا سکا۔ فردوسی یہاں سے بھی نکلا اور **مازندران** میں آیا یہاں وہ شاہنامہ کی نظر ثانی میں مشغول ہوا۔

---

[1] یہ دیباچہ کی روایت ہے۔ چہار مقالہ میں قہستان کے بجائے طبرستان اور ناصر لک کے بجائے سپہبد شیرزاد کا نام ہے۔ دولت شاہ نے طبرستان کے بجائے رستمدار لکھا ہے۔ طبرستان اور رستمدار دراصل ایک ہی ہیں لیکن سپہبد اور ناصر لک دو شخص ہیں۔ دولت شاہ نے ان میں سے ایک کو چھوڑ دیا ہے

ماژندران کی حکومت قابوس بن وشمگیر کے خاندان میں چلی آتی تھی اور اس زمانہ میں سپہبد فرمانروا تھا۔ اس کو فردوسی کے آنے کی خبر ہوئی تو نہائت مسرت ظاہر کی اور فردوسی کو دربار میں بلایا۔ فردوسی نے ہدیہ اشعار اضافہ کرکے شاہنامہ پیش کیا۔ سپہبد نے چاہا کہ فردوسی کو دربار سے نہ جانے دے لیکن پھر سلطان محمود کا خیال آیا۔ ایک گراں بہا صلہ بھیج کر کہلا بھیجا کہ محمود آپ سے ناراض ہے۔ اس لئے میں آپ کو ٹھیرا نہیں سکتا۔ آپ اور کہیں تشریف لے جائیے۔

دیباچہ نویسوں نے لکھا ہے کہ "فردوسی یہاں سے بغداد گیا خلیفۂ عباسی نے اس کی بڑی قدر کی۔ فردوسی نے عربی میں قصیدے لکھ کر پیش کئے۔ اور اہل بغداد کی فرمائش سے یوسف زلیخا لکھی سلطان محمود کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو خلیفہ عباسی کو تہدید کا خط لکھا کہ فردوسی کو فوراً یہاں بھیج دیجئے۔ ورنہ بغداد ہاتھیوں کے پاؤں کے نیچے ہوگا۔ وہاں سے تین حرف الف لام میم لکھ کر آئے کہ سورۂ الم تزکیف کی طرف اشارہ تھا" لیکن یہ تمام بے سر و پا مزخرفات ہیں۔

ایک دفعہ سلطان محمود ہندوستان کی مہم سے واپس آرہا تھا۔ راستہ میں دشمن کا قلعہ تھا۔ وہیں ٹھیر گیا اور قاصد بھیجا کہ حاضر خدمت ہوکر اطاعت بجالائے۔ دوسرے دن قاصد جواب لایا لیکن ابھی کچھ کہنے نہیں پایا تھا کہ محمود نے وزیر اعظم سے کہا کہ دیکھ کیا جواب لایا ہے وزیر نے برجستہ کہا۔

| | |
|---|---|
| اگر جز بکام من آمد جواب | من دگرز و میدان و افراسیاب |

سلطان محمود نے نظامی عروضی کے بیان کے مطابق فردوسی کے کافات کا ارادہ کیا

محمود پھڑک اٹھا۔ اور پوچھا کس کا شعر ہے؟ وزیر نے کہا۔ اس بدقسمت کا جس نے ۳۵ برس خون جگر کھایا اور کچھ نہ حاصل ہوا۔ محمود نے کہا۔ مجھ کو سخت ندامت ہے۔ غزنین پہنچ کر یاد دلانا، غرض پائے تخت میں پہنچ کر ساٹھ ہزار اشرفیاں فردوسی کے پاس روانہ کیں۔ لیکن تقدیر پر کس کا زور ہے۔ ادھر شہر کے ایک دروازے سے جس کا نام رودبار تھا صلہ پہنچا، ادھر دوسرے دروازے سے فردوسی کا جنازہ

لہ یہ واقعہ مختلف طریقوں سے مروی ہے میں نے جو روایت لکھی ہے۔ نظامی سمرقندی سے مروی ہے۔ اور اس لئے زیادہ معتبر ہے کہ اس نے ۵۱۲ھ میں امیر معزی (ملک الشعرا سلطان سنجر) سے سنی تھی۔ اور امیر معزی سے امیر عبدالرزاق نے بیان کی تھی، دیکھو چہار مقالہ واقعات فردوسی ۱۲

نکل رہا تھا۔

| | |
|---|---|
| بعد مرنے کے مری قبر پہ آیا وہ امیر | یاد آئی مرے عیسے کو دوا میرے بعد |

**طوس** میں ایک واعظ صاحب تھے۔ انہوں نے فتویٰ دیا کہ چونکہ فردوسی رافضی تھا۔ اس کا جنازہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں ہو سکتا۔ ہر چند لوگوں نے منت سماجت کی لیکن بدنفس واعظ نے ایک نہ مانی۔ مجبوراً شہر کے باہر ایک باغ میں کہ خود فردوسی کی ملک تھا۔ دفن کیا۔ سلطان محمود کو پرچہ گزرا تو حکم دیا کہ واعظ شہر سے نکال دیا جائے

فردوسی نے اولاد ذکور نہیں چھوڑی تھی۔ صرف ایک لڑکی تھی۔ شاہی صلہ اس کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ لیکن اس کی بلند ہمتی نے گوارا نہ کیا کہ باپ جس چیز کی حسرت میں مر گیا اولاد اُس سے تمتع اٹھائے۔ سلطان محمود کو اس کی اطلاع دی گئی حکم دیا کہ اشرفیاں امام ابوبکر اسحٰق کے حوالے کی جائیں کہ اس سے فردوسی کے نام پر ایک کارواں سرائے بنا دی جائے۔ ناصر خسرو نے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ ۴۳۷ھ میں جب میں طوس میں پہنچا تو ایک بڑی کارواں سرا دیکھی۔ لوگوں سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ فردوسی کے صلہ سے تعمیر ہوئی ہے۔ فرہنگ رشیدی اور چہار مقالہ میں لکھا ہے کہ اس کا نام چاہ ہے اور مرو اور نیشاپور کے راستہ میں ہے۔

عام تذکرہ نویسوں کا بیان ہے۔ کہ **فردوسی** نے ۴۱۱ھ میں وفات پائی۔ لیکن فردوسی نے شاہنامہ کے خاتمہ میں تصریح کی ہے۔ کہ شاہنامہ ۴۰۰ھ میں انجام کو پہنچا۔

| | |
|---|---|
| ز ہجرت شدہ پنج ہشتاد بار | کہ گفتم من ایں نامۂ شہریار |

اس کے ساتھ یہ بھی تصریح کی ہے کہ اس وقت اس کی عمر اسی برس کی تھی۔

| | |
|---|---|
| کنوں عمر نزدیک ہشتاد شد | امیدم بہ یکبارہ بر باد شد |

شاہنامہ کے ختم ہونے کے بعد وہ دو چار برس سے زیادہ زندہ نہیں رہا۔ اس لئے اس کی وفات ۴۱۱ھ سے چند برس پہلے ہوئی ہوگی۔

**فردوسی** کا مزار مدت تک آباد اور بوسہ گاہ عالم رہا۔ نظامی سمرقندی نے ۵۱۰ھ میں اس کی زیارت کی تھی۔ دولت شاہ نے لکھا ہے۔ کہ آج اس کا مزار مرجع عام ہے۔ قاضی نور اللہ شوستری مجالس المومنین میں لکھتے ہیں۔ کہ "عبد اللہ خاں ازبک کی توجہ سے فردوسی کا مقبرہ معمور اور پر رونق ہے۔ عام لوگ عموماً اور شیعہ خصوصاً زیارت کو جاتے

ہیں۔ میں نے بھی زیارت کا شرف حاصل کیا ہے۔"

| | |
|---|---|
| ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق | ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما |

# شاہنامہ

سن تصنیف و سبب تصنیف کیا عجیب بات ہے۔ جو واقعہ جس قدر زیادہ مشہور ہوتا ہے اُسی قدر اکثر غلط اور بے سر و پا ہوتا ہے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ فردوسی نے سلطان محمود کے دربار میں پہنچ کر اس کے حکم سے شاہنامہ لکھنا شروع کیا۔ اکثر تذکروں میں بھی یہی لکھا ہے۔ لیکن یہ غلط اور محض غلط ہے۔

**فردوسی** نے خاتمہ میں خود تصریح کی ہے۔ کہ یہ کتاب ۳۸۴ھ میں تمام ہوئی۔

| | |
|---|---|
| ز ہجرت شدہ پنج ہشتاد بار[1] | کہ گفتم من ایں نامۂ شہریار |

اس کے ساتھ یہ بھی تصریح کی ہے کہ پینتیس برس کتاب کی تصنیف میں صرف ہوئے۔

| | |
|---|---|
| سی و پنج سال از پئے پنج | بسے رنج بردم بامید گنج |

اس بنا پر تصنیف کا آغاز ۳۶۵ھ سمجھنا چاہیئے۔ اور چونکہ سلطان محمود ۳۸۸ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس لئے اُس کی تخت نشینی سے مدتوں پہلے شاہنامہ کی ابتدا ہو چکی تھی۔

عام خیال یہ ہے کہ شاہنامہ **سلطان محمود** کی فرمائش سے لکھا گیا۔ لیکن یہ بھی محض غلط ہے۔ فردوسی نے خود سبب تصنیف لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اس کو صرف اپنے اسلاف کا نام زندہ کرنا مقصود تھا۔

| | |
|---|---|
| ہمے خواہم از داد گر یک خدائے | کہ ہنداں بمانم بہ گیتی بہ جائے |
| کہ ایں نامۂ شہریاران پیش | بہ پیوندم از خوب گفتار خویش |
| بسے رنج بردم دریں سال سی | عجم زندہ کردم بدیں پارسی |
| ہمہ مردہ از روزگار دراز | شد از گفت من نام شاں زندہ باز |
| چو عیسےٰ من ایں مردگاں را تمام | سر اسر ہمہ زندہ کردم بنام |
| پے افگندم از نظم کاخ بلند | کہ از باد و باراں نیابد گزند |

تیسرے دفتر میں جہاں **دقیقی** کے اشعار نقل کئے ہیں، خاتمہ پر لکھتا ہے۔

[1] پنج کو اسّی میں ضرب دیں تو چار سو ہوتے ہیں۔ ۱۲

U.S252

| | | | |
|---|---|---|---|
| من ایں نامہ فرخ گرفتم بہ فال | | ہمے رنج بردم بہ بسیار سال | |
| ندیدم سرافراز نجشندہ | | بہ گاہ کیاں برنشیندہ | |
| سخن رانگہدارم شصت سال بنیت | | بداں تا سزاوار ایں گنج کیست | |
| جہاندار محمود باقدر وجود | | کہ او را کند ماہ وکیواں سجود | |

ان اشعار میں صاف تصریح ہے کہ سلطان محمود کے دربار میں پہنچنے سے بیس سال پہلے **شاہنامہ** شروع ہو چکا تھا۔

دیباچہ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ کتاب کا آغاز اس نے خود اپنے شوق سے کیا، قرائن سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ فردوسی فطرتاً شاعر تھا، اس کے ساتھ نسل کا مجوسی یعنے شاہانِ ایران کا ہم قوم تھا۔ **دقیقی** نے شاہنامہ کی جو بنیاد ڈالی تھی اور جس قدر شعر لکھ لئے تھے۔ اس کے چرچے ہر جگہ پھیل گئے تھے اور اس سے اندازہ ہو سکتا تھا کہ اس کتاب میں قبولیت کا کس قدر مادہ ہے۔ یہ اسباب اس بات کے لئے کافی تھے۔ کہ فردوسی نے خود اپنے شوق سے **شاہنامہ** لکھنے کا ارادہ کیا لیکن چونکہ ایک عظیم الشان کام تھا۔ اور اعانت کے بغیر انجام نہیں پا سکتا تھا۔ سب سے زیادہ اس بات کی ضرورت تھی کہ تاریخ کا مستند سرمایہ ہاتھ آئے حسن اتفاق یہ کہ فردوسی کے وطن ہی میں ایک شخص کے پاس یہ سرمایہ موجود تھا۔ اور وہ فردوسی کا مخلص دوست تھا۔ اس کو یہ حال معلوم ہوا۔ تو اس نے یہ کتاب لاکر فردوسی کو دی۔ چنانچہ فردوسی دیباچہ میں لکھتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| بہ شہرم یکے مہربان دوست بود | | تو گفتی کہ با من بیک پوست بود | |
| مرا گفت خوب آمد ایں رائے تو | | بہ نیکی خرامد مگر پائے تو | |
| نوشتہ من ایں نامۂ پہلوے | | بہ پیش تو آرم مگر تغنوی | |
| شنو ایں نامۂ خسرواں بازگوے | | بدیں جوے زد میہماں آبروئے | |
| چو آورد ایں نامہ نزدیک من | | برافروخت ایں جان تاریک من | |

فردوسی اگرچہ جیسا کہ نظامی سمرقندی نے لکھا ہے "رئیس زادہ اور خوشحال تھا تاہم جب اس نے **شاہنامہ** لکھنا شروع کیا۔ تو علم دوست امراء نے قدر دانی کا اظہار کرنا چاہا لیکن منصور بن محمد نے جو طوس کا حاکم تھا۔ ایسی فیاضی کا اظہار کیا۔ کہ فردوسی تمام لوگوں سے بے نیاز ہو گیا۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| بدیں نامہ چوں دست کردم دراز | | یکے مہترے بود گردن فراز | |
| جواں بود از گوہر پہلوان | | خردمند و بیدار روشن روان | |
| مرا گفت کز من چہ آید ہمے | | کہ جانت سخن بر گراید ہمے | |
| بپیچزے کہ باشد مرا وست رس | | بکوشم۔ نیازت نہ آرم بکیں | |

افسوس کہ منصور چند روز کے بعد مر گیا۔ فردوسی نے اس کا بہت پُر درد مرثیہ لکھا۔

شاہنامہ کے قدردان

حسین قتیب۔ علی دیلم۔ بودلف اور فضل ابن احمد کا نام بھی فردوسی کے قدردانوں کی فہرست میں داخل ہے۔ نظامی سمرقندی نے لکھا ہے کہ "حسین قتیب طوس کا عامل تھا" (غالباً منصور کے مرنے کے بعد مقرر ہوا ہوگا۔) اس نے فردوسی کے دہات کی مال گزاری معاف کردی تھی[1]۔

فضل ابن احمد سلطان محمود کا وزیر تھا جس کے مرنے کے بعد حسن میمندی اس منصب پر ممتاز ہوا۔ فضل کا تذکرہ بھی فردوسی نے شاہنامہ میں کیا ہے۔

نظامی عروضی کا بیان ہے کہ علی دیلمی شاہنامہ کا مسودہ صاف کیا کرتا تھا۔ اور بودلف راوی تھا یعنی شاہنامہ حفظ یاد رکھتا تھا۔ اور جلسوں اور صحبتوں میں لوگوں کو سناتا تھا لیکن شاہنامہ میں فردوسی نے ان دونو کا نام اس انداز سے لیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ فردوسی کے سرپرست اور مربی تھے۔ کاتب اور راوی نہ تھے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| ازاں نامور نامداران شہر | | علی دیلم و بودلف راست بہر | |

بودلف کی نسبت قاضی نوراللہ شوستری کا قیاس ہے کہ یہ وہ بودلف ہے۔ جو ایک محتشم رئیس تھا۔ جس کے نام پر اسدی طوسی نے **گشتاسپ نامہ** لکھا ہے۔ اور دیباچہ میں اس کی مدح وثنا کی ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| ملک بودلف شہریار زمیں | | جہاندار ارّانی پاک دیں | |
| بزرگی کہ با آسماں ہمسر است | | ز نسل براہیم پیغمبر است | |

خوش اعتقاد دیباچہ نویسوں نے لکھا ہے۔ کہ فردوسی نے جب شاہنامہ لکھنے کا ارادہ کیا تو شیخ محمد معشوق طوسی کی خدمت میں جو ایک مشہور صاحبدل تھے حاضر ہوا۔ اور ان سے اپنا خیال ظاہر کیا۔ انہوں نے کہا تم اس کام کو شروع کرو۔ خدا تم کو

[1] چہار مقالہ۔ نظامی سمرقندی ۱۲

کامیاب کرے گا۔" فردوسی تو کامیاب نہیں ہوا۔ لیکن شاہنامہ کی کامیابی میں کس کو شک ہو سکتا ہے۔

# شاہنامہ کا ماخذ

شاہنامہ کا تاریخی مواد

سر جان مالکم[1] صاحب اپنی تاریخ صفحہ ۶۵ میں لکھتے ہیں۔

"قرن اوّل کے تمام مورخین لکھتے ہیں۔ کہ چونکہ ایرانیوں نے عرب کے حملے کے روکنے میں نہایت پامردی دکھائی تھی۔ اس لئے پیروان اسلام اس قدر برافروختہ تھے۔ کہ انہوں نے ایران کی تمام قومی یادگاروں کو برباد کر دیا۔ شہروں کو آگ لگا دی آتشکدے برباد کر دیئے۔ موبدوں کو قتل کرا دیا۔ ہر قسم کی کتابیں عموماً برباد کر دیں۔ کتب خانوں کے مالکوں کو قتل کر دیا۔ یہ متعصب عرب قرآن کے سوا اور کچھ نہیں جانتے تھے۔ اور نہ جاننا چاہتے تھے۔ موبدوں کو مجوس کہتے تھے۔ اور ان کو جادوگر سمجھتے تھے، یونان اور روم کی کتابوں سے قیاس ہو سکتا ہے کہ اس طوفان میں ایران کی کس قدر کتابیں بچی ہوں گی قریباً چار سو برس گزر گئے۔ اور کسی نے ایرانیوں کی تاریخ لکھنے پر توجہ نہیں کی۔ سب سے پہلی کوشش اس کے متعلق جو کی گئی وہ سامانیوں نے کی۔ مورخین کو اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ منصور ثانی نے ابتدا کی۔ بعض کہتے ہیں کہ دقیقی نے شاہنامہ لکھنا اسمٰعیل کے زمانہ میں شروع کیا جو سلسلۂ سامانیہ کا پہلا تاجدار تھا۔ غرض چونکہ سلاطین سامانی اپنے آپ کو بہرام چوبین کے خاندان سے سمجھتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنے اسلاف کا نام زندہ کرنا چاہا۔"

مالکم صاحب ایک مدت تک ایران میں رہے ہیں۔ فارسی زبان میں اُن کو پوری مہارت تھی۔ اسلامی تاریخ کی طرف خاص توجہ تھی۔ ان سب باتوں کے ساتھ اُن کی تحقیقات کا یہ عالم ہے کہ اتنی لمبی چوڑی عبارت میں ایک حرف بھی صحیح زبان سے نہ نکلا۔

مالکم صاحب کے تعصب کے جواب دینے کا یہ موقع نہیں۔ البتہ تاریخی حیثیت سے یہ امر قابل بحث ہے کہ فردوسی نے جب شاہنامہ لکھنا چاہا۔ تو ایران کا تاریخی ذخیرہ کس

[1] سر جان مالکم صاحب ایک مدت تک ایران میں انگریزی سرکار کی طرف سے سفیر تھے۔ انہوں نے ایران کی تاریخ قدیم و جدید پر ایک کتاب انگریزی میں لکھی۔ مرزا حیرت دہلوی نے اس کا ترجمہ کیا جو بمبئی میں ۱۸۷۴ء میں چھاپا گیا۔

قدر موجود تھا۔ عام خیال یہ ہے کہ مسلمانوں میں علوم و فنون کی تدوین ۱۴۳ھ سے شروع ہوئی اور درحقیقت اسلامی علوم و فنون کے متعلق اس سے پہلے کسی تصنیف کا پتہ نہیں چلتا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ غیر قوموں کے علوم و فنون کا ترجمہ اس سے پہلے شروع ہو چکا تھا۔ ہشام بن عبدالملک جو ۱۰۵ھ میں تخت نشین ہوا۔ اور جو سلاطین بنی امیہ کا گل سرسید تھا۔ سب سے پہلے اس نے غیر قوموں کی تاریخ کی طرف توجہ کی۔ اس کا میر منشی جبلہ بن سالم تھا۔ اس نے فارسی زبان کی بہت سی کتابیں ترجمہ کیں۔ جن میں سے جنگ رستم و اسفندیار اور داستان بہرام چوبین بھی تھی[1]۔ شاہان عجم کے علمی ذخیرے جو فتوحات میں ہات آئے تھے۔ ان میں ایک کتاب **تاریخ** تھی۔ یہ ایران کی نہایت مفصل اور مبسوط تاریخ تھی جس میں سلطنتوں کے حالات کے ساتھ حکومت کے قواعد اور آئین عہد بعہد کے علوم و فنون تعمیرات، وغیرہ کے مفصل حالات تھے۔ ایک خاص جدت یہ تھی کہ تمام سلاطین کی تصویریں بھی تھیں۔ اور تصویروں میں ان کی خاص وضع قطع، لباس، زیورات اور تمام خصوصیات کو بعینہٖ دکھایا تھا۔ **ہشام** نے اس کتاب کا ترجمہ کرایا۔ چنانچہ ۱۱۳ھ میں یہ ترجمہ تیار ہوا۔ مؤرخ مسعودی نے کتاب الاشراف[2] میں لکھا ہے۔ کہ میں نے ۳۰۳ھ میں بمقام اصطخر یہ کتاب دیکھی۔ سلطنت فارس کے متعلق جس قدر کتابیں فارسی میں موجود ہیں۔ یہ سب سے زیادہ مفصل ہے۔" دولت عباسیہ نے آغاز ہی سے **ایران** کے علوم و فنون کے ترجمہ کی طرف توجہ کی، ان میں سے تاریخی کتابیں حسب ذیل ہیں:

**خدائی نامہ**[3]۔ یہ نہایت مفصل تاریخ تھی اور اس قدر مقبول عام تھی کہ بہرام ابن مردان شاد نے جو دولت عباسیہ کا مترجم تھا۔ جب اس کتاب کو بہم پہنچانا چاہا تو بیس مختلف نسخے اس کو ہات آئے۔ عبداللہ بن المقفع نے اس کتاب کا ترجمہ عربی زبان میں کیا اور اس کا نام تاریخ ملوک الفرس رکھا۔

**آئین نامہ**۔ یہ بھی نہایت مفصل کتاب ہے۔ علامہ مسعودی نے کتاب التنبیہ والاشراف (صفحہ ۱۰۴) میں لکھا ہے۔ کہ یہ بہت ضخیم کتاب اور کئی ہزار صفحوں میں ہے۔

---

[1] کتاب الفہرست صفحہ ۱۱۷ [2] کتاب مذکور مطبوعہ یورپ صفحہ ۱۰۶-۱۲ [3] خدائی نامہ کا ذکر تاریخ حمزہ اصفہانی مطبوعہ یورپ صفحہ ۸، ۱۶، ۲۳، ۲۴ اور کتاب الفہرست صفحہ ۱۱۸ میں ہے۔

عبداللہ بن المقفع نے اس کا ترجمہ کیا۔

سیر ملوک الفرس ۔ مترجمۂ عبداللہ بن المقفع

سیر ملوک الفرس ۔ مترجمۂ محمد جہم البرمکی

سیر ملوک الفرس ۔ مترجمۂ زادویہ بن شاہویہ الاصفہانی

سیر ملوک الفرس[1] ۔ مترجمۂ محمد بن بہرام الاصفہانی

سیکران ۔ پہلوی زبان میں تھی مسعودی نے مروج الذہب میں لکھا ہے کہ اہل عجم اس کتاب کی نہایت عزت کرتے تھے۔ عبداللہ بن المقفع نے اس کا ترجمہ کیا۔

تاریخ دولت ساسانی ۔ مترجمۂ ہشام بن قاسم الاصفہانی۔ اصلاح[2] دادہ بہرام بن مردان شاہ موبد نیشاپور۔

کارنامۂ نوشیرواں

شہرزاد و پرویز

کارنامۂ اردشیر بن بابک[3] اردشیر نے اپنے حالات اور واقعات خود لکھے تھے۔

کتاب التاج

بہرام و نرسی نامہ

کارنامہ نوشیرواں کے حالات

مزدک نامہ

ان کتابوں کے علاوہ سلاطین ایران کے عہدنامے، توقیعات اور فرامین مہیا کئے گئے اور ان کا ترجمہ کیا گیا۔ مثلاً وصیت نامۂ نوشیرواں بنام ہرمز۔ عہدنامۂ آردشیر بابکان بنام شاپور۔ کسریٰ و مہرزبان کا مکالمہ، نوشیرواں کا خط سرداران فوج کے نام، نوشیرواں اور جاسپ کے مراسلات[4]

جب تاریخ ایران کا اس قدر ذخیرہ فراہم ہو چکا۔ تو مورخین اسلام نے ان کی مدد سے خود مستقل تصنیفیں کیں چنانچہ محدث طبری۔ علامۂ مسعودی۔ ابوحنیفہ دنیوری۔ یعقوبی حمزہ اصفہانی وغیرہ نے ایران کی مبسوط اور مفصل تاریخیں لکھیں۔ جو یورپ کی بدولت آج

---

[1] ان چاروں کتابوں کا ذکر تاریخ حمزہ اصفہانی صفحہ ۸ میں ہے [2] ان دونوں کتابوں کا ذکر تاریخ حمزہ اصفہانی صفحہ ۹ میں ہے

[3] مروج الذہب مسعودی مطبوعۂ یورپ صفحہ ۶۲ جلد اول۔ [4] ان چاروں کتابوں کا ذکر فہرست ابن الندیم صفحہ ۳۱۵ میں ہے

چھپ کر شائع ہو چکی ہیں۔ یہ تمام کتابیں فردوسی کے زمانہ سے پہلے تصنیف ہو چکی تھیں ان واقعات کے بعد، مالکم صاحب کی رائے کو پڑھو کہ "مسلمان چار سو برس تک ایران کی تاریخ سے ناواقف تھے۔ اور سب سے پہلی کوشش سامانیوں کے دور میں ہوئی"۔

یہ تمام کتابیں عربی زبان میں تھیں، فارسی میں اس وقت تک ترجمہ کے سوا کوئی مستقل تصنیف نہیں لکھی گئی تھی۔ غالباً سب سے پہلی کتاب جو تاریخ ایران پر لکھی گئی وہ ابو علی محمدؒ بن احمد البلخی کی تصنیف تھی جس کا نام اس نے شاہنامہ رکھا تھا۔ اسی بنا پر کشف الظنون میں اس کو شاہنامۂ قدیم لکھا ہے۔

ابو ریحان بیرونی نے آثار الباقیہ میں لکھا ہے۔ کہ مصنف نے دیباچہ میں لکھا ہے۔ کہ میں نے اس کتاب کا سرمایہ کتب مندرجۂ ذیل سے فراہم کیا۔ سیر الملک عبداللہ بن المقفع۔ سیر الملوک محمد بن جہم البرمکی۔ سیر الملوک ہشام بن القاسم۔ سیر الملوک۔ بہرام شاہ بن مروان شاہ سیر الملوک بہرام اصفہانی تصانیف بہرام مجوسی۔

غرض جب دقیقی نے شاہنامہ لکھنے کا ارادہ کیا تو تاریخ عجم کا بہت بڑا ذخیرہ عربی و فارسی میں تیار ہو چکا تھا۔ دقیقی نے سامانیوں کی فرمائش سے یہ کام شروع کیا تھا۔ سامانیوں کا کتب خانہ اس زمانہ میں تمام عالم میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ شیخ بوعلی سینا جب اوّل اوّل اس کتب خانہ میں داخل ہوا تو اس پر حیرت چھا گئی۔ چنانچہ اس نے اقرار کیا ہے۔ کہ میں نے اتنا نادر اور عظیم الشان کتب خانہ نہ اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا نہ اس کے بعد دیکھا۔ دقیقی کے لئے یہ تمام تاریخی ذخیرہ مہیا کیا گیا ہوگا۔ اور چونکہ سلطان محمود غزنوی سامانیوں ہی کا دست پرور اور اُن کو مٹا کر اُن کا جانشین بنا تھا۔ اس لئے ہر طرح قرین قیاس ہے۔ کہ وہ سب سامان محمود کو ہاتھ آیا ہوگا۔ اور فردوسی کو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیا ہوگا۔ یہ محض قیاس نہیں بلکہ مورخین کی تصریح سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ کشف الظنون میں ہے

| | |
|---|---|
| تاریخ الفرس لبعض قدماء اھل | تاریخ ایران بعض قدمائے ایران کی تصنیف ہے |
| فارس وقد کان معظما عند العجم لما فیہ | عجمی اس کتاب کی اس لئے بہت عزت کرتے تھے کہ |
| من اخبار اسلافھم وسیر ملوکھم وھو | اس میں اُن کے اباؤ اجداد و سلاطین کے حالات تھے اور یہی |
| اصل الشھنامہ وغیرھا ولقلہ ابن | کتاب شاہنامہ وغیرہ کا ماخذ ہے۔ ابن المقفع نے اس کو |

لہ دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ یورپ صفحہ ۹۹

المقفع من الفهویۃ الی العربیہ — پہلوی زبان سے ترجمہ کیا۔

غالباً یہ وہی **خدائی نامہ** ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا۔

صاحب مجمع الفصحاء لکھتے ہیں۔

"از جملہ نامہائے قدیم چاسپ نہاد۔ کتاب اوست کہ در ذکر خسروان ایران بودہ دیگر آئین بہمن است۔ در احوال بہمن۔ دیگر در آب نامہ است۔ دیگر دانش افزائے نوشیروانی کہ جامع آں بزرگ مہر حکیم بودہ، و پاستان نامہ و دانشور نامہ۔ و خرد نامہ و حکیم ابوالقاسم محمد بن منصور **فردوسی** آثار افعال ملوک عجم را ازاں نامہا بدست آورد"۔

ان تمام قرائن اور تصریحات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ فردوسی کا ماخذ زیادہ تر ایران کی وہ تاریخیں ہیں۔ جو عربی میں ترجمہ ہو گئی تھیں۔ لیکن فردوسی کا قومی غرور، عرب کے احسان کو گوارا نہیں کرتا۔ فردوسی کا دعوے ہے کہ قدیم زمانہ کی ایک نہایت مبسوط تاریخ ایران کی موجود تھی لیکن مرتب اور مدون نہ تھی۔ موبدوں یعنی مذہبی پیشواؤں کے پاس اس کے مختلف اجزا تھے۔ ایک رئیس دہقان نے ہر جگہ سے بڑھے بڑھے پراتم موبد جمع کئے اور ان پراگندہ اجزا کو زبانی روایتوں کی مدد سے ترتیب دے کر ایک مکمل کتاب تیار کرائی۔

شاہنامہ کے ماخذ کے متعلق خود فردوسی کا بیان

| | |
|---|---|
| یکے نامہ بد از گہ پاستان | فراواں بدو اندراں داستان |
| پراگندہ در دست ہر موبدے | ازو بہرہ بردہ ہر بخردے |
| یکے پہلواں بود دہقاں نژاد | دلیر بزرگ و خرد مند و راد |
| ز ہر کشورے موبدے سال خورد | بیا در دو ایں نامہ را گرد کرد |
| بہ پرسید شاں از نژاد کیاں | وزاں نامداراں فرخ گواں |
| بگفتند پیشش یکایک مہاں | سخنہائے شاہان و گشت جہاں |
| چو بشنید ازیں شاں سپہبد سخن | یکے نامور نامہ افگند بن |

**فردوسی** کا بیان ہے کہ اسی کتاب کو دقیقی نے نظم کرنا شروع کیا تھا۔ لیکن چونکہ ناتمام چھوڑ گیا میں نے اس کی تکمیل کی۔

فردوسی کے بیان کے مطابق شاہنامہ کی اصلی بنیاد اسی کتاب پر قائم کی گئی۔ لیکن جستہ جستہ داستانیں اور ذریعوں سے بھی فراہم ہوئیں۔ رستم و شغاد کا قصہ جہاں سے شروع کیا ہے۔ تمہید میں لکھا ہے کہ احمد بن سہل کے دربار میں ایک بڈھا تھا۔ جو سام نریماں

کی اولاد سے تھا۔ اس کے پاس سلاطین ایران کی تاریخ تھی، اور رستم کی اکثر داستانیں اس کو زبانی یاد تھیں۔ شغاد کا قصہ میں نے اس سے لے کر نظم کیا۔

| | |
|---|---|
| یکے پیر بُد نامش آزاد سرد | کہ با احمد سہل بودے بہ مرد |
| کجا نامۂ خسرواں داشتے | تن و پیکر پہلواں داشتے |
| بہ سام نریماں کشیدش نژاد | بسے داشتے رزم رستم بیاد |
| بگویم سخن آنچہ زو یافتم | سخن را یک اندر دگر بافتم |

فردوسی کا دعویٰ ہے۔ ہم کو انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ لیکن یہ امر غور طلب ہے۔ فردوسی نے خود تیسری جلد میں دقیقی کے اشعار کے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

| | |
|---|---|
| یکے نامہ دیدم پُر از داستاں | سخنہائے آں پُر منش راستاں |
| فسانہ کہن بود و منثور بود | طبائع ز پیوند او دور بود |
| گذشتہ برد سالیاں دو ہزار | گرایدوں کہ بر تر نیاید شمار |
| گرفتم بگویندہ بر آفرین | کہ پیوند را راہ داد اندریں |

تیسرے شعر میں صاف تصریح ہے کہ کتاب مذکور دو ہزار برس کی تصنیف تھی یہ ظاہر ہے کہ دو ہزار برس پہلے ایران کی جو زبان تھی وہ فردوسی کے زمانے کی زبان نہ تھی بلکہ ژندی یا اُس کے قریب قریب ہوگی جو سنسکرت سے ملتی جلتی ہے۔ اور جو پہلوی زبان سے بھی بہت مختلف ہے۔ اِس لئے یہ ثابت ہونا ضرور ہے۔ کہ فردوسی اس زبان سے واقف تھا یا کوئی شخص ترجمہ کرتا جاتا تھا۔ لیکن تذکروں اور خود فردوسی کے بیان میں اس کی کوئی شہادت موجود نہیں۔

شاہنامہ کے ماخذ کے متعلق، دیباچہ میں اور چند روائتیں مذکور ہیں۔ واقعہ نگاری کے فرض کے لحاظ سے ہم اُن کو بھی نقل کرتے ہیں لیکن جہاں اُن میں بدیہی غلطی ہے۔ ہم اِس کی تغلیط کردیں گے۔

ساسانیوں کو، ایران کی تاریخ کے مرتب کرنے کا ہمیشہ خیال رہا۔ ان میں سے **نوشیرواں** کو سخت شغف تھا۔ چنانچہ تمام اطراف و دیار میں قاصد بھیج کر ہر جگہ سے تاریخی ذخیرے جمع کئے، یزدگرد نے اپنے زمانہ میں ان سب کو **دانشور دہقان** کے حوالہ کیا کہ کیومرث سے لے کر خسرو پرویز کے زمانہ تک مکمل اور مرتب تاریخ تیار کردے

دانشور مذکور مدائن کے رؤسا میں تھا۔ اور نہائت صاحب حوصلہ اور فاضل شخص تھا۔ اس نے ان تمام ذخیروں کو عمدگی سے ترتیب دے کر ایک مبسوط اور جامع تاریخ تیار کی۔

عربوں کے حملہ میں یہ کتاب حضرت عمر کی خدمت میں پیش کی گئی، آپ نے اس کا ترجمہ سُنا اور فرمایا کہ یہ مزخرفات کا مجموعہ، دیکھنے کے قابل نہیں، غرض یہ کتاب لوٹ میں تقسیم ہوکر حبش پہنچی، بادشاہ حبش نے اس کا ترجمہ کرایا۔ وہاں سے ہندوستان پہنچی۔ یعقوب لیث نے اپنے زمانۂ حکومت میں اس کو ہندوستان سے منگوا کر ابو منصور عبدالرزاق بن عبداللہ فرخ کو حکم دیا کہ اس کا ترجمہ کیا جائے۔ چنانچہ تاج بن خراسانی ہروی، یزداں داد شاپور سیستانی، ماہوی بن خورشید نیشاپوری، سلیمان طوسی ان سب نے مل کر ۳۴۶ھ میں اس کا ترجمہ کیا۔ یہی کتاب سامانیوں کو ہات آئی۔ اور ان کے حکم سے **دقیقی** نے اس کو نظم کرنا شروع کیا۔

اِس روایت کا یہ حصہ کہ کتاب حبش گئی۔ وہاں ترجمہ ہوکر پھر ہندوستان پہنچی ہندوستان سے ایران میں آئی، صریح غلط اور بیہودہ ہے، باقی واقعات صحیح ہوں تو عجب نہیں، یعنی ایران کی کوئی قدیم تاریخ جو یزدگرد کے عہد میں تیار ہوئی تھی **یعقوب لیث** کے زمانہ میں پہلوی سے فارسی میں ترجمہ کی گئی ہو۔

دیباچہ کی دوسری روائت یہ ہے۔ کہ نوشیرواں کے خاندان کا ایک شخص سلطان محمود کے زمانہ میں تھا۔ اِس کا نام **خورفیروز** تھا۔ اور فارس میں سکونت رکھتا تھا۔ زمانہ کے انقلاب سے آوارہ وطن ہوکر، غزنین پہنچا یہاں آکر جب چاسنا کہ سلطان محمود تاریخ عجم کا شیفتہ و دلدادہ ہے۔ اس کے وطن میں یہ کتاب موجود تھی۔ چنانچہ وہاں سے منگوا کر سلطان کی خدمت میں پیش کی، اور مورد انعام ہوا۔

تیسری روائت یہ ہے۔ کہ جب تمام ملک میں سلطان محمود کے شوق کے چرچے پھیلے تو بادشاہ کرمان نے ایک شخص کو جس کا نام **آذر برزین** تھا۔ اور شاپور ذوالاکتاف کے خاندان سے تھا۔ اور اس وجہ سے تاریخ ایران کا بڑا سرمایہ اس کے پاس تھا۔ اُس کو سلطان محمود کی خدمت میں بھیجا۔

شاہنامہ کی وقعت تاریخ کے لحاظ سے | اگرچہ اس میں شک نہیں کہ شاعرانہ رنگ آمیزیوں نے **شاہنامہ** کو عام نظروں میں تاریخی درجہ سے گرا دیا ہے۔ تاہم ایران کی کوئی مفصل

قدیم تاریخ اس سے زیادہ صحیح نہیں مل سکتی

ملکم صاحب بھی تاریخ ایران میں اعتراف کرتے ہیں۔

"کتاب فردوسی اگرچہ افسانۂ وخیالات شاعری بسیار دارد لیکن تقریباً جمیع۔ اخبار کہ در تاریخ قدیم ایران وتوران در ملک آسیا ایشیا یافت میشود دراں مندرج است"۔

ملکم صاحب نے نہایت تفصیل کے ساتھ شاہنامہ کے واقعات کا یونانی مورخین کے بیان سے مقابلہ کیا ہے۔ اور اکثر جگہ دونوں میں تطبیق دی ہے۔ علامہ ثعلبی نے جو سلطان محمود کا معاصر تھا۔ ایران کی قدیم تاریخ پر ایک مبسوط کتاب لکھی ہے۔ اس نے بھی جابجا شاہنامہ کا حوالہ دیا ہے۔ تاریخی حیثیت سے شاہنامہ کے متعلق مفصل بحث کرنا ہمارا موضوع نہیں، البتہ اس قدر جتانا ضروری ہے کہ شاہنامہ کی بے اعتباری کی بڑی وجہ جو آج کل خیال کی جاتی ہے۔ وہ اس کے دو رازکار افسانے ہیں۔ مثلاً دیو سفید مار ضحاک۔ جام کیخسرو وغیرہ وغیرہ لیکن اولاً تو چند واقعات کی بنا پر تمام کتاب کو غلط نہیں کہہ سکتے۔ ہیروڈوٹس کو تمام یورپ تاریخ کا آدم مانتا ہے۔ لیکن اس کی تاریخ میں ہزاروں واقعات فرضی اور وہمی ہیں۔ اور خود یورپ کو اس کا اعتراف ہے دوسرے ایرانیوں کی قدیم تاریخ میں وقعات اسی طرح مذکور تھے۔ اس لئے فردوسی کا صرف یہی فرض تھا کہ ان واقعات کو بعینہٖ نقل کردے۔ علامہ ثعلبی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ کہ یہ تمام افسانے گو بالکل بے سروپا اور خلاف عقل ہیں لیکن چونکہ ایران کی تاریخ میں بہ تواتر بیان ہوتے چلے آتے ہیں۔ اس لئے ہمارا صرف اس قدر فرض ہے۔ کہ جوں کا توں ان کو نقل کردیا جائے۔ علامہ موصوف کے یہ الفاظ ہیں (ذکر قصہ زال وسیمرغ)

وانا ابرء من عھدۃ ھذہ الحکایۃ ولولا شھرتھا لکل مکان ودنی اوان وعلی کل لسان وجریھا یجری ما یستطاب ویلھی بہ الملک عند الارق لھا کتبتھا وقد کانت العجائب کثیرۃ فی ذالک الزمان الاول کبلوغ عمر الواحد من اھلہ الف سنۃ وکطاعۃ الجن والشیاطین الملوک .... وغیرھا مما یطول ذکرہ (جلد اول صفحہ ۷ مطبوعہ یورپ)

اسی طرح ہفت خوان رستم کے ذکر میں لکھا ہے کہ یہ سب لغویات ہیں۔

ابوریحان بیرونی آثار الباقیہ[1] میں لکھتا ہے۔

---

[1] صفحہ ۱۰۰ مطبوعہ یورپ ۱۲

| | |
|---|---|
| ولهم فی التواریخ القسم الاول | ایرانیوں نے پرانے زمانے کی جو تاریخ لکھی ہے اُن میں سلاطین |
| واخبار الملوك وافاعیلهم المشهورة | کی عرون اور اُن کے کارناموں کے متعلق ایسی باتیں بیان |
| عنهم مایستغرعن استماعه القلوب و | کرتے ہیں جن کے سننے سے دل اچٹتا ہے۔ کان اُن کو |
| تجاء الاذان ولا تقبله العقوال۔ | برداشت نہیں کر سکتے عقل ان کو قبول نہیں کرتی۔ |

بعض یورپین مؤرخین کے نزدیک شاہنامہ کی بے اعتباری کی وجہ یہ ہے کہ اس کے واقعات یونانیوں کی تاریخ سے اکثر جگہ مخالف ہیں۔ لیکن اس عقدہ کو علامہ ثعلبی نے بہت پہلے حل کر دیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ "ہمارے پاس ایرانیوں کی تاریخ کے متعلق دو ماخذ ہیں۔ ایرانی اور یونانی۔ ہم جانتے ہیں کہ دونوں میں اختلاف ہے۔ لیکن یہ مسلم مسئلہ ہے۔ کہ گھر کا حال گھر والا خوب جانتا ہے۔ اس لئے ہم نے یونانیوں کے مقابلہ میں ایرانیوں کا زیادہ اعتبار کیا"۔

**محققین یورپ کی رائے** یورپ نے نہایت جدوجہد سے اسلام کے قبل کی ایرانی تصنیفات کثرت سے ڈھونڈھ کر نکالیں، اور اُن میں سے اکثر کو چھاپ کر شائع کیا۔ چنانچہ پروفیسر براؤن نے اپنی کتاب کی پہلی جلد میں ایک خاص عنوان قائم کیا ہے "پہلوی لٹریچر" اس کے ذیل میں ان تمام کتابوں کی فہرست اور ان کے حالات لکھے ہیں۔ ان میں بعض کتابیں اسلام سے پان پان، چھ چھ سے برس پہلے کی تصنیف ہیں۔ ان میں سے جو کتابیں شاہانِ عجم کی تاریخ ہیں، اُن کا بیان حرف بہ حرف فردوسی سے مطابق ہے۔ انہیں میں ایک کتاب کارنامک ارتخشتر ہے۔ جو پہلوی زبان میں ہے اور سنہ ۶۰۰ء یعنی زمانۂ اسلام سے کسی قدر پہلے کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب اصل پہلوی زبان میں مع جرمنی ترجمہ کے شائع کی گئی ہے۔ اس کی نسبت پروفیسر **اُون** صاحب لکھتے ہیں۔

"جب اس کتاب کا شاہنامہ سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ **فردوسی** نے بڑی ایمانداری برتی ہے۔ اور ہماری نظر میں اس کی وقعت یہ دیکھ کر اور بڑھ جاتی ہے کہ جن کتابوں سے اس نے شاہ نامہ لکھا ہے۔ اُن سے ترجمہ ب وار مطابقت پائی جاتی ہے"۔ **جرمن** کے مشہور فاضل پروفیسر نولدکی نے شاہنامہ کے ماخذ اور اس کی تاریخی حیثیت پر ایک مستقل کتاب جرمن زبان میں لکھی ہے۔ اس کے اقتباسات کا ترجمہ مسٹر براؤن نے انگریزی میں کیا ہے۔ اور اپنی کتاب کی جلد اوّل میں شامل کیا ہے ہم

اس کے بعض ضروری مقامات کا ترجمہ نقل کرتے ہیں۔

تاریخ و قدامت

"اوستا میں شاہنامہ کی فصلوں کا اتنا ذکر آ چکا ہے۔ کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب اوستا تصنیف ہوئی تو اس زمانہ میں ان قومی فسانوں کی بڑی بڑی باتیں لوگوں کو معلوم تھیں۔ ان کی قدامت کا صرف یہی ایک ثبوت نہیں ہے۔ کیونکہ نولدکی نے دکھلا دیا ہے۔ کہ یونانی مصنفوں کی کتابوں میں بھی جو انہوں نے شاہان ایران کے بارے میں لکھی ہیں۔ ان بہادروں کا تذکرہ موجود ہے۔ خاص کر ٹی سی۔ ایس[1] کی کتاب میں جو پانسو برس قبل حضرت مسیح[2]، آرٹاکزرکسیز[3] نی من کا طبیب دربار تھا۔ اور اس نے اپنی کتاب ایرانی تصانیف کی مدد سے لکھی ہے۔ یہ واقعات بار بار بیان ہوئے ہیں۔ بلکہ کبھی ایک خاندان سے منسوب ہوئے ہیں۔ کبھی دوسرے سے۔ مثلاً سائرس[4] ایکی می نین کے پہلے بادشاہ کو جو واقعات میڈیا[5] والوں سے لڑنے میں پیش آئے وہ اردشیر ساسانی اور اس کی پارتھیوں کی جنگ کے حالات سے بہت کچھ ملتے جلتے ہیں۔ اسی طرح عقاب، سیمرغ اور ہما شاہ پسند پرندوں کا ایکی می نیز[6] زال اور اردشیر کا محافظ ہونا اسی طور پر نودیر کیانی اور پیروز ساسانی کو تورانی دشمنوں سے قارین کے خاندان کے دو شخصوں کا بچانا اور اسی قبیل سے دارا اور پیروز کی ملتی جلتی سرگذشتیں ہیں جو قابل غور ہیں۔

یات کارزیران

زریادریس[7] برادر ہس ٹاس[8] پیس اور شاہزادی اوداتس کا قصہ ہم تک اے تھی نیس[9] سے پہنچا ہے۔ یہ قصہ اس نے سکندر کی اس تاریخ سے لکھا ہے جو اس کے دیوان چارین[10] نے تصنیف کی تھی۔ یہی داستان سب میں پرانی پہلوی کتاب یات کارزیران[11] میں بیان ہوئی ہے۔ جو پانسو برس قبل حضرت عیسےٰ کے لکھی گئی تھی، یہ چھوٹی مگر ضروری کتاب سب میں قدیم فارسی کتاب ہے۔ جس میں بہادری کے قصے درج ہیں۔ گو اس میں ایک ہی قصہ ہے مگر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے ان کل کہانیوں پر عبور ہے۔ اسی کتاب کو شاہنامۂ گشتاسپ یا پہلوی شاہنامہ کہتے ہیں"۔

---

[1] Clesias [2] Artaseerses [3] mnemon
[4] Cayrus [5] Achhaemenizn [6] Medas [7] Parthinns
[8] Achaemenes [9] Zapiahras [10] Hyataspst
[11] Cdates [12] Athenaeus [13] Charos [14] yatKar Zarian

**نولدکی** کہتا ہے۔ کہ "اگر ہم کو سراسر دھوکا نہ ہوا ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس قصے میں وہ رُوح موجود ہے جس کا وجود کئی اور قوموں کے بہادری کے قصوں میں موجود ہے خلاصہ حال سب کو معلوم ہے۔ اس کے خاص خاص حصوں کو کوشش کرکے زینت دی گئی ہے۔ اور اس ڈھانچ میں تھوڑی سی کمی بیشی اور ترتیب سے کم و بیش ایک مسلسل اور پوری داستان تیار ہو سکتی ہے۔ اس قصے کے ضروری اجزا عربی کے اس مختصر ترجمہ میں موجود ہیں جو طبری نے کیا ہے۔ اور جو شاہنامہ کے بیان سے بالکل مطابق ہے۔ بعض جگہ تو لفظ بہ لفظ وہی ہے۔ اور اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یہ اسی عام قدیمی روائت سے لیا گیا ہے۔ **جو شاہنامہ کا ماخذ ہے**"۔

اِس نئی ترتیب سے جس کی طرف نولدکی نے اشارہ کیا ہے۔ وہ اضافہ اور اصلاح مراد ہے جس سے مختلف حصے ایک دوسرے کا پیوند ہو کر ایک دلکش داستان بن جائیں۔ اور کمی سے یہ غرض ہے۔ کہ وہ باتیں اور الفاظ جو مسلمانوں کو ناگوار ہیں نہ آنے پائیں جیسا فردوسی اور اوروں نے کیا ہے۔

**شاہنامہ** کے ساسانی حصہ کے متعلق ہمارے پاس ایک پہلوی کتاب **کارنامک ارتخشتر پاپکان** اصل پہلوی اور جرمن میں موجود ہے۔ جب اس کتاب کا شاہنامہ سے مقابلہ کیا جاتا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ فردوسی نے بڑی ایمانداری برتی ہے۔ اور ہماری نظر میں اُس کی وقعت یہ دیکھ کر اور بڑھ جاتی ہے۔ کہ جن کتابوں سے اُس نے شاہنامہ لکھا ہے۔ اُن سے ترتیب وار مطابقت پائی جاتی ہے۔ **کارنامک** غالباً ۶۰۰ء میں تصنیف ہوئی اور اگاتھی اس کا جو ۵۸۰ء میں تھا۔ شاہان ایران کی تاریخوں کا ساسان پاپک اور اردشیر کے حالات میں حوالہ دینا اس بات کا زائد ثبوت ہے کہ شاہنامہ کے مختلف قصے اِس زمانہ کی پہلوی کتابوں میں پائے جاتے تھے۔

فردوسی کے شاہنامہ پر جو دیباچہ تیمور کے پوتے بایسنقر کے حکم سے ۱۴۲۵ء میں لکھ کر لگایا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دہقان دانشور کا پورا صحیح نسخہ اس ساری داستان کا کیومرث سے لے کر خسرو پرویز یعنی ۶۲۷ء تک کا یزدجرد ثانی آخری ساسانی فرمانروا کے عہد میں تیار ہو چکا تھا۔ اس پر نولدکی لکھتا ہے۔ کہ یہ کتاب خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو مگر عرب مورخوں کے ترجموں کا، فردوسی سے خسرو پرویز کی وفات تک مطابق ہوتا

اور بعد کو مختلف اس بارہ خاص میں اُس کی صداقت کا ثبوت ہے۔ اور اس کی انتہا درجہ کی ہمدردانہ کوشش اور حق پسندی سے پایا جاتا ہے۔ کہ وہ بادشاہ کی سرپرستی اور نگرانی میں تصنیف ہوئی تھی۔"

اس پہلوی **خدائی نامہ** جس کا حمزہ اور مصنف فہرست وغیرہ اور دیگر عرب مؤرخوں نے ذکر کیا ہے۔ ابن المقفع نے آٹھویں صدی عیسوی کے وسط میں عربی میں ترجمہ کیا اور اس ذریعہ سے تمام عربی دانوں کو اس کا حال معلوم ہو گیا۔ مگر نہایت افسوس ہے۔ کہ یہ ترجمہ ضائع ہو گیا۔ اسی طرح وہ فارسی نثر کا ترجمہ جو ۹۵۷ء میں ابو المنصور المعمری کے حکم سے ہوا تھا۔ اور ہرات۔ سیستان۔ شاہ پور اور طوس کے چار پارسیوں نے ابو منصور ابن عبد الرزاق حاکم طوس کے لئے کیا تھا۔ جیسا کہ البیرونی اور نولدکی نے لکھا ہے۔ اس کی بنا پر **دقیقی** نے ایک شاہنامہ نوح ابن منصور سامانی بادشاہ کے لئے جو ۹۹۷-۹۶ء تک رہا۔ فارسی نظم میں لکھنا شروع کیا تھا۔ مگر سلطنت گشتاسپ اور زردشت کی آمد کے متعلق چند ہی ہزار شعر لکھنے پایا تھا کہ اُسے ایک ترکی غلام نے مار ڈالا۔ یہ **فردوسی** ہی کا حصہ تھا کہ چند سال بعد اُس نے اس قومی فسانے کو جو دقیقی نے شروع کیا تھا۔ ساٹھ ہزار اشعار میں جس میں دقیقی کے اشعار بھی شامل ہیں۔ تکمیل کو پہنچایا۔ اتنا کہنا یہاں اور ضروری ہے۔ کہ شاہنامہ قوم کا پورا پورا افسانہ ہے۔

داستان اردشیر | اس داستان کی جتنی کہانیاں شاہنامہ اور **کارنامک** پہلوی میں پائی جاتی ہیں۔ حسب تفصیل ذیل ہیں:-

(۱) ساسان جو بہمن دراز دست کی پانچویں پشت میں تھا۔ پاپک شاہ فارس کے ہاں مویشی چرانے پر نوکر ہے۔ پاپک خواب دیکھتا ہے کہ ساسان نسل شاہی سے ہے۔ اُس سے بلعف وخوشی پیش آتا ہے۔ اپنی بیٹی کی اُس سے شادی کرتا ہے اور اردشیر اُس کے بطن سے پیدا ہوتا ہے۔

(۲) پاپک اردشیر کو ہستنے کرتا ہے۔ اس کے جوان ہونے پر اُس کی دلاوری عقلمندی اور شاہانہ خوبیوں کا تذکرہ اردوان (آخری بادشاہ اشکانی) تک پہنچتا ہے۔ وہ اردشیر کو طلب کرتا ہے۔ خاطر و مدارات سے پیش آتا ہے۔ ایک روز اردوان کے بیٹے کے ساتھ شکار کو جاتا ہے۔ اور وہ اردشیر کے مارے ہوئے شکار کو اپنا بتلاتا ہے۔ اس پر

بے قدر ہو کر میر آخور اصطبل شاہی مقرر ہوتا ہے۔

(۳) اردوان کی ایک معتمد ہوشیار اور نازنین پرستار اردشیر پر ترس کھاتی ہے اور دو تیز رفتار گھوڑے مہیا کر کے اس کے ساتھ فارس کو بھاگ جاتی ہے۔ اردوان تعاقب کرتا ہے۔ مگر یہ سُن کر کہ شوکت خسروی ایک خوب صورت مینڈھے کی شکل میں اردشیر تک پہنچ گئی ہے۔ واپس آتا ہے۔

(۴) اردشیر آشکانیوں وغیرہ سے لڑتا ہے۔ اردوان اور اس کے بیٹے کو شکست دیتا ہے اور خود کردوں سے زک اٹھاتا ہے۔

(۵) داستان ہفتان بوخت (ہفتواد) اور کرم کرمانی مع جنگ متھرک (مسرک)

(۶) اردوان اپنی بیٹی (زوجہ اردشیر) کو موت کا حکم سناتا ہے۔ ایک موبد جس کا نام ارسام ہے۔ اس کی جان بچاتا ہے۔ اس کے پیٹ سے شاہو پیدا ہوتا ہے۔ اور باپ اس بچہ کو لے جاتا ہے۔

(۷) **اردشیر** ہندوستان کے حاکم کیدیا کیت سے یہ سُن کر کہ ایران کی بادشاہت اس کے یا اس کے دشمن متھرک کے گھرانے میں جائے گی۔ متھرک کا استیصال کرتا ہے۔ اس کی ایک لڑکی قتل عام سے بچ کر کسانوں میں پرورش پاتی ہے۔ شاہو اُسے دیکھ کر اس پر عاشق ہوتا ہے۔ اپنی شادی اور اپنے بیٹے ہرمزد کی پیدائش کو اپنے باپ اردشیر سے چھپاتا ہے اور ہرمزد کو سات برس کی عمر میں چوگان کے میدان کی بہادری دیکھ کر **اردشیر** پہچان لیتا ہے۔

ہر متنفس جس نے **کارنامک** اور **شاہنامہ** کا یہ حصہ ساتھ ساتھ پڑھا ہے۔ اس بات کا اقرار کرے گا کہ شاہنامہ پورا چربہ کارنامک کا ہے۔ اس لئے کہ جزئیات میں بھی اختلاف نہیں ہے۔ ہمارے اس خیال کو کہ فردوسی نے جن قدیم کتابوں سے شاہنامہ لکھا ہے۔ اُن سے الگ نہیں گیا۔ پہلوی کے قصہ **زریر** اور **شاہنامہ** کے مقابلہ سے اور بھی تقویت ہوجاتی ہے۔ یہ امر اتفاقی ہے۔ کہ ان حصّوں کا ہم اصل کتابوں سے مقابلہ کر سکے مگر ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ اور مقامات پر بھی جہاں ہم کو جانچ پڑتال کے ذریعے حاصل نہیں ہیں وہاں بھی فردوسی نے ادنیٰ بات بھی قدیم ماخذوں کے خلاف نہیں لکھی ہوگی یہاں ہم داستان اردشیر کی دونو روائتوں میں سے صرف دو ایک باتوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں زیادہ گنجائش نہیں ہے۔ اوّل ہم اُس کی پیدائش کا ذکر کرتے ہیں۔

# کارنامک

سکندر رومی کی وفات پر ایران میں ۲۴۰ مختلف گروہوں کے لوگ حکمران تھے۔ **اردوان** ان سب میں سربرآوردہ تھا۔ اور اصفہان، فارس اور قرب وجوار کے حصہ پر قابض تھا۔ پاپک محافظ سرحد اور اردوان کی طرف سے فارس کا گورنر تھا۔ اور اصطخر[1] میں رہتا تھا۔ اس کے کوئی بیٹا نہ تھا جس سے اس کا نام چلتا، **ساسان** پاپک کا گوالا تھا۔ اور ہمیشہ اپنے گلوں میں رہتا تھا۔ مگر وہ دارا ابن دارا کی اولاد میں تھا۔ اور سکندر کے برے زمانہ میں وہ بھاگ کر گڈریوں میں جا ملا تھا۔ پاپک کو یہ بات معلوم نہ تھی، ایک رات اُس نے خواب میں دیکھا کہ ساسان کے سر سے سورج نکلا ہے اور اس نے تمام عالم کو منور کر دیا۔ دوسری رات دیکھا کہ ساسان ایک سپید ہاتھی پر جس پر قیمتی جھول پڑی ہوئی ہے۔ سوار جا رہا ہے۔ اور تمام "کشور" کے لوگ اس کے اردگرد ہیں۔ اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اور دعائیں دیتے ہیں۔ تیسری رات اُس نے دیکھا کہ آتش فروبہ گشسپ اور منتصر، ساسان کے گھر میں روشن ہے۔ اور ساری دنیا میں اُجالا پھیلا ہوا ہے۔ ان خوابوں سے گھبرا کر اُس نے تعبیر دینے والوں اور دانشمندوں کو بلایا اور اُن سے تینوں خواب بیان کئے معبروں نے کہا کہ یا تو وہ شخص جس کو آپ نے خواب میں دیکھا ہے یا اس کی اولاد میں سے کوئی شخص تمام دنیا کا بادشاہ ہوگا۔ کیونکہ سورج اور قیمتی جھول والا ہاتھی زور، طاقت اور فتح کی علامت ہیں۔ **آتش فروبہ** سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جو مذہب سے خوب واقف ہیں۔ اور اپنے ہمسروں میں ممتاز ہیں **آتش گشسپ** سے جنگجو اور جرگوں کے سردار اور آتش پرجین مہر سے دنیا کے کاشتکار مراد ہیں۔ پس بادشاہت اُسے یا اُس کی اولاد کو ملے گی"۔ پاپک نے یہ تقریر سُن کر سب کو رخصت کیا اور **ساسان** کو بلا کر اُس سے پوچھا "تم کس خاندان اور نسل سے ہو۔ تمہارے بزرگوں اور پُرکھوں میں سے کوئی بادشاہ ہوا ہے"؟ ساسان نے کہا کہ اگر جان بخشی ہو تو عرض کروں، **پاپک** نے اجازت دی۔ ساسان نے اپنا راز افشا کر دیا۔ اور سارا حال بتلا دیا۔ پاپک یہ سُن کر خوش ہوا۔ اور کہا کہ میں تمہاری حالت بہتر کر دوں گا۔ اور اس کے حکم دیتے ہی پورا لباس شاہی آیا اور **ساسان** کو عطا ہوا۔ جب ساسان نے کہا کہ پہنوں اُس نے پہن لیا۔ وہ پاپک کے حکم سے چند روز

---

[1] شاہنامہ میں اصطرخ لکھا ہوا ہے ۱۲

عمدہ غذائیں کھاتا رہا جس سے اُس کے جسم میں طاقت آگئی۔ پاپک نے پھر اپنی لڑکی سے اُس کی شادی کردی۔ اور قسمت کی یاوری سے وہ عاملہ ہوگئی۔ اور اُس سے تخشر پیدا ہوا۔

فروبہ۔ فرہ باگ یا فرن باگ کی جگہ فردوسی نے **خرید** لکھا ہے۔ کارنامک کی عبارت جہاں ساسان کی آمد کا ذکر ہے۔ بڑی روکھی پھیکی ہے۔ فردوسی نے اپنے زور قلم سے اُس میں جان ڈال دی ہے۔ اور یہ منجملہ اُن مقامات کے ہے جو فردوسی نے نہائت دلکش پیرایہ میں لکھے ہیں۔

اشعار فردوسی متعلق قصہ بابک و ساسان:۔

چو دارابہ رزم اندروں کشتہ شد — ہمہ دودہ را روز برگشتہ شد
پسر بد مر او را یکے شاد کام — خرد مند و جنگی و **ساسان** بہ نام
ازاں لشکر روم بگریخت اوی — بدام بلا در نیامیخت اوی
بہ ہندوستاں در بزاری بہ مُرد — ز **ساسان** یکے کودکے ماند خرد
بریں ہم نشاں تا چہارم پسر — ہمے نام **ساسانش** کردے پدر
چو کہتر پسر سوئے **بابک** رسید — بدشت آمد و سر شباں را بدید
بدو گفت مر دورت آید بہ کار — کہ ایدر گزارد بہ بد روزگار
بہ پذرفت بدبخت را سرشاں — ہمے داشت با رنج روز و شباں
شبے خفتہ بُد **بابک** روز یاب — چناں دید روشن روانش بخواب
کہ **ساساں** بہ پیل ژیاں بر نشست — گرفتہ یکے تیغ ہندی بہ دست
بہ دیگر شب اندر چو **بابک** بخفت — ہمے بود با لغرش اندیشہ جفت
چناں دید در خواب کآتش پرست — سہ آتش فروزاں بہ بردے بدست
چو آذر گشسپ و چو خرّاد و مہر — فروزاں چو بہرام و ناہید و مہر
ہمہ پیش **ساساں** فروزاں بُدے — بہر آتشے عود سوزاں بُدے
سر **بابک** از خواب بیدار شد — روان و دلش پُر ز تیمار شد
کسانیکہ در خواب دانا بُدند — بداں دانش اندر توانا بُدند
بہ ایوان **بابک** شدند انجمن — بزرگاں فرزانہ دہ رائے زن
چو **بابک** سخن بر گشاد از نہفت — ہمہ خواب بگسست بدیشاں بگفت
پُر اندیشہ شد زاں سخن رہنمائے — نہادہ بدو گوش پاسخ سرائے

سرانجام گفت اے سرافراز شاہ — بہ تاویل ایں کرد باید نگاہ
کسے راکہ دیدی تو زنہساں بخواب — بہ شاہی برآرد سر، از آفتاب
گرایدوں کہ ایں خواب از و بگذرد — پسر باشدش کز جہاں برخورد
چو بابک شنید ایں سخن گشت شاد — براندازہ شاں یک بیک ہدیہ داد
بفرمود تا سر شباں از رمہ — بر بابک آمد بہ روز و مہ
بیامد دماں پیش او با گلیم — پر از برف، پشمیں و دل پُر زبیم
بپرداخت بابک زبیگانہ جائے — پدر شد پرستندہ و رہنمائے
ز ساساں بپرسید و بنواختش — بر خویش، نزدیک بنشاختش
بپرسیدش از گوہر و از نژاد — شباں زد بتر سید، و پاسخ نداد
ازاں پس بدو گفت کائے شہریار — شباں را بجاں گر دہی زینہار
بگویم ز گوہر ہمہ ہر چہ ہست — چو دستم بہ پیماں بگیری بہ دست
چو بشنید بابک زباں بر کشاد — زیزداں نیکی دہش کرد یاد
بہ بابک چنیں گفت ازاں پس جواں — کہ من پور ساسانم اے پہلوان
چو بشنید بابک فرو ریخت آب — ازاں چشم روشن کہ او دید خواب
بیاورد پس جامۂ پہلوی — یکے اسپ بر آلت خسروی
یکے کاخ پُر مایہ او را بساخت — ازاں سر شبانی سرش بر نواخت
بدو داد پس دختر خویش را — پسندیدہ و افسر خویش را

**کارنامک پہلوی** اور **شاہنامہ** کے بیان میں بہت خفیف فرق ہے جو عموماً تاریخی واقعات میں ہوتا ہے۔

مسٹر براؤن نے اور بھی چند داستانیں **کارنامک** اور **شاہنامہ** کی مطابقت دکھانے کے لئے درج کی ہیں۔ لیکن ہم نے طول کے لحاظ سے قلم انداز کیا۔

## فردوسی کی وقعت شاعری کی حیثیت سے

عام اتفاق ہے کہ ایران میں اس درجہ کا کوئی شاعر آج تک نہیں پیدا ہوا۔ انوری اُن شعرا میں ہے۔ جن کو لوگوں نے فردوسی کا ہمسر قرار دیا ہے۔ چنانچہ مشہور ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| در شعر سہ تن پیمبر انند | | ہر چند کہ لا نبی بعدی | |
| ابیات و قصیدۂ و غزل را | | فردوسی و انوری و سعدی | |

لیکن خود انوری کہتا ہے کہ فردوسی ہمارا خداوند ہے۔ اور ہم اُس کے بندے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| آفریں بر روان فردوسی | | آں ہمایوں نژاد فرخندہ | |
| آں نہ اُستاد بود و ما شاگرد | | آں خداوند بود و ما بندہ | |

**نظامی** کہتے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| سخن گوئے پیشینہ دانائے طوس | | کہ آراست زلف سخن چوں عروس | |

علامہ ابن الاثیر نے مثل السائر کے خاتمہ میں لکھا ہے۔ کہ "عربی زبان باوجود اس وسعت و کثرت الفاظ کے شاہنامہ کا جواب پیش نہیں کر سکتی، اور درحقیقت یہ کتاب عجم کا قرآن ہے"۔

یورپ کے فضلا بھی جو زبان فارسی سے واقف ہیں۔ عموماً فردوسی کی کمال شاعری کے معترف ہیں۔ سر گور اوسلی نے تذکرۃ الشعرا میں فردوسی کو ہومر سے تشبیہ دی ہے۔ اگرچہ ساتھ ہی یہ ناتواں بینی بھی ظاہر کی ہے کہ "وہ اگرچہ دراصل ہومر کا ہمسر نہیں ہو سکتا، لیکن ایشیا میں اگر کوئی ہومر ہو سکتا ہے۔ تو وہی ہے"۔

لیکن تعجب اور سخت تعجب ہے کہ مسٹر براؤن جو آج کل فارسی دانانِ یورپ میں سب سے ممتاز ہیں۔ فردوسی کے کمال شاعری کے منکر ہیں۔ وہ اپنی کتاب لٹریری ہسٹری آف پرشیا میں لکھتے ہیں۔ کہ "فردوسی کے بعد جو شعرا پیدا ہوئے وہ شاعرانہ خیالات اور شوکت الفاظ دونو حیثیت سے فردوسی سے بالاتر ہیں۔ شاہنامہ سبعہ معلقہ کی بھی برابری نہیں کر سکتا"۔ صاحب موصوف کو اس پر حیرت ہے کہ شاہنامہ تمام اسلامی دنیا میں اس قدر کیوں مشہور عام ہو گیا۔ پھر خود اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ شاہنامہ میں مسلمانوں کے اسلاف کی فخریہ داستانیں ہیں۔ اس لئے جب قوم نے اس کا سکہ جما دیا"۔

ہم ان سب باتوں کے جواب میں صرف یہ کہتے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| حریف کاوش مژگاں خون ریز شش نہ زاہد | | بدست آور رگ جانی و نشتر را تماشا کن | |

شاہنامہ کی خصوصیات

اب ہم شاہنامہ کے اوصاف کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

(۱) اسلام کا خاصہ ہے کہ جہاں جہاں گیا ملک کی زبان سرے سے بدل دی یا اس

قدر اس کو مغلوب کر لیا کہ وہ مستقل اور آزاد زبان نہیں رہی۔ اسلام سے پہلے مصر و شام میں قبطی اور سریانی بولی جاتی تھی، اسلام کے ساتھ تمام ملک کی زبان عربی ہوگئی، یہاں تک کہ آج عیسائی یہودی وغیرہ بھی عربی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں بول سکتے۔ پہلی خصوصیت

ایشیائے کوچک اور قسطنطنیہ میں ترک گئے تو ملکی زبان ترکی ہوگئی، کابل اور قندھار کی اصلی زبان پشتو ہے لیکن خواص فارسی بولتے ہیں۔ جو اسلامی حکمرانوں کی زبان تھی۔ ایران اور ہندوستان سخت جان تھے۔ جہاں تک کی اصلی زبان قائم رہی۔ لیکن عربی الفاظ اس کثرت سے داخل ہوگئے۔ کہ اُن کی آمیزش کے بغیر فارسی یا اردو لکھنا چاہیں تو لزوم مالایلزم کی محنت اٹھانی پڑتی ہے۔

ایران میں ابتدا ہی سے عربی نہایت شدت سے مخلوط ہوگئی تھی، عباس مروزی نے مامون الرشید کی مدح میں جو قصیدہ لکھا، اس کے چار شعر آج موجود ہیں۔ جن میں نصف سے زیادہ عربی الفاظ ہیں۔ رودکی اور ابوشکور بلخی وغیرہ کا کلام عربی الفاظ سے بھرا پڑا ہے۔ سلطان محمود کے زمانہ میں ایک فاضل نے شاہنامہ کے جواب میں غرنامہ ایک کتاب نثر میں لکھی تھی، وہ ہماری نظر سے گزری ہے۔ اس کا بھی یہی حال ہے۔ اسی زمانے میں شیخ بوعلی سینا نے حکمت علائیہ فارسی زبان میں لکھی اور قصد کیا کہ خالص فارسی میں لکھی جائے لیکن عہدہ برآ نہ ہوسکا۔ فردوسی کی قدرت زبان دیکھو۔ کہ ساٹھ ہزار شعر لکھ کر ڈال دیئے اور عربی الفاظ اس قدر کم ہیں کہ گویا نہیں ہیں، اگرچہ اس خصوصیت کا موجد **دقیقی** ہے۔ لیکن کل ہزار شعر اور صرف چند معمولی واقعات ہیں۔ بخلاف اس کے فردوسی نے ہر قسم اور ہر طرح کے سینکڑوں گوناگوں مطالب ادا کئے۔ اور زبان کے خالص ہونے میں فرق نہ آنے پایا۔ عربی کے جو الفاظ خال خال آئے ہیں۔ اکثر وہ ہیں۔ جو خاص مصطلح الفاظ ہیں، مثلاً دین۔ میمنہ۔ میسرہ۔ قلب۔ سلاح۔ عنان وغیرہ وغیرہ، یہ الفاظ اس طرح اس زبان میں شائع تھے۔ جس طرح آجکل اُردو میں جج۔ کلکٹر۔ ٹکٹ۔ اسٹیشن وغیرہ ہیں کہ ان کے بجائے اگر کوئی شخص اور الفاظ استعمال کرے تو ناموزوں معلوم ہوں گے۔

حیرت وہاں ہوتی ہے۔ جہاں فلسفیانہ اصطلاحیں آتی ہیں۔ اور وہ اس بے تکلفی سے سادی فارسی میں اُن کو ادا کرتا جاتا ہے۔ کہ گویا روزمرہ کی باتیں ہیں۔ بوعلی سینا نے بھی حکمت علائیہ میں یہ کوشش کی لیکن اس کا نمونہ دیکھو، ابطال غیر متناہی کے استدلال میں لکھتا ہے۔

"پیسی وپسی بالطبع است چنانکہ اندر شمار است یا بہ عرض چنانکہ اندر اندازہ است کہ از ہر کدام سو کہ خواہی آغاز کنی وہر چہ اندروے پیشی وپسی است بالطبع باوے مقدار است کہ او را بہرہ ہا بہر جا کہ بودند ہمہ بیک جائے حاصل وموجود بودوے تنہا ہی است"۔

غور کرو اِس کوشش کے ساتھ کس قدر عربی الفاظ اب بھی باقی رہ گئے اور جن عربی الفاظ کا فارسی میں ترجمہ کیا وہ اس قدر نامانوس اور بیگانہ ہیں کہ عبارت معمّا ہو کر رہ گئی۔

عبارت کا مطلب یہ ہے کہ دو چیزوں میں جب تقدّم وتاخر ہوتا ہے۔ تو دو طریقہ سے ہوتا ہے۔ بلا واسطہ جس طرح ایک عدد، دو پر مقدم ہے۔ یا بواسطہ جس طرح مسافت میں آگا پیچھا ہوتا ہے۔ کہ گو ایک حصّہ کو مقدم اور دوسرے حصّہ کو مؤخر کہتے ہیں لیکن جہاں سے چاہیں مسافت کو شروع کر سکتے ہیں۔ اب قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی چیز میں بالطبع تقدم وتاخر ہوگا، ضرور ہے کہ اس میں مقدار ہو اور مقدار کے تمام اجزا مرتب ہوں۔ یہ بھی ضرور ہے۔ کہ ایسی چیز متناہی ہو۔

غور کرو بوعلی سینا کی عبارت سے کیا کوئی شخص یہ مطلب سمجھ سکتا ہے؟

فردوسی نے آغازِ کتاب میں مخلوقات کی پیدائش کی ابتدا، عناصر کا وجود، اُن کی ترتیب اور انقلابات لکھے ہیں۔

| | |
|---|---|
| از آغاز باید کہ دانی درست | سر مایۂ گوہراں از نخست |
| کہ یزداں زنا چیز چیز آفرید | بداں تا توانائی آمد پدید |
| وزو مایۂ گوہر آمد چہار | برآوردہ بے رنج وبے روزگار |
| نخستیں کہ آتش زجنبش وبید | زگرمیش بس خشکی آمد پدید |
| وزان پس زآرام سردی نمود | زسردی ہماں باز تری فزود |
| چو ایں چار گوہر بجائے آمدند | ز بہر سپنجی سرائے آمدند |
| گیا رست، با چند گونہ درخت | بزیر اندر آمد سراں شاں زبخت |
| ببالد ندارد حزیں نیروے | نہ پوید چو پوبندگاں ہر سوئے |
| نگہ کن بریں گنبد تیز گرد | کہ درماں ازوی ست وزوی ست درد |
| نہ گشتت زمانہ بفرسایدش | نہ ایں رنج وتیمار بگزایدش |
| نہ از گردش آرام گیرد ہمے | نہ چوں ما تباہی پذیرد ہمے |

یونانیوں کے نزدیک آفرینش کی ابتدا اور اس کی تاریخ یہ ہے۔ کہ خدا نے مادّہ پیدا کیا۔ مادّہ سے عناصر پیدا ہوئے۔ حرکت سے آگ پیدا ہوئی۔ آگ کی گرمی نے پیوست پیدا کی جس سے خاک کا وجود ہوا، پھر سکون کی وجہ سے رطوبت پیدا ہوئی۔ رطوبت نے پانی پیدا کیا۔ اس طرح چار عنصر پیدا ہوئے۔ پھر نباتات کا وجود ہوا۔ جن میں صرف نمو کی قوت ہے۔ متحرک بالارادہ نہیں۔

آسمان کی نسبت یونانیوں کا خیال تھا کہ وہ ابدی ہیں۔ اور امتداد زمانہ سے ان میں تغیّر اور زوال نہیں ہو سکتا، فردوسی نے ان مسائل کو ایسے سادہ اور صاف الفاظ میں ادا کیا ہے۔ کہ معمولی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اور یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ ان میں فلسفیانہ اصطلاحیں ہیں۔ لیکن درحقیقت سب فلسفہ کے خاص الفاظ ہیں۔ ان کے مقابل کے عربی الفاظ دیکھو۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| سرمایہ | مادّہ | توانائی | وجود |
| گوہر | عنصر | جنبش | حرکت |
| آرام | سکون | پوینده | متحرک بالارادہ |
| گشت | دوران | فرسودن | تغیّر |
| تباہی | فنا | | |

اس طرح اور بہت سے الفاظ ہیں۔ ہم نے صرف نمونہ دکھایا ہے۔

دوسری خصوصیت

(۲) ایشیائی تاریخوں کے متعلق عام شکایت ہے کہ ان میں بجز جنگ و خونریزی کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ یعنی وہ حالات بالکل نہیں ہوتے جن سے اس زمانہ کے ملکی معاملات اور قوم کی تہذیب و معاشرت کا حال کھل سکے۔ یہ شکایت بہت کچھ صحیح ہے لیکن شاہنامہ اس سے مستثنےٰ ہے۔ شاہنامہ اگرچہ بظاہر صرف رزمیہ نظم معلوم ہوتی ہے۔ لیکن عام واقعات کے بیان میں اس تفصیل سے ہر قسم کے حالات آتے جاتے ہیں۔ کہ اگر کوئی شخص چاہے تو صرف شاہنامہ کی مدد سے اُس زمانہ کی تہذیب و تمدن کا پورا پتہ لگا سکتا ہے۔ بادشاہ کیونکر دربار کرتا تھا۔ امراء کس ترتیب سے کھڑے ہوتے تھے۔ عرض معروض کرنے کے کیا آداب تھے۔ انعام و اکرام کا طریقہ کیا تھا۔ بادشاہ اور امراء کا درباری لباس کیا ہوتا تھا؟ قرابین اور توقیعات کیونکر اور کس چیز پر لکھے جاتے تھے۔ نامہ و پیام کا کیا انداز تھا۔

مجرموں کو کیوں کر سزائیں دی جاتی تھیں۔ بادشاہی احکام پر کیونکر نکتہ چینی کی جاتی تھی وغیرہ وغیرہ
شادیوں کے کیا مراسم تھے۔ جہیز میں کیا دیا جاتا تھا۔ عروسی کی کیا کیا رسمیں تھیں۔
دولھا اور دلہن کا کیا لباس ہوتا تھا، پیش خدمت، غلام، اور لونڈیوں کی وضع اور انداز کیا تھا۔
خط و کتابت کا کیا طریقہ تھا۔ کس چیز سے ابتدا کرتے تھے۔ خاتمہ کی کیا عبارت ہوتی
تھی۔ خطوط کس چیز پر لکھے جاتے تھے۔ اُن کو کیونکو بند کرتے تھے۔ کس چیز کی مہر لگاتے تھے۔
مالگزاری کے ادا کرنے کا کیا دستور تھا۔ زمینوں کی کیا تقسیم تھی، مالگزاری کی مختلف
شرحیں کیا تھیں ٹیکس کیا کیا تھے۔ کون کون سے لوگ ٹیکس سے معاف ہوتے تھے۔
یہ تمام باتیں شاہنامہ سے بہ تفصیل معلوم ہوتی ہیں۔ نمونہ کے طور پر ہم چند مثالیں
نقل کرتے ہیں۔

(۱) بیژن کی مہم میں کیخسرو نے رستم کو زابل سے بلایا ہے۔ اور اُس کے لئے باغ میں
دربار کیا ہے۔ دربار میں تخت زرّیں بچھایا گیا ہے۔ اس پر ایک مصنوعی درخت نصب
ہے۔ جس کا سایہ بادشاہ پر پڑتا ہے۔ درخت چاندی کا ہے۔ یاقوت کی شاخیں ہیں موتیوں
کے خوشے دانے ہیں۔ زرین ترنج اور سیب پھلے ہوئے ہیں۔ جو مجوّف ہیں۔ اور اُن کے
اندر مُشک کا بُرادہ ہے۔ ہوا جب چلتی ہے۔ تو مُشک جھڑتی ہے۔ اسی کے قریب قریب
وہ فرش تھا۔ جو حضرت عمر کے زمانہ میں ایران کی فتح میں آیا تھا)۔ ان تمام باتوں کو فردوسی
نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| در باغ بگشادہ سالار بار | نشستگہے ساخت بس شاہوار | | |
| بفرمود تا تاج زرّین و تخت | نہادند زیر گل افشاں درخت | | |
| درختے ز دند از برگاہ شاہ | کجا سایہ گستر و بر تاج و گاہ | | |
| تنش سیم و شاخش زیاقوت زر | بر و گونہ گوں خوشہ ہائے گہر | | |
| عقیق و زبرجد ہمہ برگ و بار | فرو ہشتہ از شاخ چوں گوشوار | | |
| ہمہ بار زرّیں ترنج و بہی | میانِ ترنج و بہی بُدتہی | | |
| بدو اندروں مشک سودہ بہ مے | ہمہ پیکرش سفتہ برسانِ نے | | |
| کرا شاہ برگاہ بنشاندے | بر او باد ازاں مشکِ بفشاندے | | |
| بیاید نشست او بہ زرّینہ تخت | بیسر برش ریزندہ مشک از درخت | | |

همه مے گساراں به پیش اندرا — همه بر سراں افسر از گوہرا
همه طوق بر سینهٔ و گوشوار — به بر بر همه جامهٔ زرنگار

(۲) افراسیاب نے جب اپنی بیٹی فرنگیس کی شادی سیاوش سے کی ہے۔ اور فرنگیس سیاوش کے گھر آئی ہے۔ تو اُس کی مہمانی اور عروسی کے ساز و سامان کو اس طرح بیان کیا ہے

بر گنج آنچه بُد اندروں نامدار — گزیدند زر بفت چینی هزار
زبرجد طبقها و فیروزه جام — پُر از نافهٔ مشک و پُر عود خام
دو افسر پُر از گوہر گوشوار — دو بارهٔ یکے طوق و دو گوشوار
زگستر و نیها شتر وار شصت — زر و بفت پوشیدنیها سه دست
یکے تخت زرّیں و کرسی چہار — سه نعلین زرّیں زبرجد نگار
پرستنده سی صد به زرّیں کلاه — زخوبیشاں نزدیک صد نیک خواه
پرستار با جام زرّیں و لیت — تو گفتی به ایواں دردں جائے نیست
همے صد طبق مشک و صد زعفران — همے رفت گلشہر با خواہران

اسفندیار کا تابوت رستم نے روانہ کیا تھا۔ تابوت کے مراسم دیکھو۔

یکے نغز تابوت کرد آہنین — بگسترد فرشے ز دیبائے چین
دراند و یک روئے آہن به قیر — پراگند بر قیر مشک و عبیر
وزاں پس که پوشید روشن برش — ز پیروزه بر سر نہاد افسرش
چہل اُشتر آورد رستم گزیں — ز بالا فرد ہشته دیبائے چیں
یکے اشترے زیر تابوت شاه — چپ و راست اشتر پس اندر سپاه
پشوتن همے رفت پیش سپاه — بریده فش دُوم اسپ سیاه
برو بر نهاده نگونسار زیں — زریں اندر آویخته گرز رکیں
همان نامور خود و خفتان اوے — همان ترکش و مغفر جنگجوئے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں کسی امیر کا جنازہ نکلتا تھا۔ تو لوہے کے تابوت میں رکھ کر لے جاتے تھے۔ تابوت کے ایک رُخ کو سیاہ رنگ سے رنگ دیتے تھے۔ پھر اُس پر مشک و عنبر چھڑکتے تھے۔ میت کو کپڑے پہناتے تھے۔ اور سر پر تاج رکھتے تھے۔ تابوت کو اونٹ پر محمل میں رکھتے تھے، اور اُس کے دائیں بائیں اور بہت سے اونٹ ساتھ

چلتے تھے، پیچھے فوج ہوتی تھی۔ میت کی سواری کا گھوڑا ساتھ ہوتا تھا۔ اُس کی ایالی اور دُم کاٹ دیتے تھے۔ زین الٹ کر رکھتے تھے، میت کے اسلحۂ جنگ زین پر لٹکتے چلتے تھے۔

تیسری خصوصیت

(۳) ایشیائی شعراء کا عام قاعدہ ہے کہ کسی داستان کے بیان کرنے میں حسن و عشق کا کہیں اتفاقی موقع آجاتا ہے۔ تو اس قدر پھیلتے ہیں کہ تہذیب و متانت کی حد سے کوسوں آگے نکل جاتے ہیں **نظامی** اور جامی جیسے مقدس لوگ اس حمام میں آکر ننگے ہو جاتے ہیں لیکن فردوسی باوجود اس کے کہ اس کو تقدس کا دعویٰ نہیں ایسے موقعوں پر آنکھ نیچی کئے ہوئے آتا ہے۔ اور صرف واقعہ نگاری کے فرض کے لحاظ سے ایک سرسری غلط انداز نگاہ ڈالتا ہوا گزر جاتا ہے۔ بیژن اور منیژہ کی صحبت عیش کو جہاں لکھا ہے۔ لکھتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| نشستنگہ رد دو مے ساختند | | زبیگانہ خرگہ بپرداختند | |
| پرستندگان ایستادہ بہ پائے | | ابا بربط و چنگ و رامش سرائے | |
| بہ دیبا زمیں کردہ طاؤس رنگ | | ز دینار و دیبا چو پشت پلنگ | |
| چہ از مشک و عنبر چہ یاقوت و زر | | سراپردہ آراستہ سر بسر | |
| مے سالخوردہ بہ جام بلور | | برآوردہ با بیژن گیو زور | |
| سہ روز سہ شب شاد بودہ بہم | | گرفتہ بر او خواب مستی ستم | |

زال اور رودابہ کے عاشقانہ اختلاط میں زیادہ پھیلا ہے۔ پھر بھی یہ رنگ ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| گرفت آن زمان دست دستان بدست | | برفتند ہر دو بکردار مست | |
| سوئے خانۂ زرنگار آمدند | | بداں مجلس شاہوار آمدند | |
| شگفت اندراں ماہ بد زال زر | | بداں روئے و بالا داں موئے و فر | |
| دو رخسارہ چوں لالہ اندر چمن | | سر جعد زلفش شکن در شکن | |
| ز دیدنش رودابہ مے نارمید | | بہ دزدیدہ دروے ہمے بنگرید | |
| ہمے بود بوسہ و کنار و نبید | | نگر شیر[1] کو گور را نشکرید | |

چوتھی خصوصیت

(۴) عام خیال ہے کہ فردوسی بزم اچھی نہیں لکھتا بے شبہ یوسف زلیخا میں اس کی شاعری کا رتبہ بہت گھٹ گیا ہے لیکن یہ اس کے رنج و غم اور دل شکستگی کا زمانہ تھا جب اس کے تمام جذبات افسردہ ہو چکے تھے۔ یوسف زلیخا لکھتے سے اس کا مقصد

[1] یعنی دیکھو شیر نے گورخر کو پاکر شکار نہیں کیا۔

صرف مذہبی جماعت کو خوش کرنا تھا۔ جو اتنی بات پر فردوسی سے ناراض تھے کہ اس نے مجوسیوں کی مدح وثنا میں کیوں اس قدر اوقات صرف کی، لیکن شاہنامہ میں جہاں جہاں بزم کا موقع آیا ہے۔ شاعری کا چمن زار نظر آتا ہے۔

زال رودابہ پر عاشق ہوا ہے۔ اس کے شوق میں گھر سے نکلا ہے۔ اس کو خبر ہوتی ہے۔ وہ لب بام آکر کھڑی ہوتی ہے۔ زال کوٹھے کے برابر آکر اوپر جانے کی تدبیریں سوچتا ہے۔ رودابہ اپنی چوٹی کھول کر لٹکا دیتی ہے۔ کہ اس کے سہارے چڑھ آؤ۔ زال زلف کو بوسہ دیتا ہے۔ اور کمند ڈال کر کوٹھے پر اُڑتا ہے۔ دونوں مل جل کر بیٹھتے ہیں۔ لطف ومحبت کی باتیں ہوتی ہیں، شراب کا دور چلتا ہے۔ یہ سماں دیکھو، کس طرح دکھایا ہے۔

سپہبد سوئے کاخ بنہاد روے ... چناں چوں بود مردم جفت جوے

برآمد سیہ چشم گل رخ بہ بام ... چو سرو سہی بر سرش ماہ تام

چو از دور دستان سام سوار ... پدید آمد آں دخت نامدار

دو بیجادہ بکشاد و آواز داد ... کہ شاد آمدی اے جواں مرد شاد

پریروی گفت و سپہبد شنود ... ز سر شعر گلستاں بکشاد زود

کمندی کشاد او ز سرو بلند ... کس از مشک زاں سان نپیچد کمند

خم اندر خم و مار بر مار بود ... براں عنبر بن تار بر تار بود

فرو ہشت گیسو ازاں کنگرہ ... کہ باز پدو شد تا بہ بن یکسرہ

پس از بارہ رودابہ آواز داد ... کہ اے پہلواں بچہ گرد زاد

بگیر ایں سر گیسو از یک سویم ... ز بہر تو باید ہمے گیسویم

بداں پرورانیدم ایں تار را ... کہ تا دستگیری کند یار را

نگہ کرد زاں اندراں ماہروے ... شگفتی بماند اندراں رود موے

بسائید مشکیں کمندش بہ بوس ... کہ بشنید آواز بوسش عروس

چنیں داد پاسخ کہ ایں نیست داد ... چنیں روز خورشید روشن مباد

کمند از رہی بستد و داد خم ... بیفگند بالا، نزد، ہیچ دم

بہ حلقہ درآمد سر کنگرہ ... برآمد ز بن تا بسر یکسرہ

چو بر بام آں بازہ نشست باز ... بیامد پریروے و بردش نماز

(آگے کے اشعار اوپر گذر چکے)

تم کہو گے کہ رودابہ نے زال کو کہیں جوان مرد، کہیں پہلوان بچہ کہہ کے خطاب کیا ہے اور خود فردوسی رودابہ کی تعریف میں بالا اور فرد وغیرہ الفاظ استعمال کرتا ہے۔ حالانکہ بزم کی لطافت اور نزاکت ان الفاظ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ لیکن یہ فردوسی کی نکتہ سنجی اور بلاغت شعاری کی دلیل ہے۔ اس کو معلوم ہے کہ وہ کابل وزابلستان کے محبوب کا ذکر کر رہا ہے۔ لکھنؤ کا نہیں، وہاں کے لوگ آج بھی اپنے پیارے اور چہیتے کی نسبت یہی الفاظ بولتے ہیں، کابل کا معشوق لکھنؤ کی طرح دھان پان نہیں ہوتا بلکہ بالیدہ قامت پر اندام، اور تنومند ہوتا ہے۔ اس لئے بالا اور فرکا لفظ وہاں کے معشوق کی اصلی تصویر ہے۔

**بیژن** جب افراسیاب کی سرحد میں پہنچا ہے۔ تو گرگین نے اس سے بیان کیا کہ یہاں سے پاس ایک مرغزار ہے۔ جہاں سال میں ایک دفعہ افراسیاب کی بیٹی منیزہ سہیلیوں کے ساتھ سیر کو آتی ہے۔ اور ہفتوں رہتی ہے۔ دیکھو **فردوسی** نے اس موقع پر مرغزار کی بہار اور پریرویوں کے جھرمٹ کی تصویر کس طرح کھینچی ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| ہمہ بیشہ، و باغ و آب روان | یکے جایگاہ از در پہلواں | | |
| زمیں پرنیاں و ہوا مشک بوئے | گلا بست گوئی مگر آب جوئے | | |
| خم آوردہ از بار شاخ سمن | صنم شد گل و گشت بلبل ثمن | | |
| خراماں بہ گرد گلاں بر، تدرو | خروشیدن بلبل از شاخ سرو | | |
| پریچہرہ بینی ہمہ دشت و کوہ | بہر سو بہ شادی نشستہ گروہ | | |
| ہمہ درخت ترکان پوشیدہ روئے[1] | ہمہ سرو قد و ہمہ مشک بوئے | | |
| ہمہ رخ پر از گل، ہمہ چشم خواب | ہمہ لب پر از مے بہ بوئے گلاب | | |

اخیر شعر پر غور کرو "ہمہ چشم خواب" کے مبالغہ اور بے ساختگی پر متاخرین کے ہزاروں تکلفات اور مضمون آفرینیاں نثار ہیں۔

ایک اور موقع پر ایک پری چہرہ کی تصویر کھینچتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| دو ابرو کمان و دو گیسو کمند | بہ بالا بہ کردار سرو بلند | | |
| دو برگ گلش سوسن مے سرشت | دو شمشاد عنبر فروش از بہشت | | |

[1] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پردہ کی رسم ایرانیوں میں بھی قدیم سے ہے۔

| | |
|---|---|
| بناگوش تا بندہ خورشید دار | فروہشتہ زو حلقۂ گوشوار |
| لباں از طبرزد زباں از شکر | دہانش مکلل بہ دُرِ دگر |

ان سادہ اور فطری مبالغوں کو دیکھو "لباں از طبرزد زباں از شکر"۔
لیکن یہ نہ سمجھنا کہ وہ مضمون آفرینی اور خیال بندی کے تکلفات سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ اس انداز میں بھی وہ کسی سے کم نہیں۔

| | |
|---|---|
| بہ دنبال چشمش یکے خال بود | کہ چشم خودش ہم بہ دنبال بود |

**سہراب** نے جب ایران کی سرحد میں پہنچ کر قلعہ سپید کا محاصرہ کیا ہے۔ تو قلعہ سے ایک عورت مردانہ لباس پہن کر نکلی ہے۔ اور سہراب سے جنگ آزما ہوئی ہے۔ دیر تک ردّ و بدل کے بعد سہراب نے اس کو گرفتار کیا۔ جب چہرے سے ہٹی تو معلوم ہوا کہ عورت ہے۔ سہراب فریفتہ ہوگیا۔ لیکن عورت فریب دے کر نکل گئی۔ سہراب اب سپہ گری چھوڑ کر عشق کا دم بھرنے لگا، دیکھو فردوسی اس کے نالۂ وزاری کو کس طرح ادا کرتا ہے۔

| | |
|---|---|
| ہمے گفت ازاں پس دریغا دریغ | کہ شد ماہِ تابندہ در زیر میغ |
| غریب آہوے آمدم در کمند | کہ از بند جستم و مرا کرد بند |
| عجب ہرن میری کمند میں آیا | کہ خود چھوٹ کر نکل گیا اور مجھکو قید میں ڈال گیا |
| زہے چشم بندے کہ آں پُرفسوں | بہ تیغم نہ خست و مرا ریخت خوں |
| اس شعبدے کو دیکھو کہ اس جادوگر نے | مجھ کو تلوار نہیں ماری لیکن میں قتل ہوگیا |
| ندانم چہ کرد آں فسوں گر بہ من | کہ ناگہ مرا بست راہِ سخن |
| بہ زاری مرا خود بباید گریست | کہ دلدار خود را نہ دانم کہ کیست |
| ہمے گفت و میسوخت از غم بسے | نمے خواست رازش بداند کسے |
| ولے عشق پنہاں نماند کہ راز | بمُردم نماید ہمے اشک باز |
| غم جاں برآرد خروش از دروں | اگرچند عاشق بود ذو فنون |

ان شعروں میں عشقیہ شاعری کی تمام ادائیں موجود ہیں۔ استعارات اور تشبیہات کا بھی ہلکا سا رنگ ہے۔ شاعرانہ ترکیبیں بھی ہیں۔ ع کہ از بند جستم و مرا کرد بند۔ ع بہ تیغم نہ خست و مرا ریخت خوں۔ یہ سب کچھ ہے۔ لیکن فردوسی اس بات کو نہیں بھولا کہ وہ سہراب کی داستان لکھ رہا ہے۔ محمد شاہ واجد علی شاہ کی نہیں۔ اس لئے فوراً

سہراب کو ہومان کی زبان سے نصیحت کرتا ہے۔ اور دیکھو ایک حوصلہ مند فاتح کی نصیحت کا کیا انداز ہے۔

ازاں کار ہومان نبودش خبر — کہ سہراب را ہست خوں در جگر
دلے از فراست بدل نقش بست — کہ اورا پرستیانیے داد دست
بہ دام کسے پائے بند آمدہ است — ز زلف بتے در کمند آمدہ است
نہاں مے کند در دو خونین دل است — ہوس میرود راہ و پا در گل است
یعنی ہوس میرود ۱۲
یکے فرصتے جست و گفتش بہ راز — کہ اے شیر دل گرد گردن فراز
فریب پری پیکران جوان — نخواہد کسے کو بود پہلوان
نہ رسم جہانگیری و سروری است — کہ از مہر ماہے بیاید گریست
ز تورانؔ بہ کارے بروں آمدیم — شناور بدریائے خون آمدیم
اگر چند ایں کار با شد بہ کام — وے ہست در پیش رنجے تمام
بیاید شہنشاہ کاؤس وطوس — چو رستم کہ بر شیر دارد فسوس
ہر چند ۱۲

پھر بہت سے ایرانی پہلوانوں کے نام گنا کر کہتا ہے۔

توئی مرد میدان ایں سروراں — چہ کارت بہ عشق پری پیکراں
تو کارے کہ داری نہ بردی بسر — چرا دست بازی بہ کار دگر
بہ نیروے مردی جہاں را بگیر — ز شاہاں بدست آر تاج و سریر
چو کشور بدست تو آید فراز — بہر جائے خوباں برندت نماز
ازاں گفتنہ سہراب بیدار شد — دلش بستۂ بند پیکار شد
بگفت اے سرنامداران چیں — بگفتار خوبت ہزار آفریں
شد ایں گفت تو داروے جان من — کنوں با تو نوگشت پیمان من
جہاں را سراسر چہ خشک و چہ آب — در آرم بفرمان افراسیاب
بگفت ایں و دل راز دلبر بکند — بر آمد بر افراز تخت بلند

دیکھو ایک شجاع دام عشق میں اتفاقاً پھنس بھی جاتا ہے۔ تو کس طرح جلد چھوٹ کر نکل جاتا ہے۔ فردوسی نے موقع پاکر عشقیہ شاعری کا کمال بھی دکھلا دیا۔ اور پھر متانت اور شائستگی کا سر رشتہ کہیں ہات سے نہ چھوٹا۔ متاخرین بلکہ نظامی و سعدی کو بھی اتنا

سہلا بات آجاتا تو خدا جانے کہاں سے کہاں نکل جاتے۔

پانچویں خصوصیت

(۵) شاعری کا اصل کمال واقعہ نگاری اور جذبات انسانی کا اظہار ہے۔ ان دونو باتوں میں وہ تمام شعراء کا پیش رو اور امام ہے۔ وہ جس واقعہ کو لکھتا ہے۔ اُس کے تمام جذئیات اور گرد و پیش کے ہر قسم کے حالات اور واقعات ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر پیدا کرتا ہے۔ پھر اُن کو اس خوبی کے ساتھ ہُو بہُو ادا کرتا ہے۔ کہ واقعہ کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ اور شعرا یا تو واقعہ کے متعلق چھوٹی چھوٹی باتوں پر نظر ڈالنا ضروری نہیں سمجھتے یا سمجھتے ہیں لیکن طبیعت، فطرت شناس نہیں ہوتی۔ اس لئے باریک باتوں پر نظر نہیں پڑتی یا پڑتی ہے لیکن زبان پر قدرت نہیں کہ جوں کا توں ادا کریں اس لئے یا بات کو بدل کر کہتے ہیں۔ یا استعارات و تشبیہات کے دامن میں پناہ لیتے ہیں تم دیکھتے ہو کہ فردوسی استعارہ کے پاس ہو کر نہیں نکلتا، تشبیہیں وہی پاس پاس کی لیتا ہے۔ مجاز کو بہت کم ہات لگاتا ہے۔ اس کی یہ وجہ نہیں کہ وہ ان باتوں میں قاصر ہے۔ بلکہ وہ جانتا ہے کہ یہ چیزیں واقعہ کے چہرہ پر نقاب ڈال دیتی ہیں۔ اور اس کا اصلی خط و خال نظر نہیں آتا، غور کرو۔ یہ لکھنا مقصود ہے کہ خاقان چین ہاتھی پر ہے۔ رستم نے کمند پھینکی اور اس کو گرفتار کر کے ہاتھی سے ٹپک دیا۔ فردوسی اس کو اس طرح ادا کرتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| چو از دست رستم رہا شد کمند | سر شہریار اندر آمد بہ بند | | |
| زپیل اندر آورد و زد بر زمیں | بہ بستند بازوے خاقان چیں | | |

نظامی کو اسی قسم کا موقع پیش آتا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| کمند عدو بند را شہریار | بینداخت چوں چنبر روزگار | | |

بے شبہ عدو بند کے لفظ سے جملہ کی ترکیب چست ہو گئی" چنبر روزگار" کی تشبیہ نے بھی ندرت پیدا کی۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن سننے والے پر یہ اثر ہوا کہ اصل واقعہ کے بجائے اس کی توجہ الفاظ اور تشبیہ کی طرف متوجہ ہو گئی اور کمند میں گرفتار ہونے کی اصلی حالت سامنے نہ آسکی، یہی نکتہ ہے کہ فردوسی واقعات اور جذبات کے بیان کرنے میں استعارات اور تشبیہات وغیرہ سے بہت کم کام لیتا ہے۔ اور جب اس کو طباعی اور انشاء پردازی کا زور دکھانا ہوتا ہے۔ تو دوسرے موقعے تلاش کرتا ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

واقعہ نگاری کے دقیق نکتوں پر اس کی نظر جس طرح پڑتی ہے۔ اس کی ایک دو

مثالیں ہم لکھتے ہیں۔

پہلواں جب جوش شجاعت میں لبریز ہوتا ہے۔ تو اکثر یہ ہوتا ہے، کہ لڑائی بھڑائی کچھ نہیں۔ تنہا بیٹھا ہے۔ لیکن آپ ہی آپ بھپر اٹھتا ہے۔ اور جوش میں آپے سے باہر ہوا جاتا ہے۔ **سہراب** جب ایرانی فوج کے ایک ایک سردار پر نظر ڈال کر ہجیر سے اُن کا نام و نشان پوچھتا ہے۔ تو اس کی نظر رستم پر بھی پڑتی ہے۔ اور ہجیر سے کہتا ہے۔ یہ کون شخص ہے۔ جس کی یہ حالت ہے کہ

| | |
|---|---|
| بخود ہر زماں بر خروشد ہمے | تو گوئی کہ دریا بجوشد ہمے |
| آپ ہی آپ بپھر رہا ہے۔ | اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا دریا جوش مارتا ہے |

ایک جسیم اور تنا ور پہلوان کبھی تخت پر بیٹھا ہوتا ہے۔ تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سارے تخت پر چھایا جاتا ہے۔ اس حالت کو فردوسی نے اُس موقع پر جب رستم سہراب کے دیکھنے کو گیا ہے۔ اور سہراب تخت پر بیٹھا ہوا اپنے پہلوانوں سے باتیں کر رہا ہے۔ اس طرح ادا کیا ہے۔ ع تو گفتی ہمہ تخت سہراب بود۔

**سہراب** نے کیکاؤس کے خیمہ کے پاس جاکر برچھی سے خیمہ کی میخیں اکھاڑ کر پھینک دی ہیں۔ فردوسی اس واقعہ کو اس طرح ادا کرتا ہے۔

| | |
|---|---|
| ازاں پس بجنبید از جائے خویش | بہ نزدیک پردہ سرا رفت پیش |
| خم آورد پشت دسنان ستیغ | بزد تند و برکند ہفتاد میخ |
| سراپردہ یک بہرہ آمد زپای | ز ہر سو برآمد دم کرّہ نای |

عام شعرا اگر اس واقع کو لکھتے تو صرف اس پر قناعت کرتے کہ سہراب نے میخیں اکھاڑ کر پھینک دیں، لیکن یہ خصوصیات کہ "وہ جھکا، جھک کر زور سے نیزہ مارا، ستر میخیں اکھاڑ کر پھینک دیں"۔ خیمہ کا ایک حصہ گر پڑا" نظر انداز کر جاتے، حالانکہ واقعہ کی تصویر کھینچنے کے لئے ان تمام باتوں کا ادا کرنا ضروری ہے۔

اسی تفصیلی واقعہ نگاری کی بدولت ہم کو بہت سے ایسے محاوروں تک رسائی ہوتی ہے جو یوں کبھی عام طریقۂ بیان میں نہیں آسکتے تھے۔

مثلاً سہراب نے جب رستم کو گرزمارا ہے۔ تو رستم تلملا جاتا ہے مگر ضبط سے کام لیتا ہے۔ اور سہراب پر ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ اس واقعہ کو اردو کا محاورہ داں صرف اس

لفظ سے ادا کرے گا کہ "پی گیا"۔ فردوسی نے بھی صرف محاورے سے کام لیا۔ چنانچہ کہتا ہے۔ ع
**بہ پیچید و درد از دلیری بخورد**، رستم ایک معرکہ میں صرف کمند ہات میں لے کر گیا ہے حریف سے سوال جواب ہوئے تو اس نے طنز سے کہا "اس دھلگے کے بل پر بہت نہ اتراؤ"۔ فردوسی اس طنزیہ محاورہ کو بعینہ اسی طرح ادا کرتا ہے۔

| | |
|---|---|
| بدو گفت ہومان کہ چندیں مدم | بہ نیروئے ایں رشتہ شصت خم |

واقعہ نگاری کی مثالوں سے تمام شاہنامہ بھرا پڑا ہے۔ ہم نمونہ کے طور پر ایک مختصر لیکن مسلسل داستان یہاں نقل کرتے ہیں۔

یہ وہ موقع ہے کہ **سہراب** ایک ایرانی پہلوان کو لے کر کیکاؤس کے لشکر گاہ کو دیکھنے چلا ہے۔ فوجیں اپنے اپنے افسروں کے ساتھ الگ الگ ساز و سامان سے آراستہ ہیں۔ سہراب ایک ایک پر نگاہ ڈالتا جاتا ہے۔ اور ہر ایک کا نام و نشان پوچھتا ہے۔ ایرانی پہلوان جواب دیتا ہے۔

| | |
|---|---|
| بدو گفت کز تو بپرسم ہمہ | ز گردن کشاں و ز شاہ و رمہ |
| سراپردۂ پیرۂ رنگ رنگ | بدو اندروں خیمہ ہائے پلنگ |
| بہ پیش اندروں (خواب) بستہ صد ژندہ پیل | یکے تخت پیروزہ برساں نیل |
| یکے زرد خورشید پیکر درفش (قوی) | سرش ماہ زریں، غلافش بنفش (فیروزہ) |
| بہ قلب سپاہ اندروں جائے کیست | ز گردان ایران و را نام چیست |
| بدو گفت کاں شاہ ایراں بود | کہ بر درگہش پیل و شیراں بود |
| وزاں پس بدو گفت کز میمنہ | سواران بسیار و پیل و بنہ |
| سراپردۂ برکشید سیاہ | زدہ گردش اندر مستادہ سپاہ |
| بگرد اندرش خیمہ ز اندازہ بیش | پس پشت پیلان و شیراں بہ پیش |
| زدہ پیش او پیل پیکر درفش | بہ نزدش سواران زرینہ کفش |
| چہ باشد ز ایرانیاں نام اوے | بگو تا کجا باشد آرام اوے |
| چنیں گفت کاں طوس نوذر بود | درفشش کجا پیل پیکر بود |
| بپرسید کاں سرخ پردہ سرائے | یکے لشکرے کش پیشش بپائے |
| یکے شیر پیکر درفش بنفش | درافشاں (وہی) گہر درمیاں درفش |

۱۔ خورشید کو وہ سونے کا ...

پس پشتش اندر سپاہی گراں — ہمہ نیزہ داران جوشن وراں
چنیں گفت کاں فرّ آزادگاں — سپہدار گودرز کشوادگاں
سپہ کش بود گاہ کینہ دلیر — دو چل پور دارد چو پیل و چو شیر

اب رستم کی باری آتی ہے۔

دگر گفت کاں سبز پردہ سرائے — بزرگان ایراں بہ پیشش بپائے
یکے تخت پُر مایہ اندر میاں — زدہ پیش او اختر کاویاں
بر او بر نشستہ یکے پہلواں — ابا فرّ و با سفت و یال گواں
ازاں کس کہ بر پائے پیشش بر است — نشستہ بیک سر ازو برتر است
جو شخص سامنے کھڑا ہے — رستم کا قد اس سے بیٹھنے کی حالت میں بھی نکلتا ہوا ہے
بہ ایران نہ مردے بہ بالائے او — کمندے فروہشتہ تا پائے او
درفشش ببیں اژدہا پیکر است — براں نیزہ بر شیر زرّیں سر است
بخود ہر زماں بر خرد شد ہمے — تو گوئی کہ دریا بجوشد ہمے
کہ باشد؟ بنام آں سوار دلیر — کہ ہر دم ہمے بر خروشد چو شیر

ہجیر نے رستم کا نام بدل کر بتایا۔ سہراب اب اور افسروں کا حال پوچھتا ہے۔

وزاں پس بپرسید کز مہتراں — کشیدہ سرا پردۂ بر گراں
سواران لبسیار و پیلاں بپائے — بر آید ہمے نالۂ کرّ نائے
میانِ سرا پردہ تختے زدہ — ستادہ غلاماں بہ پیشش رودہ
ز ایران بگو نام آں مرد چیست — کجا جائے دارد نژاوش ز کیست
چنیں گفت کاں پور گودرز کیو — کہ خوانند گردان درا، گیو نیو
ز گودرز یاں بہتر و مہتر است — بہ ایران سپہ بر دو بہرہ سر است
بدو گفت زاں سو کہ تابندہ شہد — بر آید، یکے پردہ بینم سپید
ز دیبائے رومی بہ پیشش سوار — رودہ بر کشیدہ فزوں از ہزار
پیادہ سپر دارد نیزہ وراں — شدہ انجمن لشکرے بیکراں
ز دیبا فروہشتہ زیبا جلیل — غلام ایستادہ رودہ خیل خیل
نشستہ سپہدار بر تخت عاج — نہادہ براں عاج کرسی ساج

| | | | |
|---|---|---|---|
| چہ نام است اورا ز نام آوراں | | سپہبد نشراوست یا سروراں | |
| بدو گفت کورا فرا بر ز خواں | | کہ فرزند شاہ است و تاج گواں | |
| بدو گفت سہراب کیں درخور است | | کہ فرزند شاہ است و با افسر است | |

واقعہ نگاری جب اس حد تک پہنچ جاتی ہے۔ تو اُس کو مرقع نگاری یعنی آج کل کے محاورہ میں سین دکھانا کہتے ہیں۔

چھٹی خصوصیات

جذبات | رزمیہ میں درد و غم کے اظہار کا کم موقع پیش آتا ہے۔ اور آئے بھی تو بلاغت یہ ہے کہ اس کو زیادہ پھیلایا نہ جائے، تاہم کہیں کہیں اس کا موقع پیش آگیا ہے۔ تو فردوسی نے اس میں بھی کمال دکھایا ہے۔ سہراب کے مرنے کی خبر سُن کر اُس کی ماں کی جو حالت ہوئی ہے۔ اور جس طرح اُس نے نالۂ وزاری کی ہے۔ اس کو اس طرح ادا کرتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| خروشید و جوشید و جامہ درید | | بہ زاری براں کودک نارسید (نوجوان) | |
| بر آورد بانگ و غریو و خروش | | زماں تا زماں زو ہمے رفت ہوش | |
| فرو برد ناخن دو دیدہ بہ کند (سیدم) | | بر آورد و بالا در آتش فگند | |
| مر آں زلف چوں تاب دادہ کمند (آنکھیں نکال ڈالیں) | | بہ انگشت پیچیدہ و از بن بکند | |
| بہ سر بر فگند آتش و بر فروخت | | ہمہ موئے مشکیں بہ آتش بسوخت | |
| ہمے گفت کاے جان مادر! کنون | | کجائی؟ سرشتہ بخاک و بخوں | |
| دو چشمم بہ رہ بود گفتم مگر | | ز سہراب ورستم بیابم خبر | |
| چہ دانستم اے پور کاید خبر | | کہ رستم بخنجر دریدت جگر | |
| در نغیش نیامد ازاں روے تو | | ازاں بر زو بالاؤ بازوے تو | |
| بپروردہ بودم تنش را بہ ناز | | بہ رخشندہ رو روشناں دراز | |
| کنوں آں بخوں اندروں غرقہ گشت | | کفن بر تن پاک او خرقہ گشت | |
| کنوں من کرا گیرم اندر کنار | | کہ خواہد بدن مرمرا غمگسار | |
| پدر جستی اے گرد لشکر پناہ | | بہ جاے پدر گورت آمد براہ | |
| چرا نامدم با تو اندر سفر | | کہ گشتی بہ گرد ان گیتی سمیر (مشہور پہاڑ) | |
| مرا رستم از دور بشناختے | | ترا با من اے پور بنواختے | |
| ببیند اختے تیغ آں سرفراز | | نکردے جگر گاہت اے پور باز | |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ہمے گفت و مے خست و مے کند موئے | | ہمیزو کف دست بر خوب روئے | |
| زخوں او ہمے کرد لعل آب را | | بہ پیش آوریدا سپ سہراب را | |
| سر اسپ او ابہ بر در گرفت | | بماندہ جہانے در او در شگفت | |
| گہے بوسہ زو بر سرش گہ بر دے | | زخوں زیر سمش ہمے راند جوئے | |
| بیاورد آں جامۂ شاہوار | | گرفتش چو فرزند اندر کنار | |
| بیاورد خفتان و درع و کمان | | ہماں نیزۂ و تیغ و گرز گراں | |
| بسر بر ہمے زد گراں گرز را | | ہمے یاد کرد آں بر و بر زرا | |
| بیاورد زین و لگام و سپر | | لگام و سپر را ہمے زد بسر | |

سہراب کی ماں نے جو کچھ کہا ہے۔ کس قدر سچ اور کس قدر پُر تاثیر ہے۔ سہراب کے گھوڑے کو گود میں لینا، اس کے ہاتھ پاؤں چومنا، سہراب کے کپڑوں کو بچہ کی طرح آغوش میں لینا۔ ہتھیاروں کو سر پر مارنا، کس قدر اصلی حالت کی سچی تصویر ہے۔

**بیژن**، ایرانی پہلوان تھا، افراسیاب کی لڑکی **منیژہ** اس پر عاشق ہو گئی۔ اور چوری سے لے جا کر گھر میں رکھا۔ جب افراسیاب کو خبر ہوئی۔ تو اُس سے بیژن کو ایک کنوئیں میں قید کر دیا۔ اور منیژہ کو گھر سے نکال دیا۔ منیژہ بیژن کی تیمارداری اور خبر گیری کرتی تھی۔ رستم بیژن کے چھڑانے کو سوداگر بن کر گیا۔ اور توران پہنچ کر تجارت کے سامان پھیلائے منیژہ کو خبر ہوئی دوڑی ہوئی آئی اور رستم سے بیژن کے حالات بیان کئے۔ رستم نے اس خیال سے کہ راز فاش نہ ہو جائے۔ منیژہ کو جھڑک دیا کہ میں بیژن ویژن کو کچھ نہیں جانتا۔ منیژہ دل شکستہ ہو کر کہتی ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| بہ رستم نگہ کرد و بگریست زار | | زخواری ببارید خوں در کنار | |
| بدو گفت کا ے مہتر پُر خرد | | ز تو سرد گفتن نہ اندر خورد | |
| رستم سے کہا کہ اے سردار | | اس طرح رکھائی سے جواب دینا آپکے شایان نہیں | |
| سخن گر نہ گوئی مرانم زپیش | | کہ من خود دلے دارم از درد ریش | |
| اگر بات نہیں کرتے تو نہ کرو لیکن مجھ کو لہد پڑتے کیوں ہو | | میرا دل تو خود مصیبت سے زخمی ہو رہا ہے | |
| چنیں باشد آئین ایراں مگر | | کہ درویش را کس نہ گیرد خبر | |
| کیا ایران کا یہی دستور ہے۔ | | کہ لوگ غریبوں سے بات نہیں کرتے | |

| | | | |
|---|---|---|---|
| زدی بانگ برمن چو جنگ آوراں | | نہ ترسی تو از داور داوراں | |
| مجھ کہ پہلوانوں کی طرح ڈانٹ بتاتے ہو | | تم کو بادشاہوں کے بادشاہ کا کچھ ڈر نہیں | |
| منیژہ منم دخت افراسیاب | | برہنہ ندیدہ تنم آفتاب | |
| کنوں دیدہ پُر خون و دل پُر ز درد | | ازیں در بداں در دو رخسارہ زرد | |
| برائے یکے بیژن شور بخت | | فتادم ز تاج و فتادم ز تخت | |

اختصار اور زور | بلاغت کے نکتہ شناس جانتے ہیں، کہ کسی واقعہ کے بیان کرنے میں جب حد سے زیادہ زور دینا مقصود ہوتا ہے۔ تو لمبی چوڑی تمہید اور تفصیل وہ کام نہیں دیتی جو ایک پُر زور مختصر جملہ کام دیتا ہے۔ قرآن مجید میں اوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ غشیھم من الیم ما غشیھم میں جو بات ہے وہ سینکڑوں جملوں سے ادا نہیں ہو سکتی۔ روم کے فاتح کا مشہور جملہ تم نے سُنا ہوگا "میں آیا، میں نے دیکھا، میں نے فتح کیا" شاہنامہ میں اس کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں۔ سہراب کی پُر درد داستان اس شعر سے شروع کی ہے

| | | | |
|---|---|---|---|
| کنوں جنگ سہراب و رستم شنو | | دگر ہا شنو دستی ایں ہم شنو | |

صرف "ایں ہم" نے جو بات پیدا کی وہ ہزاروں تمہید سے نہیں پیدا ہو سکتی تھی۔ رستم افراسیاب کو خط لکھتا ہے۔ اور تہدید کے وسیع مضمون کو ایک مصرعہ میں ادا کرتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| دگر نہ بکام من آمد جواب | | من و گرز و میدان و افراسیاب | |

نظامی نے اپنے فخریہ میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے ہیں۔ لیکن فردوسی کے دو مصرع سب پر بھاری ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| بسے رنج بردم دریں سال سی | | عجم زندہ کردم، دریں پارسی | |

رستم کی مار دھاڑ ہنگامہ آرائی اور قتال و جدال کا سماں صرف چار مصرعوں میں دکھایا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| بروز نبرد آں یل ارجمند | | بہ شمشیر و خنجر بہ گرز و کمند | |
| دریدو برید و شکست و بہ بست | | بلاں را سر و سینہ و پا و دست | |

صلاح و مشورہ کے لئے لوگ جمع ہوئے ہیں۔ اسی میں کھانا بھی سامنے آگیا ہے۔ لوگ کھا پی کر اٹھ کھڑے ہوئے، اس کو اس طرح ادا کرتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| پے مشورہ مجلس آراستند | | نشستند و گفتند و برخاستند | |

آٹھویں خصوصیت

(۸) صنائع بدائع شاعری کے زوال کا پیش خیمہ ہیں۔ اس لئے فردوسی کے کلام میں اس کو ڈھونڈھنا نہیں چاہیئے۔ لیکن جو محاسن شاعری ضمناً کسی صنعت میں آجاتے ہیں۔ اس کے کلام میں پائے جاتے ہیں، اور اعلیٰ درجہ پر پائے جاتے ہیں۔ مثلاً لف و نشر مرتب۔

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| | بہ روزِ نبرد آں یلِ ارجمند | | بہ شمشیر و خنجر بگرزِ کمند | |
| | دریدہ بر و بر یدو شکست و بہ بست | | بلاں را سر و سینہ و پا و دست | |

لف و نشر مع طباق و مقابلہ۔

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| مبالغہ | فرو شد بہ ماہی و بر شد بہ ماہ | | بُن نیزہ و قبۂ بارگاہ | |
| | ز بس گردِ میداں کہ بر شد بہ دشت | | زمیں شش شد و آسماں گشت ہشت | |

رزمیہ شاعری رزمیہ شاعری جس کو انگریزی میں ایپک پوئم کہتے ہیں۔ شاعری کے انواع میں سے بہترین انواع ہے۔ یورپ کے نزدیک دنیا کا سب سے بڑا شاعر ہومر ہے۔ اس کا کارنامہ فخر یہی رزمیہ شاعری ہے۔ مہابھارت جس کو ہندو آسمانی کتاب سمجھتے ہیں وہ بھی ایک رزمیہ نظم ہے۔ اور اگر ان دونو کے پہلو میں کسی کو جگہ دی جاسکتی ہے۔ تو وہ **شاہنامہ** ہے۔

رزمیہ شاعری کے کمال کے چند شرائط ہیں۔ واقعہ ایسا اہتمم بالشان ہو جس نے دنیا کی تاریخ میں کوئی انقلاب پیدا کر دیا ہو۔ لڑائی کے ہنگامہ کا بیان اس زور شور اور پُر رعب طریقہ سے کیا جائے۔ کہ دل دہل جائیں۔ معرکۂ جنگ کے تمام ساز و سامان اور آلات و اسلحۂ جنگ تفصیل سے بیان کئے جائیں۔ سالارِ فوج اور مشہور بہادر کی لڑائی کے بیان میں لڑائی کے تمام داؤں پیچ ایک ایک کر کے دکھائے جائیں، شاہنامہ میں یہ تمام باتیں اعلیٰ درجہ پر پائی جاتی ہیں۔

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ہنگامۂ جنگ اور ہل چل | ز لشکر بر آمد سراسر خروش | | زمیں پُر خروش و ہوا پُر خروش | |
| | جہاں لرزلزاں شد و دشت و کوہ | | زمیں شد ز فعل ستوراں ستوہ | |
| | درفش از درفش گروہ از گروہ | | گسستہ نشد شب بر آمد ز کوہ | |
| | درخشیدنِ تیغہائے بنفش | | ازاں سایۂ کادیانی درفش | |
| | تو گفتی کہ اندر مشب تیرِ چہر | | ستارہ ہمے بر فشاند سپہر | |
| | زمیں گشت جنباں چو ابرِ سیاہ | | تو گفتی ہمے برنتابد سپاہ | |

| | |
|---|---|
| بلند آسماں چوں زمیں شد زخاک | زہر سو ہمے برشدہ چاک چاک |
| دل کوہ گفتی مدرّو ہمے | زمیں با سواراں بپرّد ہمے |
| زبس نعرۂ نالہ کرنائے | ہمے آسماں اندر آمد زجائے |
| چناں تیرہ شد روئے گیتی زگرد | تو گفتی کہ خورشید شد لاجورد |
| بزد مہرہ بر کوہ ژندہ پیل | زمیں جنبش جنبان چو دریائے نیل |
| زگرد سواراں ہوا لبست میغ | چو برق درخشندہ پولاد و تیغ |
| زجوشِ سواران و آواز کوس | ہوا قیرگوں شد زمیں آبنوس |
| تو گفتی زمین موج خواہد زدن | وزاں موج بر اوج خواہد زدن |
| زبس گرد میدان کہ برشد بدشت | زمیں شش شد و آسماں گشت ہشت |
| زبس نیزۂ وگرز و گوپال و تیغ | تو گفتی ہوا ژالہ بارد زمیغ |
| زکشتہ ہمہ دشت آورد گاہ | تن و دست و سر بود و ترک و کلاہ |
| بجوشید دشت و بتوفید کوہ | زجوشِ سواران ہر دو گروہ |
| تو گفتی کہ روئے زمیں آہن است | زنیزہ ہوا نیز در جوشن است |

**شاہنامہ** میں لڑائی کے سامان اور اسلحۂ جنگ کی اس قدر تفصیل پائی جاتی ہے کہ ہم بہ تفصیل بتا سکتے ہیں۔ کہ آج سے دو ہزار برس پہلے آلات جنگ کیا کیا تھے۔ پہلوان اور بہادر کیا کیا ہتھیار لگاتے تھے۔ لباس جنگ کیا کیا تھے۔ مثلاً لڑائی کے وقت جو باجے استعمال ہوتے تھے، اُن کے یہ نام ہیں۔ **بتیرہ۔ گاؤدم۔ خرمہرہ۔ کوس۔ طبل نقارہ۔ کرنائے۔ سرغین۔**

اسلحہ جنگ یہ تھے۔ **زرہ جوشن۔ خود مغفر۔ چار آئینہ خفتان ترک بیربان۔ برگستوان۔**

آلات اور سامان جنگ یہ تھے۔ **گوپال۔ گرز۔ تیغ سپر۔ ورفہ خنجر۔ ژوپین۔ ناوک خشت۔ تیر۔ خدنگ۔ کمند۔ سنان۔ تیرہ۔ ژوپین پرتاب۔ تبرزین وبوس۔ قاروہ۔ شراع۔ عرادہ۔ رایت۔ علم۔ ورفش اختر۔ سراپردہ۔**

اقسام فوج۔ قلب۔ میمنہ۔ میسرہ۔ طلایہ۔ ساقہ دمدار۔

اُس زمانہ میں مجموعی فوج کے لڑانے کا فن نہ تھا۔ اس لئے یہ پتہ نہیں لگتا کہ سپہ سالار کس طریقہ سے فوج کو لڑاتے تھے۔ رستم اگرچہ سپہ سالار تھا اور شاہنامہ سرتاپا گویا اُسی کی داستان ہے۔ تاہم کہیں یہ پتہ نہیں لگتا۔ کہ اُس نے فوج کو کیونکر لڑایا۔ طریقۂ جنگ یہ تھا کہ ایک ایک پہلوان میدان میں آتا تھا۔ اور معرکہ آرا ہوتا تھا۔ اِن معرکہ آرائیوں کو فردوسی اس تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ کہ سما باندھ دیتا ہے۔

لڑائی کے جتنے طریقے تھے۔ یعنی کشتی لڑنا۔ تلوار چلانا۔ تیر مارنا۔ کمند پھینکنا۔ برچھی چلانا۔ وغیرہ وغیرہ **شاہنامہ** میں سب بہ تفصیل پائے جاتے ہیں۔ اور جس چیز کو جہاں لکھا ہے اِس طرح لکھا ہے کہ اس کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔

کمندانداری

**تہمتن** زالوای شد دردمند — زفتراک بکشاد پیچاں کمند
چو آہنگ رزم یلاں داشتے — کمندے وگرزے گراں داشتے
بیامد بغرید چوں پیل مست (نام پہلوان ۱۲) — کمندے بہ بازو وگرزے بدست
بدو گفت **کاموس** چندیں مدم — بہ نیروئے ایں رشتۂ شصتِ خم
برانگیخت **کاموس** جنگی نبرد — ہم آورد را دید بازو برد برد
بینداخت تیغ پرند آورش — ہمے خواست از تن گسستن سرش
سر تیغ بر گردن **رخش** خورد — بُبرید بر گستواں نبرد
نیامد تن رخش را زاں گزند — گوپیلتن، حلقہ کرد آں **کمند** (پہلوان ۱۲)
بینداخت وافگندش اندر میاں — برانگیخت از جائے رخشِ وماں
بہ ران اندر آورد و کردش دوال — عقابے شدہ رخش با پر و بال
بہ رائے و دلیری بفشیر دراں — گراں شد رکیب و سبک شد عناں
ہمے خواست آں خام خم کند — بہ نیروئے تن بگسلاند زبند
شد از ہوش **کاموس** و سست خام — گوپیلتن رخش را کرد رام
عناں را بہ پیچید و او را ز زیں — نگوں اندر آورد و زد بر زمیں
دو دست از پس پشت بستش چو سنگ — بہ خم کمند اندر آورد چنگ

تیراندازی

**تہمتن** بہ بند کمر برد چنگ — گزیں کرد یک چوبہ تیر خدنگ
خدنگی بر آورد پیکاں چو آب — نہادہ بر و چار بر عقاب

| | | |
|---|---|---|
| | بمالید چاچی کماں را بدست | به چرم گوزن اندر آمد شکست |
| | ستوں کرد چپ راو خم کرد راست | خروش از خم چرخ چاچی بخواست |
| | چو سوفارش آمد به پہنائے گوش | ز چرم گوزناں بر آمد خروش |
| | چو پیکاں ببوسید انگشتِ او | گزر کرد از مہرهٔ پشتِ او |
| | چو زد تیر بر سینهٔ **اشکبوس** | سپہر آں زماں دست او داد بوس |
| | قضا گفت گیر و قدر گفت ده | فلک گفت احسن، ملک گفت زه |
| نیزہ بازی | بر آشفت سہراب و شد چوں پلنگ | چو بدخواہ او چارہ چو شد به جنگ |
| | عناں بر گرائید و برداشت اسپ | بیامد به کردار آورگ شسپ |
| | چو آشفته شد شیر، تندی نمود | سر نیزه را سوئے او کرد زود |
| | بدست اندروں نیزهٔ جانستان | پس پشت خود گردش آنگه سنان |
| | بزد بر کمر بند گرد **آفرید** | زره بر تنش یک به یک بر درید |
| | زریں برگرفتش به کردار گوی، | که چوگاں زباد اندر آید بروی |
| کشتی گیری | گرفتند ازاں پس دوال کمر | دو اسپ نگاور بر آورده پر |
| | یکے بُد بدست یل **اسفندیار** | بدستِ دگر **رستم** نامدار |
| | به نیرو کشیدند زی خویشتن | دو گرد سرافراز و دو پیلتن |
| | ہمے زور کرد ایں براں، آں بریں | به جنبید یک مرد بر پشتِ زیں |
| | کف اندر دہاں شاں شدہ خون و خاک | ہمہ گبر بر بستواں چاک چاک |
| | چو **رستم** ورا دید بفشرد راں | بگردن بر آورد گرزِ گراں |
| | چو تنگ اندر آورد با او زبیں | فرو کرد گرز گراں را به زیں |

**شاہنامہ کا اثر** شاہنامہ کے مقبول عام ہونے کے مخالف بہت سے اسباب جمع تھے۔ سب سے مقدم یہ کہ وہ سر تاپا غیر قوموں کا کارنامہ تھا اور مسلمانوں کا جہاں جہاں ذکر آگیا تھا۔ نہائت حقارت سے اُن کو یاد کیا تھا۔

| | | |
|---|---|---|
| | ز شیر شتر خوردن و سوسمار | عرب را بجائے رسید است کار |
| | که تخت کیاں را کنند آرزو | تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو |

قادسیہ کے معرکہ میں مسلمانوں نے بے نظیر شجاعت کے جوہر دکھلائے تھے۔ فردوسی

نے اس کو بھی مدہم کر کے دکھایا تھا۔ اس بات پر مذہبی گروہ میں عام ناراضی پھیلی۔ چنانچہ اسی زمانہ میں عمر نامہ ایک کتاب لکھی گئی۔ جس کے دیباچہ میں سبب تالیف یہ بیان گیا ہے کہ چونکہ فردوسی نے ایرانیوں کے جھوٹ سچ قصے لکھ کر ملک میں مشہور کر دیئے۔ اس لئے یہ کتاب حضرت **عمر فاروق** کے حالات میں لکھی گئی۔ کہ لوگوں کی توجہ اُدھر سے ہٹ جائے۔

چونکہ فردوسی نے **سلطان محمود** کی ہجو لکھ کر شاہنامہ میں اس کو منصم کر دیا تھا۔ اسی لئے لوگ شاہنامہ کو ہات لگانے ڈرتے تھے۔ فردوسی چونکہ معتوب شاہی تھا۔ اس لئے بھی اس کی تصنیف مقبول عام نہ ہو سکتی ہو گی۔

یہ سب تھا لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ خراسان سے لے کر بغداد تک در و دیوار سے شاہنامہ کی صدا آنے لگی، تقریر، تحریر، تصنیف تالیف، خلوت و جلوت، کوچہ و بازار، اس کی آواز بازگشت سے گونج اٹھے، لوگ جب کام سے فارغ ہو کر بیٹھتے تو کوئی خوش لہجہ شخص حفظ شاہنامہ کے اشعار پڑھتا، اور شجاعت، جانبازی، دلیری، حب وطن کا اثر تمام مجلس پر چھا جاتا۔

سینکڑوں برس تک، سلاطین و امراء کی باہمی خط و کتابت میں شاہنامہ کے اشعار جابجا درج ہوتے تھے، اور دلیری اور بہادری کے موقعوں پر بے ساختہ اس کے اشعار زبان سے نکل جاتے تھے۔ میدان جنگ میں رجز کے بجائے شاہنامہ کے اشعار پڑھے جاتے تھے سلجوقیوں کے اخیر فرمان روا طغرل ارسلان نے میدان جنگ میں لڑ کر جان دی تو شاہنامہ کے یہ اشعار زبان پر تھے۔

| | |
|---|---|
| من آں گرزیک زخم برداشتم | سپہ را ہماں جائے بگزاشتم |
| چناں؛ برخروشیدم از پشت زیں | کہ چوں آسیا شد، پریشاں زمیں |

شاہنامہ ہی کے اثر نے، سینکڑوں برس تک، ایران کی شاعری کو غزل سے پاک رکھا، امتداد زمانہ سے جب اُس کا اثر گھٹا۔ اور عشق و عاشقی کے خیالات قوم میں پھیلنے لگے تو دفعتہً **تاتاریوں** کے طوفان نے مسلمانوں کی خاک تک اڑا دی۔

شاہنامہ کی زبان، شاہنامہ کی زبان، آج کی زبان سے اس قدر مختلف ہے کہ گویا دو زبانیں الگ الگ ہیں۔ اور شاہنامہ کی تخصیص نہیں۔ اُس زمانہ کے شعراء کی عام زبان یہی تھی لیکن چونکہ اور کسی **شاعر** نے اس قدر الفاظ استعمال نہیں کئے۔ اس لئے فردوسی کی زبان بہ نسبت اور شعراء کے زیادہ بیگانہ اور غیر مانوس معلوم ہوتی ہے۔

شاہنامہ کی زبان کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:-

(۱) ضمیروں کی ترکیب، مثلاً ع

زشادی رخاں شاں چو گل بردمید

اب یوں کہیں گے رُخہائے ایشاں۔

(۲) غیر جاندار چیزوں کی جمع الف ونون سے، مثلاً

اگر عمر باشد مرا سالیاں، یعنی سالہا۔

(۳) اسم اور فعل کے آخر میں الف زائد، مثلاً ع

سیامک برآمد برہنہ تناں، یعنی تن،

ع۔ بہ سی روز گیتی بہ پیما یدا

(۴) فارسی الفاظ پر تشدید مثلاً خوشی۔ زرّ۔ پرّ۔ ہمّ۔ مژّہ۔ زرّبفت۔ کژّی۔

(۵) بعض زائد حرف، مثلاً چناں کے بجائے چونان۔ اشیا کے بجائے اشیواء۔ چنیں کے بجائے چونین۔ فرشتہ کے بجائے فریشتہ۔

(۶) در کے بجائے اندرون، مثلاً۔

بہ جنگ اندروں گرزۂ گاؤرنگ،

(۷) متحرک بجائے ساکن، اور ساکن بجائے متحرک، مثلاً،

ع بگویم زمادرش دہم از پدرش ع نیامدت زشیروز دیوباک،

ع۔ بہ شادی ہمہ جان برافشاندند۔

(۸) بے کے پہلے الف زائد۔ ع

ابے او نباشیم در جنگ شاد۔

(۹) ویا بجائے یا

ویا بارۂ رستم جنگجوئے بہ آخر نہند بے خداوند روئے

(۱۰) کجا بہ معنی کہ ع

درفشش کجا پیل پیکر بود۔

(۱۱) از بر بمعنی بر۔ ع

نشست از بر کوہہ ژندہ پیل۔ یعنی بر کوہ،

(۱۲) ایچ۔ معنی ہیچ۔
ع۔ زہیکاں نہ بود ایچ پیدا سرش،
(۱۳) تائے خطاب کا استعمال مثلاً۔
ع۔ ہزار نت کودک دہم نوش لب، یعنی ہزاراں ترا۔
چو آئی خیان کت مراد و ہوا است، یعنی کہ ترا۔
(۱۴) درا بمعنی اورا۔
چو رستم درا دید خیرہ بماند، یعنی چو رستم اورا دید،
(۱۵) ازو کے بجائے ازوی۔

برادر آمد بہ پرسید ازدی  بدو گفت گستاخ با من بگوی

(۱۶) ازیرا بجائے ازیں رو۔
ع۔ ازیرا است زآسماں برتر است، یعنی ازیں رو،
(۱۷) آزمالیش کے بجائے آزمون۔

نہادی برو دست را آزموں  شکم بر زمین بر نہادی ہیوں

(۱۸) سیم متکلم کا حذف۔
اگر من نہ رفتے بہ ماژندراں، یعنی اگر من نہ رفتمے
ان تصرفات کے علاوہ سینکڑوں الفاظ ہیں۔ جو بالکل متروک ہو گئے۔ یا اُن کی صورتیں بدل گئیں۔ یا اُن کے بجائے اور اور الفاظ استعمال میں ہیں۔ مختصراً چند الفاظ ذیل میں درج ہیں:۔

| لفظ | معنے | لفظ | معنے |
|---|---|---|---|
| دیژہ | خاص | آوزگشسپ | برق |
| مر | شمار | آستی | آستین |
| ایدوں | حالا | برسان | بسان |
| ایدر | اینجا | آغاز | ارادہ |
| آخر | اصطبل | افسوس | ظلم وستم |
| آفرین | زینت وآرایش | اَند | چند۔ یا اندک |

| لفظ | معنے | لفظ | معنے |
|---|---|---|---|
| اندرخور | لائق | بسندہ | کافی |
| انوشہ | آفرین | پسیج | قصد و کارسازی |
| بادسر | مغرور | بگماز | شراب |
| بارگی دبارہ | اسپ | پازہر | تریاک |
| پاژ | خراج | پذیرہ | استقبال کردن |
| بخش | حصّہ | پدرام | آراستہ |
| تال و مال | ریزہ ریزہ | پہلوانی | زبانِ پہلوی |
| تخش | تیر | در | (درہ کوہ، و مرتبہ ع- |
| ترک | کلاہِ آہنی | | بگفتش بہ رازایں سخن و پدر |
| ترنگ | صدائے کمان | درخت | دارا لیاستہ |
| تلاش | پراگندہ | درقہ | سپر چرمیں |
| تنگ آمدن | نزدیک آمدن | دستار | دستر خواں |
| جوال | ظرفیست کہ از پشم بافند | دست بند | زناں رقاص |
| چاک | سفیدۂ صبح | دست حابہ | جامہ سرو پا |
| چاک چاک | صدائے زدن شمشیر | دست راست | وزیر اعظم |
| چرنگیدن | آوازِ گرز | دست دار | عصا |
| چک | قبالہ اوردستاویز | د فتر شکستن | دفتر ساختن |
| سہ دیگر | سیوم | دمدار | ساقہ لشکر |
| شارساں | شہروشہرستاں | غو | خردش |
| شبگیر | صبح | گو | پہلوان |
| شخودن | خراشیدن | فرورنجتن از اسپ | فرود آمدن |
| شکروں | پارہ کردن | فزونی | فضیلت و بزرگی |
| غرم | میش کوہی | فسیلہ | گلہ اسپ |
| غرچہ | مخنث و نامرد | فش | دُم دیال اسپ |
| برتر | بلندی | | |

دولت شاہ نے لکھا ہے۔ اور اور تذکرہ نویسوں نے بھی اس کی تقلید کی ہے۔ کہ فردوسی جب غزنین سے بھاگ کر مختلف شہروں سے گزرتا ہوا۔ وطن میں آیا۔ اور زندگی کے دن قریب آ گئے، تو اسدی کو بلا کر کہا کہ شاہنامہ کا کچھ حصہ ناتمام رہ گیا ہے میرے بعد کون اس کو پورا کر سکے گا۔ اسدی نے کہا۔ جان اُستاد! کچھ اندیشہ کی بات نہیں میں اس خدمت کو انجام دوں گا، چنانچہ ایک رات دن میں چار ہزار شعر لکھ کر فردوسی کو سنائے۔ فردوسی نہائت خوش ہوا۔ اور وہ اشعار شاہنامہ میں داخل کر لئے۔ یہ وہ اشعار ہیں جہاں عربوں کے حملے اور ایران کی شکست کا ذکر ہے۔

لیکن ہمارے نزدیک، یہ روائت محض فرضی اور غلط ہے۔ نہ شاہنامہ ناتمام رہا تھا نہ اسدی فردوسی کا استاد[1] تھا، نہ فردوسی، اسدی سے ایسی فرمایش کر سکتا تھا۔ نہ ایک رات دن میں اسدی سے چار ہزار شعر لکھے جا سکتے تھے، ان سب پر مستزاد یہ کہ اسدی کے انداز سے، ان اشعار کو مطلقاً مناسبت نہیں۔

شاعری پر اسدی کا ایک احسان یہ ہے کہ قصائد میں جدت کا راستہ نکالا، اکثر قصائد میں مناظرت لکھے ہیں۔ اور یہ اُس کا خاص ایجاد ہے۔ وہ دو چیزوں کو لے کر باہم مناظرہ کراتا ہے۔ ہر ایک کی طرف سے ترجیح کے دلایل پیش کرتا ہے۔ اور بالآخر بادشاہ کی مدح کی طرف گریز کرتا ہے۔ چنانچہ رات دن، زمین آسمان، گبر و مسلم، قوس و رمح، شب و روز کا مناظرہ۔ مجمع الفصحا میں نقل کیا ہے۔

**اسدی** سب سے پہلا شخص ہے جس نے مصطلحات فارسی پر کتاب لکھی، چنانچہ اس کے خاص ہات کا لکھا ہوا نسخہ دیانات کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ سگیں نے اس کتاب کو چھاپ کر شائع بھی کیا ہے[2]۔

کلام پر رائے | **اسدی** اگرچہ فردوسی وغیرہ کا ہمعصر ہے لیکن تشبیہات اور مضمون بندی کے لحاظ سے نظامی سے دوش بدوش ہے۔ ایک جنگل کی تعریف میں لکھتا ہے۔

---

[1] اسدی نے گرشاسپ نامہ میں فردوسی کا نام جس طرح لیا ہے، اس سے قطعی ثابت ہوتا ہے۔ کہ فردوسی اس کا شاگرد نہ تھا، یہ شعر ملاحظہ ہو۔

بہ شہنامہ فردوسی نغز گوے  چہ از پیش گو بندگاں بردہ گوے

[2] مسٹر براؤن کی کتاب جلد دوم تذکرہ اسدی ۱۲

| | | |
|---|---|---|
| چناں تنگ و در ہم یکے بیشہ بود | کہ رفتن دراں کار اندیشہ بود | |
| اس طرح کا گھنا جنگل تھا | کہ اُس میں صرف خیال چل سکتا تھا | |
| درختانش سر در کشیدہ بسر | چو خطِ وبیراں یک اندر دگر | |
| اس کے درخت اس طرح پاس پاس تھے | جس طرح خوشنویسوں کی سطریں ہوتی ہیں | |
| ہمہ شاخہا تا بہ چرخ کبود | بہم در شدہ تنگ چوں تار و پود | |
| تمام شاخیں آسمان تک | اسطرح لپٹی ہوئی تھیں جسطرح کپڑے میں تانا بانا ہوتا ہے | |
| تو گفتی سپاہی است در جنگ سخت | ز دہشت گرد گر ہر درخت | |
| یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی فوج لڑائی میں مصروف | ہر درخت پہلوان ہے | |
| کماں شاخہا شاں، ہمہ گرز باز | سپر برگہا و سناں نوک خار | |
| شاخیں، کمان تھیں گوز پھل تھے | پتے سپر، اور کانٹے برچھیاں تھیں | |
| سابیدہ اندروئے از چرخ ہور | ز تنگی رہش پوست رفتے زمور | |
| آفتاب کبھی اس میں چمکا نہیں تھا | اسقدر گھنا تھا کہ چیونٹی اسمیں چلتی تو اسکی کھال اُدھڑ جاتی تھی | |

اس قسم کی تشبیہات، اور اس قسم کا مبالغہ متوسطین بلکہ متاخرین کا انداز ہے۔ باایں ہمہ واقعہ نگاری اور صورت حال کے منظر دکھانے میں اسدی کو فردوسی سے کم پایہ نہیں کہہ سکتے، اگر شاہنامہ نے جہاں اژدہا کو مارا ہے۔ اس موقع پر اژدہا کی تصویر دیکھو۔ کس طرح کھینچی ہے۔ اگلے زمانہ میں اژدہا کی تصویر جو لوگوں کے ذہن میں تھی۔ یہ تھی کہ بیس تیس گز کا لمبا ہوتا ہے۔ آگے دو بڑے بڑے دانت ہاتھی کی طرح نکلے ہوتے ہیں سانس لیتا ہے تو منہ سے شعلے نکلتے ہیں۔ سر پر کانٹے کی طرح بال ہوتے ہیں جسم پر ہاتھی کے کان کے برابر چپٹے ہوتے ہیں۔ جن کو کبھی سمیٹ لیتا ہے۔ اور کبھی پھیلا دیتا ہے۔ آنکھیں ستاروں کی طرح دور سے چمکتی ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| شد اندر درگا ہر سوئے بنگرید | بناگاہ آں اژدر آمد پدید | |
| براں پشتہ او، سینہ سایاں کیں | ز بیمیدنش جنبش اندر زمیں | |
| چو تاریک غارے دہن کردہ باز | دو پشکش چو شاخ گوزناں دراز (دانت) | |
| دہاں و نفس دود و آتش بہم | دہاں کورہ آہن و شعلہ دم | |
| ز تف و بانش، دل خارہ موم (پتھر) | ز زہر و تمش (بدبو) باد گیتی سموم (گرگاؤں) | |

دولت شاہ نے لکھا ہے۔ اور اور تذکرہ نویسوں نے بھی اس کی تقلید کی ہے۔ کہ فردوسی جب غزنین سے بھاگ کر مختلف شہروں سے گزرتا ہوا۔ وطن میں آیا۔ اور زندگی کے دن قریب آگئے، تو اسدی کو بلا کر کہا کہ شاہنامہ کا کچھ حصہ ناتمام رہ گیا ہے میرے بعد کون اس کو پورا کر سکے گا۔ اسدی نے کہا۔ جان اُستاد! کچھ اندیشہ کی بات نہیں ہیں اس خدمت کو انجام دوں گا، چنانچہ ایک رات دن میں چار ہزار شعر لکھ کر فردوسی کو سنائے۔ فردوسی نہائت خوش ہوا۔ اور وہ اشعار شاہنامہ میں داخل کر لئے۔ یہ وہ اشعار ہیں جہاں عربوں کے حملے اور ایران کی شکست کا ذکر ہے۔

لیکن ہمارے نزدیک، یہ روائت محض فرضی اور غلط ہے۔ نہ **شاہنامہ** ناتمام رہا تھا نہ اسدی فردوسی کا استاد[1] تھا، نہ فردوسی، اسدی سے ایسی فرمایش کر سکتا تھا۔ نہ ایک رات دن میں اسدی سے چار ہزار شعر لکھے جا سکتے تھے، ان سب پر مستزاد یہ کہ اسدی کے انداز سے، ان اشعار کو مطلقاً مناسبت نہیں۔

شاعری پر اسدی کا ایک احسان یہ ہے کہ قصائد میں جدت کا راستہ نکالا، اکثر قصائد میں مناظرت لکھے ہیں۔ اور یہ اُس کا خاص ایجاد ہے۔ وہ دو چیزوں کو لے کر باہم مناظرہ کراتا ہے۔ ہر ایک کی طرف سے ترجیح کے دلایل پیش کرتا ہے۔ اور بالآخر بادشاہ کی مدح کی طرف گریز کرتا ہے۔ چنانچہ رات دن، زمین آسمان، گبر و مسلم، قوس و رمح، شب و روز کا مناظرہ مجمع الفصحا میں نقل کیا ہے۔

**اسدی** سب سے پہلا شخص ہے۔ جس نے مصطلحات فارسی پر کتاب لکھی، چنانچہ اس کے خاص ہات کا لکھا ہوا نسخہ دیانات کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ سنگیں نے اس کتاب کو چھاپ کر شائع بھی کیا ہے[2]۔

کلام پر ایک نظر | **اسدی** اگرچہ فردوسی وغیرہ کا ہمعصر ہے لیکن تشبیہات اور مضمون بندی کے لحاظ سے نظامی سے دوش بدوش ہے۔ ایک جنگل کی تعریف میں لکھتا ہے۔

---

[1] اسدی نے گرشاسپ نامہ میں فردوسی کا نام جس طرح لیا ہے، اس سے قطعی ثابت ہوتا ہے۔ کہ فردوسی اس کا شاگرد نہ تھا، یہ شعر ملاحظہ ہو۔

بہ شہنامہ فردوسی نغز گوے — چو از پیش گو بندگان بردہ گوے

[2] مسٹر براؤن کی کتاب جلد دوم تذکرہ اسدی ۱۲

| | | |
|---|---|---|
| چناں تنگ وور ہم یکے بیشہ بود | کہ رفتن دراں کار اندیشہ بود | |
| اس طرح کا گھنا جنگل تھا | کہ اُس میں صرف خیال چل سکتا تھا | |
| درختانش سر در کشیدہ بسر | چو خطِ دبیراں یک اندر دگر | |
| اس کے درخت اس طرح پاس پاس تھے | جس طرح خوشنویسوں کی سطریں ہوتی ہیں | |
| ہمہ شاخہا تا بہ چرخ کبود | بہم در شدہ تنگ چوں تار و پود | |
| تمام شاخیں آسمان تک | اسطرح لپٹی ہوئی تھیں جسطرح کپڑے میں تانا بانا ہوتا ہے | |
| تو گفتی سپاہی است در جنگ سخت | ز دہشت گرد گر ہر درخت | |
| یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی فوج لڑائی میں مصروف | ہر درخت پہلوان ہے | |
| کماں شاخہا شاں، ہمہ گرز باز | سپر برگہا و سناں نوک خار | |
| شاخیں، کمان تھیں گوز پھل تھے | پتے سپر، اور کانٹے برچھیاں تھیں | |
| سایدہ اندروئے از چرخ ہور | ز تنگی رہش پوست رفتے زمور | |
| آفتاب کبھی اس میں چمکا نہیں تھا | اسقدر گھنا تھا کہ چیونٹی اس میں چلتی تو اسکی کھال اُدھڑ جاتی تھی | |

اس قسم کی تشبیہات، اور اس قسم کا مبالغہ متوسطین بلکہ متاخرین کا انداز ہے۔ بااین ہمہ واقعہ نگاری اور صورت حال کے منظر دکھانے میں اسدی کو فردوسی سے کم پایہ نہیں کہہ سکتے، اگر شاہنامہ نے جہاں اژدہا کو مارا ہے۔ اس موقع پر اژدہا کی تصویر دیکھو۔ کس طرح کھینچی ہے۔ اگلے زمانہ میں اژدہا کی تصویر جو لوگوں کے ذہن میں تھی۔ یہ تھی کہ بیس تیس گز کا لمبا ہوتا ہے۔ آگے دو بڑے بڑے دانت ہاتھی کی طرح نکلے ہوتے ہیں سانس لیتا ہے تو منہ سے شعلے نکلتے ہیں۔ سر پر کانٹے کی طرح بال ہوتے ہیں جسم پر ہاتھی کے کان کے برابر چپٹے ہوتے ہیں۔ جن کو کبھی سمیٹ لیتا ہے۔ اور کبھی پھیلا دیتا ہے۔ آنکھیں ستاروں کی طرح دور سے چمکتی ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| شد اندر دو گاہ ہر سوئے بنگرید | بناگاہ آں اژدر آمد پدید | |
| براں پشتہ او، سینہ سایاں کیں | ز بیمیدنش جنبش اندر زمیں | |
| چو تاریک غارے دہن کردہ باز | دو پشکش چو شاخ گوزناں دراز (دانت ۱۲) | |
| دہاں و نفس دود و آتش بہم | دہاں کردہ آہن و شعلہ دم | |
| ز تف و ہلنش، دل خارہ موم (پتھر ۱۲ گرگا ۱۳) | ز زہر و تمش (تپش) باد گیتی سموم | |

| | | | |
|---|---|---|---|
| به دُود نفس ہر دو چشمش زنور | | درخشاں چو در شب ستارہ زدور | |
| گرہ در گرہ خم، دُدم تا بہ پشت | | ہمہ سرش چوں خار و موہا درشت | |
| پشیزہ پشیزہ تن از رنگ نیل | | ازاں ہر پشیزہ بمہ، از گوش فیل | |
| گہے چوں سپر بر فگندیش باز | | گہے ہمچو جوشن کشیدی دراز | |
| چو بر کوہ سودے، تن سنگ رنگ | | بفرسنگ رفتے چکا کاک سنگ | |

غرض شاہنامہ اور سکندر نامہ کی بیچ کی کڑی گرشاسپ نامہ ہے۔ نظامی نے غالباً گرشاسپ نامہ کو سامنے رکھ کر سکندر نامہ لکھا ہے۔"

## منوچہری

دامغان وطن ابوالنجم کنیت احمد نام شصت کلہ لقب اور منوچہری تخلص تھا۔ دولت شاہ نے اس کو بلخی لکھا ہے، چونکہ نہائت دولتمند تھا۔ اس لئے شصت کلہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا، امیر منوچہری بن شمس المعالی امیر قابوس بن وشمگیر جو مشہور رئیس اور جرجان کا فرمانروا تھا۔ اور ۳۸۶ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ یہ اس کے دربار میں ملازم تھا۔ اس مناسبت سے منوچہری تخلص کیا تھا۔ ۴۱۱ھ میں منوچہری نے انتقال کیا تو یہ غزنین میں آیا۔ اور عنصری کی مدح میں قصیدہ لکھا جو اس کے دیوان میں موجود ہے۔ مدح کے چند اشعار یہ ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| اوستاد اوستادان زمانہ عنصری | | عنصرش بے عیب و دل بغیش و نیش بے فتن | |
| شعر او چوں طبع او ہم بے تکلف ہم بدیع | | طبع او چوں شعر او ہم با ملاحت ہم حسن | |
| کو حریرو کو فرزدق کو ولید و کو لبید | | روبہ و عجاج و دیک الجن و سیف ذویزن | |
| گو فراز آیند و شعر او ستادم بشنوند | | تا عزیزی روضہ بینند و طبیعی نسترن | |
| شعر او فردوس را ماند کہ اندر شعر او | | ہر چہ در فردوس ما را وعدہ کردہ ذوالمنن | |
| کوثر است الفاظ عذب او و معنی سلسبیل | | لفظ او انہار خمر و وزنش انہار لبن | |

تذکرہ نویس لکھتے ہیں۔ کہ اس نے عنصری کی شاگردی بھی اختیار کی لیکن یہ بھی خوشامد کا ایک پہلو تھا۔ جس طرح قلعہ میں لوگ بہادر شاہ سے گلستان پڑھنے جایا کرتے تھے۔ بہرحال عنصری نے اس کو دربار شاہی میں پہنچایا۔ اور سلطان محمد ابن محمود کے حضور میں

ترخانی کا منصب ملا یعنی جب چاہتا دربار میں چلا جاتا کچھ روک ٹوک نہ تھی۔ محمد[1] چند روز کی سلطنت کے بعد یعنی ۴۲۱ھ میں گرفتار ہو کر قید ہوا، اور اُس کے بھائی سلطان محمود نے تخت سلطنت پر جلوس کیا، منوچہری کے اکثر قصائد مسعود ہی کے مدح میں ہیں مسعود بھی اس کا نہایت قدردان تھا۔ یہاں تک کہ دربار کے شعرا اس پر رشک کرتے تھے۔ ایک قصیدہ میں **منوچہری** نے فخر کے لہجہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ **تقی کاشی** نے خلاصۃ الافکار میں لکھا ہے کہ منوچہری، عنصری، و عسجدی، کا ہمعصر تھا۔ اور دربار میں عنصری کے سوا اور تمام شعرا یہانتک کہ فردوسی اور فرخی تک اس سے نیچے بیٹھتے تھے، لیکن منوچہری کے دیوان میں سلطان محمود کی شان میں کوئی قصیدہ نہیں۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ سلطان محمود کے مرنے کے بعد غزنین میں آیا ہے۔ اور اس لئے فردوسی کا ہم بزم نہیں ہو سکتا تھا۔

منوچہری فطرتاً شاعر تھا۔ نہائت کم سنی میں لوگ مشکل مشکل طرحیں دیتے تھے اور وہ برجستہ ان طرحوں میں قصیدے اور غزل کہتا تھا[2]

دیوان جو آج موجود ہے۔ اس میں تین ہزار شعر ہیں۔ **علی قلی خاں** ہدایت نے بڑی تلاش سے بہم پہنچایا اور شائع کیا۔ **فرانس** میں اس کا دیوان نہائت اہتمام اور تکلف سے چھپا ہے۔ فرہنگ بھی ہے۔ اور تمام مشکل اشعار کو حل کیا ہے۔ یہ نسخہ میری نظر سے گزرا ہے۔ اور میں نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے۔ منوچہری نے ۴۳۲ھ میں انتقال کیا۔

**کلام کی خصوصیت** منوچہری کے کلام میں اکثر ایسے خصوصیات ہیں۔ جن سے اس کے معاصروں کا کلام بالکل خالی ہے۔ بلکہ مابعد کے شعرا میں بھی ان کے نمونے خال خال پائے جاتے ہیں۔

(۱) سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ شعرائے عرب کی زیادہ تر تقلید کرتا ہے۔ اس نے متعدد قصیدے عربی قصائد کے بحر اور قافیہ میں لکھے ہیں۔ ابوالشیص کا ایک قصیدہ ہے۔

سالقاك والليل ملقى الجران  غراب ينوح على غصن بان

منوچہری اس کے جواب میں لکھتا ہے۔

---

[1] مجمع الفصحاء [2] مجمع الفصحاء بحوالہ لب الباب عوفی یزدی

| | |
|---|---|
| جہاناچہ بدہر و بد خوجہانی | چو اشفتہ بازار بازار گانی |

مزہ وہاں آتا ہے۔ جہاں چند شعرائے عرب کے نام لے کر کہتا ہے۔ کہ فلاں شاعر نے خلیفہ اور امیر کی مدح میں زور کے قصیدے لکھے اور ایسے بڑے بڑے صلے حاصل کئے، میں بھی اسی طرح تیرے دربار میں آیا ہوں۔

| | |
|---|---|
| شنیدم کہ اعشیٰ بہ شہر یمن شد | سوے سودۃ بن علی الیمانی |
| برو خواندہ شعرے بالفاظ تازی | بہ شیریں معانی و شیریں زبانی |
| یکے کارواں اشتر کشن داد ش | ہر اشتر بساں کہ از کلانی |
| سوئے تاج عمر ابناں ہم بدیساں | بباید منوچہری دامغانی |

دیکھو تخلص کس لطف سے کھپایا ہے۔

آخر میں تصریح کی ہے کہ یہ قصیدہ میں نے ابو الشیص کے جواب میں لکھا ہے ساتھ ہی قصیدہ کا مطلع بھی تضمین کیا ہے

| | |
|---|---|
| بداں وزن ایں شعر گفتم کہ گفتہ است | ابو الشیص اعرابی باستانی |

مالقاك والليل ملتقى الجران غراب ينوح على غصن بان

ابن المعتز کا ایک قصیدہ، سادات علوی کے معارضہ میں ہے۔

ونحن بنوالعمد ان لے بها

اس قصیدہ پر منوچہری نے قصیدہ لکھا ہے۔ اور لطف یہ کیا ہے کہ عربی ضمیر کی جو ہ بھی اس سے فارسی میں جمع کا کام لیا ہے۔

| | |
|---|---|
| چو از زلف شب باز شد تابہا | فرو مرد قندیل محراب ہا |
| سپیدہ دم از بیم سرماے سخت | بپوشید بر کوہ سنجاب ہا |
| بیخوارگاں ساقی آواز داد | فگندہ بزلف اندروں تاب ہا |
| بہ بانگ نخستیں ازیں خواب خوش | بجستیم ما ہمچو طیطاب ہا |
| منجم بہ بام آمد از نورے | گرفت ار تفاع سطرلاب ہا |

فارسی کے اور شعرا کے برخلاف منوچہری کو شعرائے عرب کے اکثر دیوان حفظ یاد تھے اور اس پر فخر کرتا تھا۔ ایک قصیدہ میں حاسد کو خطاب کر کے لکھتا ہے۔

من بسے ایوان شعر تازیاں دارم زبر تو ندانی خواند الا ہی بصحنك فاصحين

یعنی مجھ کو عرب کے میوں دیوان ازبر ہیں — اور توسیعہ معلقہ کا یہ قصیدہ بھی نہیں پڑھ سکتا

الا ھبی بصحنک فاصبحینا — ولا تبقی خمور الاندرینا

عربی پر اس کو یہ قدرت حاصل تھی کہ اپنے کلام میں عربی قصائد کی طرف اشارے کرتا ہے۔ اور ان کے وہ ٹکڑے جن کے نام سے وہ قصیدے مشہور ہیں۔ بے تکلف تضمین کرتا جاتا ہے۔ ایک قصیدے میں لکھتا ہے۔

| | |
|---|---|
| امرا القیس دلبید و اخطل و اعشی و قیس | بر طلل ہا نوحہ کردند ے و بر رسم تلی |
| شاعری عباس کرد و حمزہ کرد و طلحہ کرد | جعفر و سعد و سعید و سید امام القری |
| آنکہ گفتست اذ ستنا آنکہ گفت الا ھبی | آنکہ گفت السیف اصدق آنکہ گفت ابلی الھوی |

اس شعر میں چار قصیدوں کے مطلعوں کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی

اذ تنا نبینا الا سماء (سبعہ معلقہ کا قصیدہ ہے) (سبعہ معلقہ)

الا ھبی بصحنک فاصبحینا (ابو تمام کا مشہور قصیدہ ہے جو معتصم کی مدح میں عموریہ کی فتح کی تقریب پر لکھا گیا تھا)

السیف اصدق انباءً من الکتب

ابلی الھوی (متنبی کا قصیدہ ہے)

اس کے کلام میں اکثر عربی تلمیحات ہیں یہاں تک کہ محض فارسی داں اس کے کلام سے پورا لطف نہیں اٹھا سکتے، ایک قصیدہ کا مطلع ہے۔

| | |
|---|---|
| نو روز بزرگاشت بصحرا و مسک دمے | تمثالہا ے غرہ و تصویرہائے مے |

عرب میں لیلیٰ و شیریں کے بجائے جن معشوقوں کا نام آتا ہے، لبنیٰ، سلمیٰ۔ رباب، عزہ، مویہ، ثبینہ، وغیرہ ہیں، عزہ، کثیر کی معشوق تھی، جو بنو امیہ کے زمانہ کا مشہور شاعر تھا۔ مویہ ذوالرمہ کی معشوق تھی۔ اسی مویہ کو منوچہری نے قافیہ کی ضرورت سے مے کر دیا ہے۔

ایک اور قصیدہ میں لکھتا ہے،

| | |
|---|---|
| باد بزیں صناعت بانی کند ہمے | مرغ حزیں روائت معبد کند ہمے |

معبد بنو امیہ کے زمانہ کا مشہور مغنی تھا

روائت کردن کے معنے گانے کے ہیں۔ مرغ حزیں سے بلبل مراد ہے یعنی بلبل معبد کے راگ گاتی ہے۔

| | |
|---|---|
| زمین محراب داؤد ست ازبس سبزہ پنداری | گشادہ مرغکاں بر شاخ چوں داؤد خنجرہا |

| | | |
|---|---|---|
| بانظم ابن رومی و با نثر اصمعے | | باشرح ابن جنی و با نحو سیبوے |
| آں جا بگا کا یحمن سر کشاں بود | | تو بو فلانی آں دگراں انبہ ۔ دُبجی |

(۲) اِس کے کلام کی بڑی خصوصیت برجستگی روانی اور شستگی ہے ۔ یہ جوہر اگرچہ اس کا عام خاصہ ہے ۔ لیکن اس کے ساتھ اور مختلف باتیں جمع ہو گئیں ہیں جن سے اور زیادہ شیرینی اور دلآویزی پیدا ہو جاتی ہے ۔ وہ اکثر شگفتہ ردیفیں پیدا کرتا ہے کہیں کہیں ممدوح کے نام کو ردیف کرتا ہے ۔ اور وہاں گریز کے موقع پر ممدوح کے نام سے خاص لطف پیدا ہو جاتا ہے ، بعض جگہ کئی کئی شعر تنسیق[1] الصفات کی صنعت میں لکھتا جاتا ہے ۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ریشم پر موتی ڈھلکتے چلے آتے ہیں ۔

| | | |
|---|---|---|
| ماہ رمضاں رفت و مرا رفتن آں بہ | | عید رمضاں آمد و المنۃ للہ |
| بر آمدن عید و بردن رفتنِ روزہ | | ساقی بدہم بادہ بر باغ و بہ سبزہ |
| بر نہ بکف دستم آں جام چو کوثر | | جام دگر آور بکف دست دگر نہ |
| من مے نخورم تا نبود بر دو کفم جام | | یا سائلنی بر سرِ خوانم نہ نہی سہ |
| چوں مے وہی نوش ہمے گوئی و ہمی باش | | چوں مے بخورم جام ہمے گیرد ہمے جہ |
| دلم اے دوست تو دانی کہ ہوائے تو کند | | لب من خدمتِ خاکِ کفِ پائے تو کند |
| رایگاں مشک فروشی نکند ہیچ کسے | | در کند ، ہیچ کسے زلف دوتائے تو کند |
| چہ دعا کردی جاناں کہ چنیں خوب شدی | | تا چو تو چاکرِ تو نیز دعائے تو کند |
| از لطیفی کہ توئی اے بت و از شیرینی | | ملک مشرق ہم است کہ رائے تو کند |
| ایں جہاں کرد برائے تو خداوند جہاں | | واں جہاں تیر برائم کہ برائے تو کند |
| صنما ! از تو دلم ہیچ شکیبا نہ شود | | اگر امروز شود بیشک فردا نہ شود |
| تجربت کردم و دانا شدم از کارِ تو من | | تا مجرب نہ شود ، مردم دانا نہ شود |
| نہ کشم ناز ترا و نہ دہم دل بہ توہم | | نامرا آشتی و مہر تو پیدا نہ شود |
| گوئی از دو لب من بوسہ تقاضا چہ کنی | | دام خواہی نہ بود کہ تقاضا نہ شود |
| بہ مدار اوّل تو نرم کنم و آخر کار | | بہ درم نرم کنم گر بہ مدارا نہ شود |
| دگر ایں عاشق نومید شود از درِ تو | | از در خسرو شاہنشہ دنیا نہ شود |

[1] تنسیق الصفات کی مثال گھوڑے کی تعریف میں آئے گی ۔

صنما گرو سرم چند ہمے گردانی
زشتی از روئے نکو زشت بود گردانی

بامکن آنکہ شب و روز ہمے وعدہ دہی
یا مکن وعدہ ہر آں چیز کہ مے نتوانی

دلِ من بردی و از خویشتنم دور کنی
بر نیاید صنما! کار بدیں آسانی

مہربانی نہ کنی بر من و مہرم طلبی
نہ دہی دادِ من و داد ز من بستانی

بیوفائی کنی و نادان سازی تن خویش
نیستی اے بت یکبارہ بدیں نادانی

از تو مارا نہ کنار و نہ پیام و نہ سلام
مکن اے دوست کہ کیفر بری و درمانی

مکن اے دوست کہ بیداد نشانی نگذاشت
عدل باز آمدہ بابو الحسن عمرانی

نو روز روزگار و نشاط است و ایمنی
پوشیدہ ابر، دشت و دیبائے ارمنی

خیل بہار خیمہ بصحرا بروں زند
واجب کند کہ خیمہ بصحرا بروں زنی

بر گل ہمے نشینی و بر گل ہمے خوری
بر خُم ہمے خرامی و بر دُن[1] ہمے دنی

دُرّ است ناخریدہ و مشک است رائیگاں
ہر چند بر فشانی و ہر چند بر چینی

شاخ بنفشہ بر سر زانو نہادہ سر
مانندہ مخالفِ بوسہل زوزنی

بادِ نوروزی ہمے در بوستاں ساحر شود
تا بہ سحرش دیدۂ ہر گلبنے ناظر شود

باد ہمچوں دزد گردد ہر سوے دیبا بائے
بوستاں آراستہ چوں کلبۂ تاجر شود

نوبہار ایں جامۂ صد رنگ پوشد تا مگر
دوستارِ دوستاں خواجہ یوطاہر شود

**متوجہری** مناظر قدرت کا نقشہ نہایت خوبی سے کھینچتا ہے۔ صحرا، سبزہ، بادل سیلاب، ہوا۔ وغیرہ وغیرہ کے اوصاف اکثر قصائد کی تمہید میں لکھے ہیں۔ اور اس خوبی سے لکھے ہیں۔ کہ اگر اس قسم کے اشعار الگ جمع کر دیئے جائیں۔ تو نیچرل شاعری کا ایک عمدہ مجموعہ تیار ہو جائے گا۔

ایک قصیدہ میں سفر کا حال لکھتے لکھتے آب و ہوا کے طوفان کا حال لکھا ہے اس موقعہ پر ہوا کے جھونکے، بجلی کی چمک، بادلوں کی گرج، پانی کے سیلاب کا نقشہ دیکھو کس طرح کھینچتا ہے۔

برآمد بادے از اقصائے بابل
ہبولیس خارہ دزد بارہ افگن

تو گفتی کز ستیغ کوہ چوگانِ سیلی
فرو بارد ہمے احجار صد من

[1] دن یعنی خُم شراب دنی، ودیدن سے مشتق ہے۔ جس کے معنے اکڑ کے چلنے کے ہیں۔

زروے بادیہ برخاست گردے | کہ گیتی کرد ہمچوں خرّہ ادکن
چناں کز روے دریا بامداداں | بخار آب خیزد دیگاہ بہمن
برآمد زاغ رنگ و مار پیکر | یکے میغ از سنیغ کوہ قارن
چناں چوں صد ہزاراں خرمن تر | کہ عمداً عامل دہقانی آتش بہ خرمن
بجستے ہر زماں از تیغ برقی | کہ کردے گیتی تاریک روشن
خروشی برکشیدے تند تندر | کہ موے مرداں کردے چو سوزن
تو گفتی نائے رومی ہر زمانے | بگوش اندر دمیدے یک دمیدن
بلرزیدے زمیں از زلزلہ سخت | کہ کوہ اندر فتادے زو بگردن
تو گفتی ہر زمانے زندہ پیلے | بلرزاند ز رنج پشتگان تن
فرو بارید بارانے ز گردوں | چناں چوں برگ گل یا روز گلشن
ویا اندر تموزی مہ ببارد | چراو منتشر بر بام و برزن
ز صحرا سیلہا برخاست ہر سو | دراز آہنگ و پیچاں و ژرین گن
چو ہنگام عزایم زی معسکرم | تنک خیزند ثعبانان رمین
نماز شامگاہاں گشت صافی | ز روے آسماں ابر معکن

بہار کی تعریف شعرائے ایران کا ایک عام موضوع ہے جس پر ابتدا سے آج تک سب طبع آزمائیاں کرتے آئے ہیں۔ لیکن قدما اور متاخرین میں سے کسی نے منوچہری کی طرح نیچر کی تصویر نہیں کھینچی، اس نے سینکڑوں جگہ بہار کا نقشہ دکھایا ہے اور ہر جگہ گویا فطرت کی تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے۔ وہ اور شعرا کی طرح صرف گل و بلبل پر قناعت نہیں کرتا، بلکہ ایک ایک پتے، پھول، پھل، شاخ، درخت، اور ان سب سے بڑھ کر جانوروں اور پرندوں کی صورت اور حالت دکھاتا ہے۔

پرندوں کی حالت۔

کبکان بے آزار کہ بر کوہ بلندند | بے قہقہ یکبار ندیدم کہ بخندند
جز خار بنان[1] جائیگہ خود نہ پسندند | بر پہلو ازیں نیمہ بداں نیمہ بدندند[2]

[1] خاربنان خارزار

[2] دندند سے خراہند۔

هر ساعتگی سینه بمنقار برند
چوں جزع[1] بر و سینه و چوں سبد منقار[2]

شبگیر ز گل فاختگان بانگ برآرند
گوئی کہ سحرگاہ ہمے خواب گزارند

وقت صبح یا ماہ شب[3] یعنی ہلال
شب از برگردن بنگارند
از غالیہ بے آنکہ ہمے غالیہ دارند

صد بار بروزی در پر[4] ہا بشمارند
چوں نیم و بیری کہ غلط کردہ باشمار[5]

ہر ساعتگی بط سخنے چند بگوید
در آب جہد جامہ دگر بار بشوید

در آب کند گردن و در آب بروید
گوئی کہ مگر چیزے در آب بجوید

چوں سینہ بجنباند دیک لخت بپوید
از ہر سر پرش بجہد صد دُر شہوار

آمد نوروز دہم از بامداد
آمد نشش فرخ و خرخندہ باد

باز جہاں خرم و خوب ایستاد
مُرد زمستان و بہاراں بزاد

را بر سیہ روے سمن بوے راد
گیتی گردید چو دار الفرار

روئے گل سُرخ بیاراستند
زلفک شہشاد بہ پیراستند

کبکاں بر کوہ بتک خواستند
فاختگان ہمبر بنشاستند

بلبلکان زیر ستا خواستند
نالے زنان بر سر شاخ چنار

طوطیکان بر گلگان تاختند
آہوکاں گوش برافراختند

گورخراں میمنہا ساختند
زاغان گلزار بہ پرداختند

بے ولکان در پے دل تاختند
با تُرکان چگل و قندھار

مُرغ نہ بینی کہ چہ خواندہ ہمے
میغ نہ بینی کہ چہ راندہ ہمے

دشت نہ بینی بچہ ماندہ ہمے
دوست نہ بینی چہ ستاندہ ہمے

---

[1] جزع مہرہ سلیمانی کہ سفیدہ سیاہ باشد [2] بُسد۔ یاقوت [3] کہتا ہے کہ قرباں اس طرح بار بار اپنے پروں کو گنتی میں اکھولتی ہیں) جس طرح کہ نوآموز حساب واں بار بار حساب بھول جاتا ہے۔ [4] ہر کاغذ کو الٹتا ہے [5] شمار، شمار۔

باغ بتاں را بشاند ہمے
بر سمن و نسترن و لالہ زار

کردہ گلو پُر زباد قمری سنجاب بوش
کبک فرو ریختہ مشک بسو راخ گوش
بلبلکاں با نشاط قمریکان با خروش
در دہن لالہ مشک در دہن نخل نوش

سوسن کافور بوئے گلبن گوہر فروش
از مہ اردی بہشت دہر بہشت بریں

چوک ز شاخ درخت خویشتن آویختہ
زاغ سیہ پر و بال عالیہ آمیختہ
ابر بہاری ز دور اسپ برانگیختہ
وز سم اسپ سیاہ لولو تر ریختہ

در دہن لالہ باد ریختہ و بیختہ
ریختہ مشک سیاہ بیختہ در ثمین

سرو سماطی کشید بر دو لب جوبار
چوں دو ردہ چتر سبز در دو صف کارزار
مرغ نہاد آشیاں بر سر شاخ چنار
چوں سپہ خیزراں بر سر مرز سوار

گشت نگارین تدرو پنہاں در کشت زار
ہمچو عروسی عریق درین دریائے چین

گوئی بط سفید جامہ بہاموں زدہ است
کبک دری ساق پائے نرقدح خوں زدہ است
برگل تر عندلیب گنج قریدوں زدہ است
لشکر چین در بہار در کہ دُہاموں زدہ است

لالہ سوئے جوبار خرگہ بیروں زدہ است
خرگہ او سبزگوں خیمۂ او آتشیں

بادل جب برستے ہیں تو کبھی قطرہ افشانی ہوتی ہے۔ کبھی ننھی ننھی پھوہار پڑتی ہے۔ کبھی جھڑی لگ جاتی ہے، سبزہ پر مختلف قسم کے پھولوں پر، تالاب کی سطح پر، بوندوں کے پڑنے سے طرح طرح کی صورتیں پیدا ہو کر ہر ایک کا الگ الگ سماں نظر آتا ہے۔ منوچہری نے ایک موقع پر تشبیہات کے پیرائے میں اس کی تصویر کھینچی ہے۔

آں قطرہ باراں ہیں از ابر چکیدہ
گشتہ سر ہر برگ ازاں قطرہ بہ آتار
آویختہ چوں ریشہ و دستار چہ سبز
سیمیں گرہے بر سر ہر ریشہ و دستار
یا ہمچو زبرجدگوں یک دسند سوسن
اندر سر ہر سوسن یک لولو شہوار

واں قطرۂ باراں کہ فرو بارد شبگیر — بر طرف چمن بر دو رخ سرخ گلنار
گوئی بہ مثل بیضۂ کافور ریاحی — بر بیرم حمرا بہ پراگندش عطار
واں قطرۂ باراں کہ فرود آید از شاخ — بر تازہ بنفشہ نہ بتعجیل بہ ادرار
گوئی کہ مشاطہ ز بر فرق عروساں — ما درد ہمے ریزد باریک آہستہ بہ مقدار
واں قطرۂ باراں کہ چکد از برِ لالہ — گردد طرف لالہ ازاں باراں بنگار
پنداری تیخالۂ خرد ک بدمیدست — بر گرد عقیقین دو لب دلبر عیار نگین
واں قطرۂ باراں کہ برافتد بہ سر خوید — چوں قطرۂ سیماب برافتادہ بہ زنگار
واں دائرہ ہا بنگر اندر شمر آب — ہر گہ کہ دراں آب چکد قطرۂ امطار
چوں مرکز پرکار است آں قطرۂ باراں — واں دائرہ آب بسانِ خطِ پرکار
ہر گہ کہ ازاں دائرہ انگیزد باراں — در باد در و چین و شکن خیزد ہر بار
گوئی علمی از سقلاطون سپید است — وز باد جہندہ متحرک شدہ بسیار
وانگہ کہ فرو بارد باراں بہ قوت — گیرد شکنِ آب دگر صورت و آثار
گردد شمر ایدوں چو یکے دام کبوتر — دیدار ز یک حلقہ بسے سیمیں منقار

**سراپانگاری** حلیہ نگاری یعنی کسی خاص چیز کا سراپا لکھنا اور اس کے تمام اوصاف کا بیان کرنا منوچہری اس کا گویا موجد ہے۔ قصائد میں شعرا بادشاہ کی مدح کے ساتھ تلوار، گھوڑے وغیرہ کی تعریف بھی کرتے ہیں۔ عبدالواسع جبلی اور عرفی شیرازی اس میدان میں سب سے آگے ہیں لیکن ان کے ہاں محض خیالی باتیں ہیں۔ بخلاف اس کے منوچہری نے تصویر کھینچ کر رکھ دی ہے۔ اس کے ساتھ اکثر صنعت تنسیق الصفات کا التزام کیا ہے۔ اور وہاں اس کی قدرت زبان کا اندازہ ہوتا ہے۔ کہ بے تکلف موزوں اور مناسب الفاظ کا انبار لگا تا چلا جاتا ہے۔

**گھوڑا**

جنّدا اسپے مجلّل مرکبے تازی نژاد — نعل او پرویں نشان و سُم او خارا شکن
رام زین و کش خرام و خوش عنان و تیز گام — شیخ بورد و راہ جوی و سیل برد و کوہ کن
پشت او ی و دست و پے گوش او ی و گردنش — چوں رسن تابان و چوں رماح و چوں سنان و چوں محجن
گاہش اندر شیب تازم گاہ تازم بر فراز — چوں کسے کو گاہ بازی بر نشیند بر رسن
دیر خواب و زود خیز و تیز سیر و دور بیں — خوش عنان و کش خرام و پاک زاد و نیکخوی
سخت پائے و ضخم ران و راست دست و گرد سُم — تیز گوش و پہن کپّت و نرم چرم و خورد موی

| | | |
|---|---|---|
| ابر سیہ دبادہ گردد رعد بانگ و برق جہ | | کوہ و کب و سیل بردشیخ نورد و راہ جوی |
| گور ساق و شیر زہرہ یوز تازو عزم تگ | | پیل گام و گرگ سینہ رنگ تاز و گرگ پوی |
| تیز چشم آہن جگر فولاد دل کبخت لب | | سیم دنداں چاہ بینی نادہ کام و لوح روی |
| نیزہ و گرز و کمند و ناچخ و تیر و کمان | | گردن و گوش و دم و سم و دہان و ساق اوی |
| ببر جہ، باد گرز، یوز دو، و کوہ قرار | | شیر تگ، پیل قدم، گور دو آہو پرداز |
| گوش و پہلو و میان و کتف و جبہہ و ساق | | تیز خربی و نزار و قوی و پہن و رر از |
| رہ، بروشخ شکن، و شیر دل، و دیر عناں | | خوش رو، و سخت سم و پاک تن، و جنگ آغاز |

منوچہری نے اگرچہ کوئی مثنوی نہیں لکھی جس سے واقعہ نگاری کی ترقی کا قدم آگے بڑھتا، لیکن اکثر قصائد کی تمہید میں وہ واقعہ نگاری کا پیرایہ ڈھونڈھ لیتا ہے۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مسلسل داستان لکھ رہا ہے، ان موقعوں پر اس کی قوت بیان کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ محض مداحی کے لئے قصیدہ نہیں کہتا بلکہ زبان کی ترقی دینے کو پیش نظر رکھتا ہے۔ ایک قصیدہ میں عرب کے انداز پر قافلہ کی روانگی، محبوب کی رخصت، اور سفر کے حالات لکھے ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| الا یا خیمگی خیمہ فرو ہل | | کہ پیش آہنگ بیروں شد ز منزل |
| بتیرہ زن بزد طبل نخستیں | | شتر باناں ہمے بندند محمل |
| نماز شام نزدیک است امشب | | مہ و خورشید را بینم مقابل |
| ولیکن ماہ دارد قصد بالا | | فرو شد آفتاب از کوہ بابل |
| چناں دو کفۂ زریں ترازو | | کہ ایں کفہ شود زاں کفہ مائل |
| نگار من چو حال من چناں دید | | ببارید از مژہ باران و ابل |
| بیاید او فتاں خیزاں بر من | | چو آں مرغے کہ باشد نیم بسمل (جھڑی ۱۲) |
| دو ساعد را حمائل کرد بر من | | فرو آویخت از من چوں حمائل |
| چو برگشت از من آں معشوق ممشوق | | نہادم صابری را سنگ بر دل |
| نگہ کردم بہ گرد کاروان گاہ | | بہ جائے خیمۂ وجائے رواحل |
| نہ وحشی دیدم آنجا و نہ انسے | | نہ راکب دیدم آنجا و نہ راجل (پیادہ ۱۲) |
| نجیب خویش را دیدم بہ یکسو | | چو دیوے دست و پا اندر سلاسل (گھوڑا ۱۲) |

| | |
|---|---|
| گشادم ہر دو زانو بندش از بند | چو مرغے کش کشاید از حبائل |
| برآوردم زمامش از بنا گوش | فرو ہشتم ہویدش تا بہ کاہل |
| چو مستاحی کہ پیماید زمیں را | بہ پیمودم بپائے او مراحل |
| ہمے رفتم شتاباں در بیاباں | ہمے کردم بیک منزل دو منزل |
| ہمے بگداخت برف اندر بیاباں | تو گوئی دارویش بیماریٔ سل |
| چو پاسے از شب ویرندہ بگزشت | برآمد شعریاں از کوہِ موصل |
| رسیدم من قرار کارواں تنگ | چو کشتی کو رسد نزدیک ساحل |
| جرس دستاں گوناگوں ہمیزد | لبانِ عندلیبے از عنادل |
| زنوک نیزہ ہائے نیزہ داراں | شدہ وادی چو اطراف سنابل |
| نجیب خویش را گفتم سبکتر | الایا دستگیر مرد فاضل |
| بچرکت عنبریں بادا چراگاہ | بکم کتِ آہنین بادا مفاصل |
| بیاباں در نوردو کوہ بگذار | منازلہا بکوب در راہ بگسل |
| فرود آور بدرگاہِ وزیرم | فرود آوردن اعشی بہ باہل |

قسامِ سخن میں سے منوچہری کے مسمطات[1] مشہور ہیں۔ وہ درحقیقت اس طرز کا موجد ہے۔ اور خود بھی اس کو اس پر ناز ہے۔ چنانچہ کہتا ہے۔

| | |
|---|---|
| طاؤس مدیح عنصری خواند | دُرّاج مسمطِ منوچہری |

ان مسمطات میں اکثر جگہ واقعہ نگاری کے نئے نئے اسلوب اختیار کئے ہیں۔ ایک مسمط میں انگوروں کے پھلنے اور اُن سے شراب کھینچنے کو ایک حکائت کے پیرایہ میں ادا کیا ہے۔ یعنی انگور ایک عورت ہے۔ اُس نے لڑکیاں جنی ہیں۔ انگور والا خوش ہے۔ کہ یہ میری لڑکیاں ہیں۔ اکثر آ آ کر دیکھتا ہے۔ اور خوش ہوتا ہے۔ اتفاق سے اُسے باہر جانا پڑا۔ آ کر دیکھا تو بچوں کے سُرخ سفید، چہرے سیاہ ہوگئے ہیں۔ اور اُن کے پیٹ نکل آئے ہیں۔ اس کو سخت رنج ہوا کہ یہ لڑکیاں بدکار نکلیں۔ لڑکیوں نے عذر خواہی کی، لیکن اُس نے نہ مانا اور ان کے گلے کاٹ ڈالے، اسی طرح شراب کھینچنے کی اخیر حالت تک حکائت کے پیرایہ میں بیان کی ہے۔

[1] مسمط میں چھ مصرعے ہوتے ہیں جن میں سے پانچ مصرعوں کے قافیے متحد ہوتے ہیں۔

شاخِ انگور کہن دختر کاں زاد بسے
کہ نہ از دردِ نبالیدو نہ برزد نفسے
ہمہ را زاد بیک دفعہ نہ پیش و نہ پسے
نہ در اقابلۂ بود نہ فریاد رسے

ایں چنیں آسان فرزند ندیدست کسے
کہ نہ دردے بگرفتش متواتر نہ پتے

چوں نگہ کرد براں دختر کاں مادر پیر
سیر بود ند یکایک چہ صغیر و چہ کبیر
گرد شاں مادرِ لبستر ہمہ از سبز حریر
نہ خورش داد مراں بچگاں را ہیچ و نہ شیر

نہ شغب کردند آں بچگان نہ ہیچ نفیر
بچۂ گرسنہ دیدی کہ ندارد شغبے

بچگانش بنہادند تنِ خویش بر آب
نہ جہیدند و نہ جستند ازاں لستر خواب
گرد کردند سرِ ین، محکم کردند رقاب
رو یہا یکسرہ کردند بہ زنگار خضاب

دادشاں رزبان پوسیدہ شراب چو گلاب
نشد از جانب شاں غائب روز و نہ شبے

گفت پندارم کیں دختر کاں آں من اند
چوں دل و چوں جگر و چوں تن و چوں جانِ من اند
تا بباشند دریں زردر مہمان من اند
زر فردوس من ست ایشاں رضوان من اند

نادریں باغ و دریں خان و دریں مان من اند
دارم اندر سرشاں سبز کشید شطبے

در چو بکشاد بداں دختر کاں کرد نگاہ
دید چوں زنگی ہر ک را دو ردے سیاہ
جاے جاے بچہ تاباں چوں زہرہ و ماہ
بچۂ سرخ چو خوں و بچۂ زرد چو کاہ

سرنگونسار ز شرم در د تیرہ ز گناہ
ہر یکے با شکم حاملہ و با ناز بسے

زربان را بہ دو ابروے در افتادہ گرہ
گفت لا حول ولا قوۃ الا باللہ
ایں بلائے بچگان در حق من آمدہ زہ
ہمہ آبستن گشتند بیک شب کہ دمہ

نیست یکتن بمیاں ہمگان ایدر بہ
ایں چنیں زانیہ باشد بچۂ ہر عضبے

دختراں را ز گویند کہ مالے گنہیم
ما تنِ خویش بدست بنی آدم نہ دہیم

| | | | |
|---|---|---|---|
| ما ہمہ سر بسر آبستنِ خورشید و مہیم | | ما تو انیم کہ از خلق جہاں دور جہیم | |
| نتوانیم کہ از ماہ و ستارہ بر ہیم<br>ز آفتاب و مہ ما ں سود ندارد و ہر ہے | | | |
| روز ہر روزی خورشید تباہد بر ما<br>چوں شب آید بر دو خورشید از محضرما | | خویشتن در فگند بر تن ما و سر ما<br>ماہتاب آید و بر چید در پیکر ما | |
| دیں دو تن وور نہ گردند زبام و در ما<br>نکند، ہیچ کس ایں بے ادباں را ادبے | | | |

منوچہری کی خصوصیات میں ایک بڑی چیز تشبیہ کی صنعت ہے۔ جہاں کسی منظر یا حالت کا بیان کرتا ہے سینکڑوں نئی تشبیہیں پیدا کرتا جاتا ہے۔ اور یہ اس کا خاص انداز ہے۔ اِس بہتات کے ساتھ کوئی تشبیہ جدت سے خالی نہیں ہوتی۔ اِس زمانہ تک خیالی اور فرضی تشبیہیں پیدا نہیں ہوتی تھیں۔ اس لئے عموماً تمام شعرا محسوسات اور مادیات سے تشبیہ دیئے تھے لیکن وہی چند مفرد تشبیہیں تھیں۔ جو بار بار ادا ہو کر متبذل ہو گئی تھیں منوچہری کی اکثر تشبیہیں مرکب ہیں۔ اور اس کے ساتھ خاص جدت ہے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں۔

آفتاب کا صبح کے وقت بتدریج طلوع ہونا۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| بکردار چراغ نیم مُردہ | | کہ ہر ساعت فزوں گردوش روغن | |

یعنی آفتاب کی روشنی اِس طرح آہستہ آہستہ بڑھتی جاتی ہے۔ کہ جس طرح ایک چراغ جو بجھ چلا تھا۔ اس میں کوئی شخص بتدریج تیل ڈالتا جاتا ہے۔

زمین کا بھونچال سے لرزنا۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| تو گفتی ہر زمانے زندہ پیلیے | | بلرزاند ز ریخ پشہ گاں تن | |

یعنی زمین بھونچال سے اِس طرح جنبش میں ہے جس طرح ہاتھی مچھروں کی اذیت دینے سے جھُرجھُریاں لیتا ہے۔

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ہلال | چناں چوں دو سر از ہم باز کردہ | | ز زر سرخ یک دست آورستجن | |

یعنی پہلی رات کا چاند اس طرح نظر آتا ہے۔ کہ گویا کسی نے طلائی کڑے کے دونوں سرے کھول دیئے ہیں۔

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| بید کے پتے | داں برگہائے بید تو گوئی کسے بہ قصد | | پیکانہائے پہن ز برجد کند ہمے | |

بید کے پتے ایسے معلوم ہوتے ہیں۔ کہ گویا کسی نے دانستہ زمرد کے پیکاں چوڑے بنائے ہیں

بولو یک پیکے نامہ زدہ اندر سر خویش　　نامہ گہ بار کند گہ شکند بر شکنا

ہُدہُد گویا نامہ بر ہے جس نے خط کو اپنی پگڑی میں کھونس لیا ہے۔ کبھی اس کو کھولتا ہے۔ کبھی تہ کرکے لپیٹ لیتا ہے۔

ہُدہُد اکثر اپنی کلغی کو پھیلا دیتا ہے۔ اور پھر سمیٹ لیتا ہے۔

مناظر قدرت کے اشعار جو اوپر گزرے ہیں ان میں بھی اکثر تشبیہات ہیں، ان کو بھی سامنے رکھنا چاہیئے۔

# پانچویں اور چھٹی صدی

پانچویں صدی کے آغاز میں اگرچہ شاعری کی ترقی کی رفتار گھٹ گئی جس کی وجہ یہ تھی کہ اس صدی کے وسط میں **غزنوی** حکومت کا زوال شروع ہو چلا تھا۔ اور نئی طاقتیں ابھی شباب تک نہیں پہنچی تھیں۔ لیکن صدی کے ختم ہوتے ہوتے جبکہ غزنوی سلطنت کا زور سلجوقیہ کی طرف منتقل ہو گیا، دفعتہً بحر سخن میں طوفان آگیا، سلجوقیہ کا پہلا فرماں روا رکن الدین طغرل بک تھا جو محرم ۴۲۹ھ میں بمقام نیشاپور مسند نشین ہوا۔ اس سلسلہ نے اگرچہ صرف ۱۶۳ برس کی عمر پائی لیکن اتنی ہی تھوڑی مدت میں جو باتیں اس نے حاصل کیں، تاریخ اسلام کو، اس سے گوناگوں اور وسیع تعلقات ہیں۔ اوّل تو اس سلطنت نے جو وسعت پیدا کی، ابتدائے اسلام سے آج تک کبھی کسی عہد میں نہیں ہوئی تھی۔ اسی کے ساتھ عدل و انصاف اور امن و امان کا یہ حال تھا کہ خراسان سے شام تک ایک رہرو تن تنہا سونا اچھالتا جاتا تھا۔ اور کوئی خبر پرساں نہیں ہوتا تھا۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ ایران، عراق، روم میں جو بڑی بڑی پُرزور سلطنتیں قائم ہوئیں۔ سب کی سب اسی سلسلہ کی شاخیں تھیں، ترکوں سے پہلے جو سلاطین شاہانِ روم کہلاتے تھے۔ اسی خاندان کی ایک شاخ تھے۔ سلاطین خوارزم شاہیہ جن کی شوکت و شان محتاج بیان نہیں۔ اُن کا مورث اوّل، یعنی **نوشتگین** اسی خاندان کا غلام در غلام تھا۔ **اتابکوں** کے متعدد خاندان جن میں سے **نورالدین** زنگی، سلطان صلاح الدین کا آقا **قزل ارسلان** ظہیر فاریابی کا ممدوح، اور **اتابک ابوبکر بن سعد** زنگی شیخ سعدی کا مربی اور سرپرست تھا سب

اِسی خاندان کے غلام، یا خدمتگزار تھے۔

سلجوقیہ کی اوج شباب کا زمانہ **ملک شاہ** اور **سنجر**[1] کا زمانہ ہے۔ اور یہی دَور فارسی شاعری کا معراج شباب ہے۔ سلجوقی شعرا کی فہرست نہائت وسیع ہے جن میں سے چند نام یہ ہیں۔ **امیر معزی**، **ارزقی**، **لامعی**، فخرالدین اسعد، شہابی خراسانی، **عبدالواسع جبلی**، **انوری**، **حسن غزنوی**، رضی الدین نیشاپوری، **ادیب صابر**، علی باخرزی، فتوحی مروزی، فرقدی، کافی ہمدانی، **نظامی عروضی**، **نظامی گنجوی**، شمس الدین خراسانی **سوزنی**، ابوالمعالی، (مجمع الفصحا کے دیباچہ میں اور بہت سے نام لکھے ہیں۔)

اِس دَور کی چند خصوصیات لحاظ کے قابل ہیں۔

اِس عہد تک شاعری نے اگرچہ بے انتہا ترقی کر لی تھی لیکن یہ ترقی صرف مضمون اور فن کی حیثیت سے تھی۔ شاعری کی زبان اب تک ٹکسالی نہ تھی، شاعری کی بنیاد سامانی حکومت میں قائم ہوئی۔ اور غزنویہ کے عہد میں اوج ترقی تک پہنچی، اِن خاندانوں کے پایۂ تخت، بخارا اور غزنین تھے، جہاں کی مادری زبان، ترکی یا افغانی تھی، شعرا جس قدر تھے من حیث الاغلب سب کے سب انہیں مقامات کے رہنے والے تھے۔ جو ایران کے اصلی مرکز یعنی شیراز، اصفہان و نیشاپور سے دُور تھے۔ **فرخی**، سیستانی تھا، **عنصری** بلخ کا رہنے والا تھا۔ **منوچہری** دامغان سے تعلق رکھتا تھا۔ **عسجدی** اور **دقیقی** مرو کے رہنے والے تھے۔ **سلجوقیہ** نے نیشاپور کو پایۂ تخت قرار دیا۔ اِس تعلق سے اُن لوگوں میں شاعری پھیلی جو ایران کی زبان کے اصلی مالک تھے۔ اسی کا اثر ہے کہ اس عہد کے شعرا کی زبان زیادہ لطیف شیریں، اور محاورات اور مصطلحات سے لبریز ہے۔

اِس عہد میں فارسی زبان کی ترقی کی ایک اور وجہ یہ ہوئی کہ اب تک، تمام اسلامی سلطنتوں کی علمی اور دفتری زبان عربی تھی۔ سلطان محمود اپنے ملکی اور قومی خصوصیات کا دلدادہ تھا۔ تاہم دفتر کی زبان اس کے عہد میں بھی عربی ہی رہی، فرامین اور توقیعات تک اسی زبان میں لکھے جاتے تھے۔ لیکن الپ ارسلان سلجوقی جب تخت نشین ہوا تو اُس نے حکم دیا کہ دفتر کی زبان فارسی کر دی جائے۔ چنانچہ دولت شاہ سلجوقی نے طبقۂ اوّل کے۔

---

[1] ملک شاہ ۴۶۵ھ میں تخت نشین ہوا، ۴۸۵ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد سنجر نے اپنے بھائیوں کی طرف سے نیابۃً بیس برس تک اور پھر مستقل حکومت کی اور ۵۵۲ھ میں انتقال کیا۔

شعرا کا جہاں ذکر شروع کیا ہے تفصیل سے اس واقعہ کو لکھا ہے، یہ ظاہر ہے کہ فارسی زبان جس کے عنصر میں ترقی کا مادہ موجود تھا سلطنت کی زبان بن کر کس قدر ترقی کر گئی ہوگی۔

**سلطان سنجر** کی قدردانی اور خاتمانہ فیاضی نے پھر وہی محمودی دربار قائم کر دیا۔ **میر معزی** کو ملک الشعرا کا خطاب ملا اور بڑے بڑے شعرا پائے تخت کے شاعر قرار پائے دولت شاہ لکھتا ہے۔

اما از شعرائے بزرگ کہ در دور سلطان سنجر بودہ اند۔ و مدح سلطان گفتہ اند۔ و صلہ و تربیت یافتہ، ادیب صابر است و رشید و طواط و عبدالواسع جبلی و فرید کاتب، و انوری خاوری، و ملک عمادی، و سوزنی، و سید حسن غزنوی و مہستی دبیرہ کہ محبوب سلطان و طریقہ روزگار بود[1]

سنجر کی شاعرانہ مذاق اور قدردانی کی داستانیں اکثر تذکروں میں مذکور ہیں، اُن سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ شاعری کی قدر و قیمت اِس کے دربار میں کیا تھی۔

ایک دفعہ ارکان دولت کے ساتھ، عید کا چاند دیکھنے نکلا، سب سے پہلے ہلال پر اُسی کی نظر پڑی، خوشی سے اُچھل پڑا، سب کو انگلی کے اشارے سے بتایا۔ ساتھ ہی حکم دیا کہ کوئی شاعر فی البدیہہ ہلال کی تعریف میں شعر سنائے۔ معزی اس وقت تک دربار میں امیدواری کرتا تھا، موقع پا کر اس نے برجستہ کہا۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| اے ماہ چو ابروان یاری، گوئی | | یا ہمچو کمان شہریاری، گوئی | |
| نعلے زدہ از زر عیاری، گوئی | | در گوش سپہر گوشواری، گوئی | |

یعنی اے چاند، تو ابروئے معشوق ہے، یا بادشاہ کی کمان، یا سونے کا نعل، یا آسمان کے کان کا آویزہ۔

سنجر نے اسپ خاصہ اور پانچہزار درہم عطا کئے۔ معزی نے پھر برجستہ کہا۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| چوں آتش خاطر مرا شاہ بدید | | از خاک مرا بر زبر ماہ کشید | |
| چوں آب یکے ترانہ از من بشنید | | چوں باد یکے مرکب خاصم بخشید | |

سنجر نے ہزار دینار کے عطیہ کے ساتھ حکم دیا کہ شاہی لقب اس کے خطاب میں شامل کیا جائے۔

چونکہ سنجر کا لقب معزالدین تھا۔ اس لئے **معزی** لقب ملا جو آج تخلص ہو کر مشہور ہے۔

ایک دفعہ سلطان **سنجر**، گیند کھیل رہا تھا، اتفاق سے گھوڑے نے شوخی کی، اور سنجر گھوڑے سے گر گیا۔ **معزی** نے برجستہ یہ رباعی پڑھی۔

| | |
|---|---|
| شاہا ادبے کن، فلکِ بد خورا | کو چشم رسانید رخ نیکورا |
| گر گوے خطا کرد بہ چوگا نش زن | در اسپ خطا کرد بہ من بخش اورا |

یعنی اے بادشاہ! آسمان کو ذرا تنبیہ کر دیجئے۔ اس نے آپ کو نظر لگا دی، اگر گیند کی خطا ہے تو چوگاں سے اس کو ماریئے، اور گھوڑے کا قصور ہے تو میرے حوالہ فرمایئے اخیر کا مصرع دو پہلو رکھتا ہے۔ سنجر نے گھوڑا معزی کو عنایت کیا، معزی نے دوبارہ رباعی پیش کی،

| | |
|---|---|
| رفتم بر اسپ تا بہ جرمش بکشم | گفتا کہ نخست بشنو ایں عذر خوشم |
| نے گاؤ زمینم کہ جہاں بر گیرم | نے چرخ چہارمیں کہ خورشید کشم |

یعنی میں نے گھوڑے کو سزا دینی چاہی، اس نے کہا کہ پہلے میرا عذر تو سن لیجئے۔ میں کچھ گاؤ زمین تو نہیں کہ عالم کا بار اٹھاؤں، نہ چوتھا آسمان ہوں کہ آفتاب کو لئے پھروں مطلب یہ کہ **سلطان** سنجر کا بار اٹھانا گاؤ زمیں اور آفتاب کا کام ہے۔

**مہستی** ایک مشہور شاعرہ تھی، جس کی حاضر جوابیاں اور ظریفانہ فقرے مشہور عالم ہیں۔ سنجر کی شاعرانہ صحبتوں میں وہ بھی شریک ہوا کرتی تھی، ایک دفعہ مجلس عیش قائم تھی **مہستی** بھی موجود تھی، کسی کام سے باہر نکلی تو دیکھا برف پڑ رہی ہے، واپس آئی، **سنجر** نے پوچھا ہوا کا کیا رنگ ہے مہستی نے فی البدیہہ رباعی پڑھی۔

| | |
|---|---|
| شاہا فلکت اسپ سعادت زین کرد | وز جملہ خسرواں ترا تحسین کرد |
| تا در حرکت، سمند زرین نعلت | بر گل نہ نہند پائے، زمین سیمین کرد |

یعنی آسمان نے اس غرض سے کہ آپ کے گھوڑے کے پاؤں خاک پر پڑنے نہ پائیں۔ زمین پر چاندی بچھا دی، سنجر نہایت محظوظ ہوا، اور اسی دن سے مہستی سنجر کے مقربین میں داخل ہو گئی۔

غزنوی خاندان نے بھی اس عہد میں سنبھالا لیا۔ **بہرام شاہ** جو سلطان محمود کی چوتھی پشت میں تھا، اور ۵۱۲ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ نہایت شان و شوکت کا بادشاہ اور نہایت علم دوست اور مربی فن تھا۔ تاریخ فرشتہ میں اس کا تذکرہ ان لفظوں سے شروع کیا گیا ہے۔

او پادشاہے بود، ذی شوکت، وصاحب حشمت، با علما و فضلا بسیار نشستے، وصحبت ایشاں دوست داشتے، وہر کسے را بقدر علمش رعائت کردے۔ لہذا فضلائے آں روزگار باسم شریفش کتب ساختہ اند و تصنیفات پرداختہ اند۔

**کلیلہ دمنہ** جس کا ترجمہ پہلوی زبان سے عبداللہ ابن المقفع نے عربی میں کیا تھا۔ بہرام شاہ کے حکم سے فارسی زبان میں ترجمہ کی گئی، اور یہ پہلا دن تھا کہ ایران اور ہندوستان میں اس کا عام رواج ہوا۔ بہرام شاہ ہی کو یہ فخر نصیب ہوا کہ **حکیم** سنائی نے جو تعلقات دنیوی سے آزاد ہو چکے تھے۔ اپنی کتاب **حدیقہ** اس کے نام پر لکھی (بہرام شاہ نے ۵۴۷ھ میں وفات پائی)

ان سلاطین کے علاوہ، اور بڑے بڑے دربار تھے جہاں شاعری کی تربیت کی جاتی تھی۔ ان میں سب سے زیادہ علم دوست طغان شاہ سلجوقی تھا۔ چہار مقالہ میں لکھا ہے۔

آل **سلجوق** ہمہ شعر دوست بودند، اما ہیچکس شعر دوست تر از طغان شاہ الپ ارسلان نبود۔ محاورت و معاشرت او ہمہ با شعرا بود و ندیمان او ہمہ شعرا بودند، چوں امیر عبداللہ قریشی و ابوبکر ارزنی و ابو منصور **یوسف**، و **شجاعی قوی** و احمد بدیہی و حقیقی و یسمی اینہا مرتب خدمت بودند و آیند و روند بسیار بودند۔"

اسی طرح شروان شاہ کے دربار کا ملک الشعرا **خاقانی** اور خوارزم شاہ کا **رشید الدین** وطوطہ تھا۔

بہرام شاہ کے عہد کا یہ کارنامہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ تصوف اور اخلاقی شاعری کا سنگ بنیاد اسی عہد میں رکھا گیا۔ اور صدی کے ختم ہونے سے پہلے پہلے یہ عمارت گویا انجام کو پہنچ گئی۔ چنانچہ اس کی تفصیل حکیم سنائی، اوحدی، اور خواجہ فرید الدین عطار کے حالات میں آئے گی۔

**فلسفیانہ** شاعری بھی اسی دور کی یادگار ہے، فلسفہ کے خیالات سب سے پہلے حکیم ناصر خسرو نے اشعار میں ادا کئے لیکن وہ محض فلسفہ ہی فلسفہ تھا۔ شاعری نہ تھی برخلاف اس کے اس عہد میں **عمر خیام** نے فلسفیانہ مسائل اور خیالات کو اس انداز

سے ادا کیا کہ ظاہر میں آدمی کو اس میں صرف شاعری نظر آتی ہے، حالانکہ وہ فلسفیانہ نازک مسائل ہیں۔ جو دلکش اور دلفریب پیرایہ میں ادا کر دیئے گئے ہیں۔

اِس عہد تک، شاعری میں عشق و عاشقی کی رُوح نہ تھی، مثنوی، رزم پر محدود تھی قصائد کا قصود مداحی تھا، تشبیب میں معشوق کا جو ذکر کرتے تھے، وہ صرف عرب کے قصائد کا اتباع تھا۔ ساقی اور حسین بچوں کا ذکر کرتے تھے۔ تو اُس سے محض تفریح مقصود ہوتی تھی۔ جس طرح امرا کے ہاں، تازگی نظر کے لئے پیش خدمت اور غلام حسین اور خوشرو رکھے جاتے تھے۔ اس عہد میں **نظامی** نے عشقیہ شاعری کی جداگانہ صنف قائم کر دی، عرب و عجم میں، عاشقی میں جو نامور تھے یعنی مجنوں و فرہاد، ان کے حالات میں مثنویاں لکھیں۔

صرف عاشقانہ جذبات اور خیالات پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ بزم اور عاشقانہ خیالات کے اظہار کے لئے مستقل لٹریچر پیدا کر دیا۔ جس پر آگے چل کر متاخرین نے بڑی بڑی عمارتیں قائم کیں، غزل گوئی کی ایجاد گو **سعدی** سے منسوب ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ اِس صنم کدہ کے آذر **نظامی** ہی ہیں۔

قصائد کی صنف کو چنداں ترقی نہیں ہوئی، مضامین میں تو کسی قسم کی جدت پیدا نہیں ہوئی، مداحی، خوشامد، مبالغہ پہلے سے بھی بڑھ گیا، البتہ لفظی صناعیاں کمال کے درجہ کو پہنچ گئیں۔ عبدالواسع جبلی، اور رشید الدین وطواط نے الفاظ پر اس قدر قابو پیدا کر لیا کہ جس نوع، جس ترکیب، جس انداز کے الفاظ چاہتے ہیں۔ اُن کا انبار لگا دیتے ہیں قصیدے کے قصیدے ہیں جن میں تمام الفاظ ایک دوسرے کے متضاد ہیں۔ جس کو اصطلاح میں صنعت طباق کہتے ہیں۔ بعض قصیدوں میں التزام کر لیا ہے کہ الف کا حرف جو سب سے عام حرف ہے نہ آنے پائے، باوجود اس کے یہ قصائد ایسے برجستہ اور رواں ہیں۔ کہ جب تک بتا نہ دیا جائے کہ اِس میں اِس صنعت کا التزام کیا گیا ہے۔ اس طرف خیال بھی منتقل نہیں ہو سکتا اکثر قصیدوں میں یہ التزام ہے کہ ہر مصرع میں پانچ پانچ چھ چھ الفاظ ہیں۔ اور پہلے مصرع میں جس قدر الفاظ آئے ہیں۔ دوسرے مصرع کے تمام الفاظ کے ہموزن، بلکہ ہم قافیہ ہیں، باوجود اس کے کسی قسم کا تکلف نہیں معلوم ہوتا۔

**عبدالواسع** جبلی نے مسجع کو، قافیوں تک پہنچایا جس سے وہ صورت پیدا ہو گئی جس کو عوام **بحر طویل** کہتے ہیں، مثلاً۔

یا صاحبی ایش الخبر، زاں سرو قد سیمبر، کز عشق او گشتم سمر، تشنہ لب و خستہ جگر، بر کندہ جان افگندہ سر، با کام خشک و چشم تر اکردہ زغم زیر و زبر، دنیا و دین، و جان و تن، یہ ایک مصرع ہے۔

یہ قاعدہ ہے کہ جب بارش اچھی ہوتی ہے۔ تو جَو اور گیہوں کے ساتھ مختلف قسم کی زہریلی گھاس اور خاردار درخت اور بوٹے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ شاعری کے چمن میں ہجو کا خارزار اسی عہد کی یادگار ہے جس کے چمن آرا **انوری** اور **سوزنی** ہیں ہم اس دور کے چند مشہور شعرا کا تذکرہ لکھتے ہیں۔

## حکیم سنائی

محمود نام، ابو المجد کنیت، سنائی تخلص، غزنین وطن تھا۔ ابتدا میں شاعری کا پیشہ کرتے تھے۔ چنانچہ بہرام شاہ کی مدح میں بہت سے قصائد لکھے۔ جو دیوان میں موجود ہیں۔ لیکن پھر خدا نے توفیق دی اور توبہ کی، توبہ کا سبب ایک دلچسپ قصہ ہے بہرام شاہ ہندوستان کی مہم پر جا رہا تھا۔ حکیم سنائی نے چاہا کہ اس تقریب سے قصیدہ مدحیہ لکھ کر پیش کریں۔ قصیدہ تیار کر کے، دربار کے قصد سے چلے، راہ میں ایک حمام تھا یہاں ایک پاگل رہا کرتا تھا۔ اس کا معمول تھا کہ شراب خانوں سے شراب کی تلچھٹ مانگ لایا کرتا اور پی کر مست پڑا رہتا۔ اسی لئے اس کو لائے خوار کہتے تھے۔ **حکیم سنائی** حمام کے برابر سے نکلے، تو غنغنانے کی آواز سنی، ٹھیر گئے، دیکھا تو لائے خوار ساقی سے کہہ رہا ہے کہ ابراہیم شاہ کے اندھے پن کے صدقہ میں ایک پیالہ دینا، ساقی نے کہا کیا لغو بکتے ہو، ابراہیم شاہ نہایت عادل بادشاہ ہے، پاگل نے کہا، ابھی غزنین کے انتظام سے عہدہ برا نہیں ہوا۔ دوسرے ملک کا ارادہ کرتا ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا حماقت ہوگی۔

یہ کہہ کر پیالہ اٹھایا اور پی گیا۔ پھر ساقی سے کہا کہ **سنائی** کے اندھے پن کے صدقہ میں ایک پیالہ اور لانا، ساقی نے کہا، سنائی نہایت خوش فکر اور خوش طبع شاعر ہے۔ اس کی برائی کیوں کرتے ہو؟ پاگل نے کہا اس سے بڑھ کر کیا حماقت ہوگی کہ دو چار جھوٹ سچ باتیں جوڑ کر، کسی بیوقوف رئیس کے پاس جاتا ہے۔ ادب سے دست بستہ کھڑا ہوتا ہے۔ اور اس کو سناتا ہے، قیامت میں اگر سوال ہوا کہ دربار میں کیا لایا ہے تو

کیا جواب دے گا۔

**حکیم سنائی** پر یہ اثر ہوا کہ اُسی وقت سب چھوڑ چھاڑ گوشہ نشین ہو کر بیٹھ گئے، اور یہ رتبہ حاصل کیا کہ یا تو بہرام شاہ کے دربار میں بھٹی کرتے تھے۔ یا بہرام شاہ نے اپنی بہن کو اُن کے عقد نکاح میں دینا چاہا اور انہوں نے انکار کیا، چنانچہ بہرام شاہ کو جواب میں لکھا۔

| | |
|---|---|
| من نہ مرو زن وزر دجاہم | بخدا گر کنم وگر خواہم |
| گر تو تاجم دہی ز احسانم | بہ سر تو کہ تاج نہ ستانم |

**بدیع البیان** میں لکھا ہے۔ کہ سر و پا برہنہ حج کو گئے۔ وہاں سے واپس آکر غزنین میں گوشہ نشینی اختیار کی ننگے پاؤں **غزنین** کے گلی کوچوں میں پھرا کرتے تھے۔ اُن کے عزیزوں کو رحم آتا۔ ان کو اس حالت میں دیکھتے تو بے اختیار رو دیئے، یہ ان کو سمجھاتے کہ میری حالت پر رونا نہیں، بلکہ خوشی کرنی چاہیئے۔ ایک دن لوگوں نے جوتی لاکر پیش کی، اُن کی خاطر سے پہن لی، لیکن اتنا تعلق بھی اُن کی حالت میں خلل انداز ہوا۔ چنانچہ دوسرے دن جوتی اتار کر پھینک دی اور کہا کہ جو بات مجھ میں کل تھی آج نہیں، امیر خسرو نے اسی واقعہ کی طرف ایک قصیدہ میں اشارہ کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| نیست مدبر آں ترک از خود بدار و کفش ازانک | ہر شگاف از پا شنایش دین دولت را دراست |

ایک رئیس نے اُن کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ اُن کو خبر ہوئی اُسی وقت رئیس کو خط لکھا کہ

ان الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها گوشۂ دل ایں گوشہ گرفتہ را بہ تفقد ستایش خود خراب نہ کند جسم حقیر ایں بندہ نہ سزائے خشم خداوندی است۔

اس زمانہ میں شیخ ابو یوسف ہمدانی مشہور مشائخ میں سے تھے۔ حکیم سنائی نے اُن سے بیعت کی۔ شیخ ابو یوسف، ابو علی فارمدی کے مرید تھے۔ جو امام غزالی کے پیر و میں اس رشتہ سے حکیم سنائی، امام غزالی کے برادر زادہ ہیں۔

**حکیم سنائی** نے جب حدیقہ تصنیف کی، تو چونکہ اس میں ایسی باتیں بھی ہیں جو

---

لہ نفحات الانس میں بہرام شاہ کے بجائے سلطان محمود کا نام لکھا ہے۔ اسی بنا پر تاریخ فرشتہ میں اس واقعہ سے انکار کیا ہے ۔ سے یہ تمام تفصیل دولت شاہ میں ہے۔ سے نفحات۔

عام عقائد کے خلاف ہیں۔ اس لئے علماء نے سخت مخالفت کی، یہاں تک کہ بہرام شاہ تک شکائت پہنچی، بہرام شاہ نے، دار الخلافتہ بغداد سے استفتا طلب کیا، وہاں کے علماء نے لکھا کہ یہ مسائل قابل اعتراض نہیں **حکیم سنائی** نے اپنی برأت کے متعلق، ایک خط بھی بہرام شاہ کے نام لکھا۔ عبد القادر بدایونی نے اس خط کو پورا نقل کیا ہے۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس بات پر ناراض تھے کہ حکیم سنائی نے حدیقہ میں بنی امیہ کی نہائت برائی لکھی تھی۔ اور اہل بیت کی مدح میں مبالغہ کیا تھا۔ حکیم سنائی نے ان دونو باتوں کو تسلیم کیا۔ اور لکھا کہ آل مروان کی برائی خود احادیث میں آتی ہے۔ لیکن حکیم صاحب، محدث نہ تھے، ورنہ ان کو معلوم ہوتا کہ گو آل مروان کی برائی میں شک نہیں لیکن حدیثیں جو ان کی شان میں مذکور ہیں سب وضعی اور جعلی ہیں۔

حکیم سنائی کی وفات میں سخت اختلاف ہے۔ تاریخ فرشتہ میں تاریخ گزیدہ کے حوالہ سے لکھا ہے۔ کہ بہرام شاہ کے زمانہ میں وفات پائی، اسی تاریخ میں بعض فضلا کا قول نقل کیا ہے کہ ۵۲۵ھ میں انتقال ہوا۔ اور اسی سن میں حدیقہ بھی تمام ہوئی تھی۔ دولت شاہ نے ۵۷۶ھ میں لکھا ہے۔ ریاض العارفین میں ۵۴۶ھ ہے۔

نفحات میں لکھا ہے کہ مرتے وقت یہ شعر زبان پر تھا۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| | بازگشتم زانچہ گفتم زاں کہ نیست | | در سخن معنی و در معنے سخن |

تصنیفات حکیم سنائی کی تصنیفات میں ایک کلیات ہے جس میں تیس ہزار شعر ہیں، سات مثنویاں ہیں۔ حدیقہ، سیر العباد، کارنامہ بلخ، طریق التحقیق، عشق نامہ، عقل نامہ، بہروز، بہرام، حدیقہ چھپ گئی ہے۔ اور ہر جگہ ملتی ہے۔ باقی مثنویاں ناپید ہیں، البتہ سیر العباد کے بہت سے اشعار مجمع الفصحا میں نقل کئے ہیں، حدیقہ کی بہر اور وہی انداز ہے۔

کلیات میں قصائد، قطعے، غزلیں، رباعیاں سب کچھ ہے۔ اور افسوس یہ ہے کہ ان پھولوں میں ہجو کے کانٹے بھی ہیں۔

حکیم سنائی کے کلام کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

(۱) تشبیب اور قصائد میں انہوں نے گو اپنے اور تمام معاصرین کی طرح کوئی جدت نہیں پیدا کی، لیکن پختگی، برجستگی، اور صفائی میں ان کا کلام، تمام معاصرین سے ممتاز ہے۔ اور قدما میں بھی، فرخی کے سوا، اس خصوصیت میں کوئی ان کا ہمسر نہیں، فرخی کے قصیدہ کا جو

جواب لکھا ہے۔ اُس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

| | | |
|---|---|---|
| دوش سرمست نگارین من، آں طرفہ پسر | | بایکے پیرہنے با کلہے طرفہ بسر |
| از سر کوچہ فسرود آمد متواری دار | | کردہ از غائت دلتنگی صد گونہ لبطر |
| نرم نرمک ہمے آں نرگس پُرخواب کشاد | | ژالہ ژالہ عرق از عارض او کردہ اثر |
| بوسہ بردو لب من داد ہمے از پے عذر | | اینت شوریدہ نگارا اینت تنکر بوسہ بسر |
| شادماں گشتم ازیں کار و گرفتمش کنار | | ہمچو تنگ شکر و خرمن گل تنگ بہ بر |
| او شدہ خواب و من از بوسہ زدن بردوخش | | با دو چشم و دخش تا بہ سحر جفت سہر |
| خود کہ داند؟ کہ دراں نیم شب از مستی او | | تاچہ بر داشتم از بوسہ و ہر چیز دگر |

یہی مضمون ہے جس کو قاآنی نے زیادہ لطیف پیرایہ میں ادا کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| مست در بستر من خفتہ و رنداں دانند | حالتِ مست کہ در بستر ہشیار افتد |

خیالات اور طرز ادا میں کہیں کہیں جدت بھی پائی جاتی ہے، مثلاً کمر بر، و شجر بر، کی طرح ہیں جو قصیدہ کہا ہے۔ اُس میں ایک قطعہ بند ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| در زینت و در رنگ کلاہ و کمر خویش | | زحمت چہ کشی در طلب گوہر و زر بر |
| ایں اشک من و رنگ رُخ من ببرائے شوخ | ق | ایں را بہ کلہ بر زن و آں را بہ کمر بر |

یعنی اے معشوق اپنے کمر بند، اور کلاہ کی زینت میں اس قدر زحمت کیوں اٹھاتا ہے۔ میرا آنسو، اور میرے چہرہ کا رنگ، لیکر کلاہ اور کمر پر لگالے کہ زرد گوہر کا کام دیں گے آنسو گوہر اور چہرہ کا رنگ زردی کی وجہ سے زر کے مشابہ ہے۔

(۲) حکیم سنائی پہلے شخص ہیں جس نے تصوف، کو شاعری سے روشناس کیا اُس سے پہلے حضرت ابوسعید ابوالخیر کی چند رباعیاں تصوف میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن اُن میں صرف جوش عشق کو پُر زور طریقہ سے ادا کیا ہے۔ تصوف کے مسائل، اسرار، اور معارف نہیں۔ بخلاف اس کے حکیم سنائی کی تصنیفات تصوف کی مستقل تصنیفیں ہیں خود حکیم صاحب کو بھی اس کا دعویٰ ہے۔ چنانچہ حدیقہ میں کہتے ہیں۔

| | | |
|---|---|---|
| کس نہ گفت ایں چنیں سخن بنہاں | | در کسے گفت، گو بیارد بخواں |
| زیں نمط ہر چہ در جہاں سخن است | | گر یکے در ہزار، آنِ من است |
| چوں ز قرآں گذشتی و ز اخبار | | نیست کس را ازیں نمط گفتار |

اِس دعویٰ کو اکابر صوفیہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں

| | |
|---|---|
| ترک جوشے کردہ من نیم خام | از حکیم غزنوی بشنو تمام |
| عطار روح بود و سنائی دو چشم او | ما از پس سنائی و عطار آمدیم |

حدیقہ میں تصوف کے تمام مقامات کو الگ الگ عنوان سے لکھا ہے اور نہایت خوبی سے ادا کیا ہے۔ اس کتاب کے چوتھے حصہ میں جہاں صوفیانہ شاعری پر ریویو ہوگا۔ حدیقہ کے انتخابات درج کئے جائیں گے:

(۳) قدما کی شاعری اگرچہ نیچرل شاعری تھی، لیکن طرز ادا شاعرانہ نہ تھا، جس بات کو کہنا چاہتے تھے، صاف بے تکلف، سیدھے سادھے طور پر کہہ دیتے تھے، معمولی بات کو انوکھے پیرایہ میں ادا کرنا، یا ایک معمولی واقعہ سے منطقیانہ استدلال پیدا کرنا۔ متوسطین اور متاخرین کا جوہر ہے۔ لیکن اس کے موجد حکیم سنائی ہیں۔ اس اجمال کی تفصیل آگے آتی ہے۔

(۴) اخلاقی شاعری کی بنیاد بھی حکیم سنائی نے قائم کی، اور گو آگے چل کر، اس صنف کو بہت وسعت ہوئی، لیکن اصول اور آئین حکیم سنائی نے قائم کر دیئے تھے۔

اخلاقی شاعری کی سب سے ضروری شرط یہ ہے۔ کہ جو بات کہی جائے اُس کے لئے پیرایہ بیان ایسا ڈھونڈھا جائے کہ سننے والے کو معلوم ہو کہ اس سے پہلے کسی نے اس کی اصلی حقیقت نہیں ظاہر کی تھی۔ اور یہ کہ وہ جس کام کو معمولی بات سمجھتا تھا۔ وہ نہایت نفرت انگیز اور بدترین افعال ہے۔ اس کے لئے شاعر کو ضرور ہے۔ کہ وہ سامنے کی باتوں سے ایسے نتائج پیدا کرے جو بظاہر بالکل اچھوتے معلوم ہوں۔ اور جس کی طرف خیال نہ گیا ہو۔

مثلاً یہ بات عام ہے کہ طبیب جس چیز کو منع کر دیتا ہے۔ لوگ اس سے پرہیز کرتے ہیں لیکن شریعت کے احکام کی پابندی نہیں کرتے، اب دیکھو حکیم سنائی اس واقعہ سے نصیحت کا کیا پہلو، پیدا کرتے ہیں۔ انہوں نے دیکھا کہ طبیب اکثر پارسی، عیسائی، یہودی ہوتے ہیں یہ بھی دیکھا کہ جن چیزوں کو طبیب منع کر دیتا ہے۔ اکثر حلال ہوتی ہیں۔ مثلاً حلوا مٹھائی وغیرہ، اور شریعت جن چیزوں کو منع کرتی ہے۔ وہ مضر اور ناجائز ہوتی ہیں، اِن باتوں سے انہوں نے اِس طرح کام لیا۔

| | |
|---|---|
| ترا بزداں ہمے گوید کہ در دنیا مخور بادہ | ترا ترسا ہمے گوید کہ در صفرا مخور حلوا |
| زبہر دین تو نگذاری حرام از حرمت یزداں | ولیک از بہر تن مانی، حلال از گفتۂ ترسا |

یعنی خدا نے حکم دیا کہ شراب نہ پیو، اور عیسائی (طبیب) کہتا ہے۔ کہ حلوا نہ کھاؤ، حلوا حلال چیز تھی۔ اُس کو تو تم نے ایک عیسائی کے کہنے سے چھوڑ دیا۔ اور شراب جس کو تم خود بھی ناجائز سمجھتے ہو۔ خدا کے کہنے سے بھی نہیں چھوڑتے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ تم خدا کے حکم کو ایک عیسائی کی بات کے برابر بھی نہیں سمجھتے۔

اس قدر ہر شخص جانتا ہے۔ کہ انسان مرکر، تمام جھگڑوں سے چھوٹ جاتا ہے۔ اس سے **حکیم سنائی** نے نصیحت کا یہ پیرایہ پیدا کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| باہمہ خلق جہاں، گرچہ ازاں | بیشتر گمرہ و کم تر بہ رہ اند |
| آں چناں زی کہ چو میری برہی | نہ چناں زی کہ چو میری برہند |

یعنی لوگوں کے ساتھ اس طرح پیش آؤ، کہ جب مرو تو تم جھگڑوں سے چھوٹ جاؤ نہ یہ کہ جب تم مرو تو لوگ جھگڑے سے چھوٹیں، یعنی تمہارے افعال سے ہر شخص تنگ آ رہا تھا۔ اس لئے جب تم مرو گے تو لوگوں کو نجات ہوگی۔

شراب کی بُرائی کا یہ پہلو ہر شخص جانتا ہے۔ کہ نشہ میں انسان بیہودہ بکتا ہے۔ گالیاں دیتا ہے۔ لڑتا ہے۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ انسان نشہ کی حالت میں فیاض اور کرم گستر بن جاتا ہے۔ اور یہ تعریف کا پہلو ہے، اب دیکھو **شاعر** اس تعریفی پہلو سے کیونکر شراب کی بُرائی کا یقین دلاتا ہے۔

| | |
|---|---|
| نکند عاقل مستی، نخورد دانا مے | نہ نہد مردم ہشیار سوئے مستی پے |
| گر کنی بخشش گویند کہ مے کرد نہ او | ور نہ کنی عربدہ گویند کہ او گرد نہ مے |

یعنی شراب ایسی چیز ہے کہ انسان اگر سخاوت بھی کرتا ہے تو لوگ اُس کی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ یہ شراب کا فیض ہے۔

| | |
|---|---|
| از پے رد و قبول عامہ، خود را خر مکن | زاں کہ نبود کار عامہ، خرخری یا فرفری |
| گاو را دارند باور در خدائی عامیاں | نوح را باور ندارند از پے پیغمبری |

اس قدر سب جانتے ہیں کہ حضرت **موسےٰ** کی قوم نے گوسالہ کی پرستش کی تھی۔ اور آج بھی ہندوؤں کے نزدیک، گائے نہایت مقدس چیز ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ

حضرت نوح کو اُن کی اُمت نے پیغمبر تسلیم نہیں کیا۔ ان دونو باتوں سے شاعر نے یہ نتیجہ نکالا کہ عوام کا ردّ و قبول کس قدر ناقابل اعتبار ہے، ماننے پر آئے تو گائے کے بچھڑے کو خدا بنا دیا، اور انکار کی طرف جھکے تو حضرت نوح کو پیغمبر بھی تسلیم نہیں کرتے۔

اختلاط اور صحبت میں خوبیاں بھی ہیں اور برائیاں بھی، اس لئے ارباب حال دونو طرف گئے ہیں۔ لیکن اس نکتہ کی طرف کسی کا ذہن نہیں گیا۔ کہ خوبی کا جو پہلو ہے۔ وہ بھی زحمت سے خالی نہیں۔

| | |
|---|---|
| کسے کش خرد رہنمون است، ہرگز | بہ گیتی رہ و رسم الفت نورزد |
| کہ صحبت نفاقی است یا اتفاقی | دل مرد دانا ازیں ہر دو لرزد |
| اگر خود نفاقی است جاں را بکاہد | وگر اتفاقی است ہجراں نیرزد |

یعنی اگر صحبت، منافقوں کے ساتھ ہے تو ظاہر ہے کہ سوحان روح ہے۔ اور اگر خاص احباب کے ساتھ ہے تب بھی اس لئے بُری ہے کہ اس حالت میں جدائی کا صدمہ جانگزا ہوگا۔

| | |
|---|---|
| بہ حرص[1] آرشر بتے خوردم بگیر از من کہ بد کردم | بیاباں بود و تا بستان و آب سرد و استسقا |
| چوں[2] تو شدی پیر بلندی مجو | کانکہ نہ تو زاد، بلند آں شود |
| روز نہ بینی کہ بہ پایاں رسد | سایۂ ہر چیز دو چنداں شود |
| زشت[3] باشد روئے نازیبا و ناز | سخت باشد چشم نابینا و درد |
| باد[4] و قبلہ در رہ توحید نتواں رفت راست | یا رضائے دوست باید، یا رضائے خویشتن |
| سوئے[5] آں حضرت نہ پوید، ہیچ دل با آرزو | با چنیں گلرخ نہ خسپد، ہیچ کس با پیرہن |
| ایں[6] جہاں بر مثال مرد ارلیست | کز گساں گرد او ہزار ہزار |
| ایں مر آں را ہمے کشد، مخلب | آں مر آں را ہمے زند منقار |
| آخر الامر بر پرند ہمہ | وز ہمہ باز ماند ایں مردار |

(۵) جوش اور سرمستی جو حقیقی شاعری ہے۔ ایشیا کے شعرا میں بہت کم پائی جاتی ہے فارسی شعرا میں مولانا روم پر یہ نشہ چھایا ہوا ہے۔ خواجہ حافظ بھی کبھی کبھی بدمست ہو جاتے ہیں۔ لیکن حکیم سنائی ان سب کے پیشرو ہیں۔ اشعار ذیل کو پڑھو۔ اور اُن کے

[1] گناہ کی معذرت [2] بوڑھے جوان کا مقابلہ نہیں کر سکتے ۱۲ [3] بدلیاقت آدمی کو غرور اور زیادہ بدنما ہے
[4] یکسوئی [5] مقام وصال میں ترک آرزو [6] دنیا اور طالبانِ دنیا ۱۲

الفاظ، ترکیب، اندازِ بیان، مضمون ایک ایک چیز کو دیکھو کس طرح، جوش سے لبریز ہیں۔

| | |
|---|---|
| یا برو، ہمچوں زناں رنگے و بوئے پیش گیر | یا چو مرداں اندر آئے و گوئے در میدان فگن |
| چوں دو عالم زیر پائیت قطع شد پائے بکوب | چوں دو کون اندر دو دستت جمع شد، دستی بزن |
| سر بر آر از گلشن توحید تا در کوئے دیں | کشتگان زندہ بینی انجمن در انجمن |
| وے ز دلتنگی زمانے طوف کردم در چمن | یک جہاں جاں دیدم آنجا جستہ از زندان تن |
| بے طرب خوشدل طیور و بے طلب جنباں صبا | بے دہاں خنداں درخت و بیزباں گویا چمن |
| طلب اے عاشقان خوش رفتار | طرب، اے شاہدانِ شیریں کار |
| تا کے از خانہ، ہاں رہِ صحرا | تا کے از کعبہ، ہیں درِ خمار |
| در جہاں شاہدے دما فارغ | در قدح جرعۂ وما ہشیار |
| بسکہ شنیدی صفت روم و چین | خیز و بیا ملک سنائی بہ بیں |
| تا ہمہ دل بینی بے حرص و بخل | تا ہمہ جان بینی بے کبر و کیں |
| پائے نہ، و چرخ بزیر قدم | دست نہ، و ملک بزیر نگیں |
| رستہ ز ترکیب زمان و مکاں | جستہ ز ترتیب شہور و سنیں |
| روح امین دادہ بذہنش ہمانکہ | دادہ بہ مریم زرہ آستیں |

(۶) شاعری کے اجزا میں ایک بڑا ضروری جزو تمثیل اور تشبیہ ہے شاعر کبھی کوئی اخلاقی دعویٰ کرتا ہے۔ تو دلیل میں اس کو تمثیل پیش کرنی پڑتی ہے۔ کبھی کسی چیز کی اچھائی یا برائی ثابت کرنا، یا کسی چیز کی تصویر اور ہیئت کھینچنا چاہتا ہے۔ تو تشبیہ اور تمثیل کے بغیر چارہ نہیں ہوتا اسی بنا پر اکثر بڑے بڑے شاعر مثلاً سعدی، صائب کلیم وغیرہ تمثیل میں کمال رکھتے تھے۔ شاعری کی اس صنف کے موجد بھی حکیم سنائی ہی ہیں۔ ذیل کی مثالوں سے معلوم ہوگا کہ اُن کی تمثیلیں کس قدر نادر اور موثر ہوتی ہیں۔

حصولِ مقصد کیلئے زیر اور انتظار شرط ہے

اور جو مقصد جتنا اہم ہوگا اسی قدر زیر ہوگی

| | |
|---|---|
| ہر خسے از زنگ و رفتارے بدیں رہ کے رسد | در وبا باید صبر سوزد مرد باید گام زن |
| ہفتہ ہا باید کہ تا یک پنبہ دانہ زاب و گل | شاہدی را حُلّہ گردد یا شہیدے را کفن |
| ماہہا باید کہ تا یک مشت پشم از پشت میش | صوفئے را خرقہ گردد یا حمارے را رسن |
| سالہا باید کہ تا یک سنگ اصلی ز آفتاب | لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن |
| ساعت بسیارے باید کشیدن انتظار | تا کہ در جوف صدف باراں شود در عدن |

| | | |
|---|---|---|
| قرنہا باید کہ تا یک کود کے از لطف طبع | | عالمے گویا شود یا فاضلے صاحب سخن |
| صدق و اخلاص و درستی باید و عمر دراز | | تا قرین حق شود صاحبقرانے در قرن |
| تو علم[1] آموختی از حرص اینک ترس کاندر شب | | چو دزدے با چراغ آید گزیدہ تر برو گالا |
| چو تن[2] جاں را مزین کن بہ علم و دیں کہ زشت آمد | | دروں سو، شاہ عریان و بروں سو، کوشک دیبا |

اب ہم حکیم **سنائی** کے بعض قطعات و قصائد کے اشعار یک جا لکھتے ہیں۔ جس سے اُن کی عام شاعری کا اندازہ ہو سکے گا۔

| | | |
|---|---|---|
| مکن در جسم و جاں منزل کہ این دون ست و آں والا | | قدم زیں ہر دو بیرون نہ اینجا باش و نہ آں جا |
| بہر چہ از راہ باز افتی چہ کفر آں حرف چہ ایماں | | ہر چہ از دوست دامانی چہ زشت آں نقش چہ زیبا |
| چو علمت ہست خدمت کن چو بے علماں کہ زشت آید | | گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا |
| مرا بارے بحمد اللہ زراہِ حکمت و ہمت | | بسوئے خط وحدت بُرد، عقلا از خط اشیا |
| نخواہم لاجرم نعمت نہ در دنیا نہ در جنت | | حمے گویم بہر ساعت چہ در عقبیٰ چہ در سرا |
| کہ یارب مر **سنائی** را سنائی دہ تو در حکمت | | چناں کز وی بہ رشک آید روان بوعلی سینا |
| مگر داں عمر من چوں گل کہ در طفلی شوم کشتہ | | مگر داں حرص من چوں شغل کہ در پیری شوم برنا |
| بہر چہ از اولیا گفتند از قبلی و دُو اقفنی | | بہر چہ از انبیا گفتند امتنا و صدقنا |
| پردہ دار عشق داں، رسم ملامت بر فقیر | | پاسبان دُر شناس ایں آب تلخ اندر بحار |
| اے لبا غبنا کہ اندر حشر خواہد بُد ازاں کہ | | ہست ناقد بس بصیر و نقدہا بس کم عیار |
| عقل جزوی کے تواند گشت بر گیہاں محیط | | عنکبوتے کے تواند کرد سیمرغے شکار |
| کے شود ملکِ دو عالم تا تو باشی ملک آں | | کے بود اہل نثار آں کس کہ بر چیند نثار |
| باش تا کل یابی آنہا را کہ امروزند جزو | | باش تا کل یابی آنہا را کہ امروزند خار |

| | | |
|---|---|---|
| گوئی کہ بعد ما چہ کنند و کجا روند | | فرزندگان و دخترگان یتیم ما |
| خود یاد ناوری کہ چہ کردند و چوں شدند | | آں مادران و آں پدراں قدیم ما |
| آدمی را دو بلا کرد رہے | | داند از ہر دو بلا، روز بہی |
| یا کند بر شکم خویش زناں | | یا کند پشت خود از آب تہی |

[1] علم زیادہ پر خطر گناہوں کا سبب ہو سکتا ہے ۱۲

[2] صفائی ظاہری کے ساتھ صفائی باطن بھی شروط ہے ۱۲

# عمر خیام بن ابراہیم نیشاپوری

م، خیام لقب نیشاپور وطن، غالباً آبائی پیشہ خیمہ دوزی تھا۔ جس کی وجہ
ب ملا، عمر نے جب تحصیلِ علم شروع کی تو دو شخص اس کے ہم سبق تھے۔
حبت اس قدر بڑھا کہ سب نے عہد کیا کہ ہم میں سے جب کوئی شخص
پر پہنچے گا تو اپنے ساتھیوں کو بھی اپنا ہمسر بنائے گا، اُس وقت دنیا کو کیا معلوم
کے لونڈے جو اس وقت ایک خیالی منصوبہ باندھتے ہیں۔ آگے چل کر دنیا کی
گے۔ اِن میں سے ایک کا نام حسن بن علی اور دوسرے کا حسن تھا۔ حسن
فتہ اس قدر ترقی کی کہ الپ ارسلان سلجوقی کا وزیر ہو گیا۔ اور ۴۶۵ھ میں
ں نے وفات پائی اور ملک شاہ سلجوقی مسند آرا ہوا تو وہ کل سیاہ وسفید کا
ہے۔ جو آج نظام الملک (بانی نظامیہ بغداد) کے نام سے مشہور
ب معلوم ہوا کہ میرا ہم سبق تاج وتخت کا مالک ہے۔ تو اصفہان میں
اس آیا، نظام الملک نے بڑے احترام سے خیر مقدم کیا، نظام الملک
کو اپنے
ہ! جھاکہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ خیام جو کچھ چاہتا۔ اس کو مل سکتا تھا۔
لیکن ب
شاہ نے صرف معمولی وجہ معاش کی درخواست کی نظام الملک
نے خیام کے و
مش بارہ سو روپے سالانہ کی جاگیر مقرر کر دی۔[1] خیام نے
اگرچہ صرف معمولی جا
لیکن سلاطین وامراء اس سے برابری کا برتاؤ کرتے
تھے۔ شمس الملوک خاقان۔
پر اپنے برابر بٹھاتا تھا، ملک شاہ سلجوقی دنیائے
اسلام کا شہنشاہ اعظم تھا۔ اس
تد کھتا تھا، دولت شاہ سلجوقی نے
لکھا ہے کہ سلطان سنجر بھی اس کو اپنے بر
تمد لیکن شہرزوری کی تاریخ الحکماء سے
معلوم ہوتا ہے کہ سنجر کے ساتھ اس کے تعلق
شہرزوری نے اس کی
وجہ یہ بیان کی ہے۔ کہ جس زمانہ میں سنجر شاہزادہ تھا
نکاح خیام معالجہ کے لئے طلب
ہوا۔ وزیر نے خیام سے پوچھا کہ بیمار کی کیا حالت ہے۔
صحیح نہیں، یہ خبر کسی
نے سنجر کو پہنچائی۔ اس کو نہایت رنج ہوا۔ اور یہ رنج ہمیشہ

[1] دولت شاہ۔ لیکن جاگیر کی آمدنی کی تعیین اور کتابوں سے ماخوذ ہے ۱۲ تاج

۴۷۶ھ میں **ملک شاہ** نے ایک عظیم الشان رصد خانہ قائم کر
دُور دُور سے بڑے بڑے ہیئت داں اور منجم بلوائے، ان میں ابو المظفر اسفرا
نجیب واسطی، اور ہمارا نامور خیام بھی تھا۔ ابن الاثیر نے جہاں اس واقعہ کا ذ
ہے۔ کہ اس رصد خانہ پر بیشمار دولت صرف ہوئی۔ اس رصد سے جو زیچ تیا
خیام کی تیار کردہ تھی، چنانچہ کشف الظنون زیچ ملک شاہی کے ذکر میں صاف ز
خیام زیادہ تر فلسفۂ یونان کا درس دیتا تھا۔ اور اسی قسم کے خیالات
جب زیادہ پھیلے تو عوام میں سخت برہمی پیدا ہوئی۔ یہاں تک کہ لوگوں نے ا
قرار دے کر قتل کر دینا چاہا، مجبوراً اس نے حج کا ارادہ کیا حرم میں کوئی کسی
حج سے فارغ ہو کر بغداد میں آیا۔ یہاں لوگوں نے نام سنا تو ہر طرف سے ٹو
فلسفیہ سیکھیں لیکن اس نے انکار کیا اور بغداد سے چل کر وطن میں آیا۔[1]

وفات اس کی وفات کا دلچسپ قصہ ہے، ایک دن بوعلی سینا کی کتاب الشف
جب وحدت و کثرت کی بحث آئی تو اُٹھ کھڑا ہوا، عادت تھی کہ ہر وقت
اس کو ورق میں رکھ کر اٹھا، نماز پڑھی، وصیت کی۔ شام تک کچھ نہ کھایا
اور کہا اے خدا جہاں تک میرے امکان میں تھا میں نے تجھ کو
یہی کہتے کہتے جان نکل گئی۔ مجمع الفصحاء میں ہے۔ کہ ۵۱۷ھ

دفن کا قصہ اس سے بھی عجیب تر ہے۔ **نظامی** زمانہ کا مشہور شاعر ہے
جس کی کتاب چہار مقالہ چھپ کر شائع ہو چکی ہے کہ ۵۰۶ھ میں میں بلخ
گیا معلوم ہوا کہ خیام آجکل یہیں امیر پر مقیم ہے۔ میں خدمت میں حاضر
ہوا، باتوں باتوں میں خیام نے کہا کہ م میں بنے گی کہ ہر سال دو دفعہ، درخت
اس پر پھول برسائیں گے مجھ کو ی خیال آیا کہ ایسا بڑا شخص لغو گو نہیں ہو سکتا
۵۰۳ھ میں میں جب نیشا صوف کا چند برس پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ چونکہ مجھ پر
شاگردی کا حق تھا۔ ایک ر قبر کا پتہ بتائے۔ وہ قبرستان حیرہ میں لے گیا۔ دیکھا تو باغ
کی دیوار کے نیچے قـ رود اور زرد آلو کے درخت ہیں خلوفہ جھڑ کر اس قدر ڈھیر ہو گئے
ہیں کہ قبر ڈھک ہم موصوف کا قول یاد آگیا اور بے اختیار آنسو نکل پڑے[2]۔

[1] تاریخ الحکما
[2] چہار مقالہ ذکر منجم ماہر ۱۲

فضل وکمال | خیام کو آج زمانہ شاعری کی حیثیت سے جانتا ہے۔ لیکن وہ فلسفہ میں بوعلی سینا کا ہمسر اور مذہبی علوم اور فن ادب و تاریخ میں امام فن تھا، **جمال الدین** قفطی نے تاریخ الحکما میں اس کا نام ان القاب سے شروع کیا ہے۔ ۱۔ ام خراسان وعلامۃ الزمان **شہرزوری** تاریخ الحکما میں لکھتے ہیں۔ کان تلوا بی علی فی اجزاء علوم الحکمۃ وکان عالما باللغۃ والفقہ والتواریخ۔ حافظہ کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ اصفہان میں ایک کتاب نظر سے گزری، سات دفعہ اس کا مطالعہ کیا۔ نیشاپور میں واپس آیا تو ساری کتاب زبانی لکھوادی۔ اصل سے مقابلہ کیا گیا تو خفیف فرق نکلا۔[1]

ایک دفعہ وزیر عبدالرزاق کے ہاں علمی صحبت تھی، ابوالحسن غزالی جو اس زمانہ میں فن قرأت کے امام تھے۔ وہ بھی موجود تھے۔ اتفاق سے **خیام** بھی آنکلا۔ عبدالرزاق نے خیام کو آتا دیکھکر کہا علی الخبیر سقطنا یعنے واقف کار آگیا۔ مسئلہ زیر بحث کو خیام کے آگے پیش کیا۔ اس نے سانوں قرأتیں، شاذ روائتیں، اور اُن کے دلائل اور وجوہ بیان کرکے ایک قرأت کو ترجیح دی، غزالی بے اختیار بول اٹھے کہ حکماء کا کیا ذکر خود قرآن سے کسی کی یہ معلومات نہیں ہوسکتی۔[2]

قاضی عبدالرشید کا بیان ہے۔ کہ ایک دفعہ خیام سے میں مرو کے حمام میں ملا اور سورۂ معوذتین کے معنی دریافت کئے، یہ بھی پوچھا کہ ان صورتوں میں بعض الفاظ بار بار کیوں آئے ہیں۔ خیام نے برجستہ جواب دینا شروع کیا۔ مفسرین کے اقوال، ان کے دلائل اور شواہد اس تفصیل اور وسعت سے بیان کئے کہ اگر ساری تقریر قلمبند کرلی جاتی تو اچھی خاصی کتاب بن جاتی۔[3]

فلسفیانہ خیالات کی وجہ سے مذہبی علماء اس سے مخالفت رکھتے تھے۔ اس زمانہ میں مذہبی گروہ کے پیشرو امام غزالی تھے۔ جنہوں نے تہافۃ الفلاسفہ لکھکر فلسفہ کا ابطال کیا تھا۔ وہ مناظرے کے لئے خیام کے پاس گئے۔ اور پوچھا کہ آسمان کے تمام اجزا باہم متشابہ اور متحد الحقیقت ہیں پھر بعض اجزا میں کیا خصوصیت تھی کہ قطبین قرار پائے، خیام مسائل فلسفیہ کے بیان کرنے میں نہایت بخل کرتا تھا، اس سے پہلے تو یہ کہ کرٹالا کہ میں اس مسئلہ کو اپنی کتاب عرائس النفائس میں تفصیل لکھ چکا ہوں، پھر جواب دیا تو اس طرح کہ پہلے

---

[1] شہرزوری ۱۲ [2] شہرزوری ۱۲ [3] شہرزوری ۱۲

ابتدائی مراتب بیان کئے، چنانچہ اس مسئلہ سے ابتدار کی کہ "حرکت کس مقولہ سے ہے" پھر اس کو اس قدر پھیلایا کہ یہ مسئلہ ابھی پورا نہیں ہوا تھا کہ ظہر کی اذان کی آواز آئی، امام غزالیؒ یہ کہ کر اُٹھ گئے۔ جا الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا[1]

نجوم کا فن اگرچہ مہمل چیز ہے لیکن یونانی حکما عموماً اس کے قائل تھے، وہی خیالات مسلمانوں میں بھی منتقل ہوئے، **خیام** اس فن میں کمال رکھتا تھا۔ اور اس لئے منجم کہلاتا تھا ۵۰۸ھ میں بادشاہِ وقت نے خواجہ بزرک صدرالدین محمدؒ بن المظفر کے پاس آدمی بھیجا۔ کہ میں شکار کو جانا چاہتا ہوں، خیام سے کہ دو کہ اعمال نجوم کے ذریعہ سے ایسی تاریخ مقرر کرے کہ برف و بارش سے محفوظ ہو۔ خیام نے دو دن کے غور و فکر کے بعد ایک دن معین کیا، بادشاہ اسی دن سوار ہوا، کوس دو کوس گیا ہوگا کہ بڑے زور کا بادل اٹھا اور چاروں طرف برف بچھ گئی، لوگوں نے خیام کی ہنسی اڑائی، بادشاہ نے چاہا کہ وہیں سے پلٹ جائے خیام نے کہا ابھی بادل پھٹے جاتے ہیں، اور پانچ دن تک زمین نم بھی نہ ہوگی۔ اتفاق یہ کہ خیام کی پیشین گوئی پوری اتری[2]"

**تصنیفات** تصنیفات بہت کم ہیں زیچ جو تیار کی تھی۔ اُس کا ہمارے اسلامی ملکوں میں تو پتہ نہیں لیکن یورپ نے چھاپ کر شائع کی ہے۔ باقی چند مختصر رسالے ذیل میں درج ہیں جن کا ذکر شہرزوری نے کیا ہے۔

طبعیات میں ایک مختصر رسالہ،

وجود کی حقیقت پر ایک رسالہ،

کون اور مسئلہ تکلیف پر ایک رسالہ، یہ رسالہ آجکل مصر میں چھاپا گیا ہے۔

عربی میں بہت سے شعر لکھے ہیں، چند ذیل میں درج ہیں (از شہرزوری)

| | |
|---|---|
| بدیرلی الدنیا بل السبعۃ العلے | بل الافق الاعلی اذا جاش خاطری |
| اسوم علی النحشا بجھرا وخفیۃ | عفافا و افطاری تنقدیس خاطری |
| وکم عصبۃ ضلت عن الحق فاھتدت | لطرف الھدی من فیضی المتقاطر |
| فان صراط المستقیم بصائر | نصبن علی وادی العمی کالنقاطر |
| اذا قنعت نفسی بمیسور بلغۃ | یحصلھا بانکد کفی وساعدی |

[1] شہرزوری ۱۲ [2] تاریخ الحکما ۱۲

امنت تصاریف الحوادث کلها — فلکن یا زمانی مُوعدی اومساعدی
وهبنی اتخذت الشعربین سنارلی — وفوق مناط الفرقدین مصاعدی
الیس قضی الرحمٰن فی حاکم بان — یعبد الی نحس جمیع المساعد
منی باعدت دنیاك کان مصیبة — فوا عجبا من ذا القریب المباعد
اذا کان محصول لحیاة منیة — فنیان حالا کل ساع وقاعد

رضیت دهرا طویلا فی التماس اخ — یرعی، وادی اذا ذوخلة خانا
فکم الفت وکم اخیت غیر اخ — وکم تبدلت بالاحزان اخوانا
وقلت للنفس لما غر مطلبها — باللہ ماتا لفی ساعشت انسانا

رباعیات | عجیب بات ہے، خیام فلسفہ میں، نجوم میں، فقہ میں، ادب میں، تاریخ میں کمال رکھتا تھا۔ لیکن اتنے ستاروں کے ساتھ اُس کا افق شہرت بالکل تاریک ہے۔ جس چیز نے آٹھ سو برس تک اس کے نام کو زندہ رکھا۔ وہ چند فارسی رباعیاں ہیں۔ اور یہی اس کی شہرت کے بال پر و ازہیں، ان رباعیوں کے ساتھ مسلمانوں نے جس قدر اعتنا کیا۔ اُس سے ہزاروں درجہ بڑھ کر یورپ نے کیا۔

ہماری کتاب کا اصل موضوع شاعری ہے اس لئے سب سے پہلے ان رباعیوں کی تنقید میں ہم کو شاعری کا پہلو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ اگر ان رباعیوں میں کوئی فلسفہ نہیں ہے۔ کوئی اخلاقی تعلیم نہیں ہے۔ کوئی دقیق نکتہ نہیں ہے تو نہ ہو۔ بحث صرف یہ ہے کہ شاعری اور شاعری کے ساتھ زبان کی خوبی اور صفائی ہے یا نہیں؟ یعنی خیام اگر حکیم نہ ہوتا تو کم از کم شاعر ہو سکتا تھا یا نہیں؟

شاعری کی بڑی ضروری شرط اسلوب بیان کی جدت اور دلآویزی ہے۔ شاعر ایک معمولی بات کو لیتا ہے۔ اور ایسے دلکشا اور ندرت آمیز اسلوب سے ادا کرتا ہے کہ سب وجد کرنے لگتے ہیں۔ اسلوب بیان کی دلآویزی کے مختلف اسباب ہوتے ہیں۔ کبھی صرف زبان کی بے تکلفی، روانی اور شستگی یہ کام دیتی ہے، کبھی عام طریقہ ادا کے بدل دینے سے یہ بات پیدا ہوتی ہے۔ کبھی شاعرانہ طرز استدلال سے، کبھی شوخی وظرافت سے، کبھی استعارہ وتشبیہ کی ندرت سے، اور سچ یہ ہے کہ اس کی تمام ادائیں متعین اور مشخص نہیں ہو سکتیں، سننے والے کو اتنا محسوس ہوتا ہے کہ کسی چیز نے دل میں چٹکی لے لی، کس نے

کیوں لی، یہ کچھ نہیں معلوم۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| خوبی ہمیں کرشمہ و ناز خرام نیست | | بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست | |

**خیام** کی رباعیاں اگرچہ سینکڑوں ہزاروں ہیں۔ لیکن سب کا قدر مشترک صرف چند مضامین ہیں، دنیا کی بے ثباتی، خوشدلی کی ترغیب، شراب کی تعریف، مسئلۂ جبر، توبہ و استغفار ان میں سے ایک ایک مضمون کو وہ سو سو دفعہ کہتا ہے، لیکن ہر دفعہ اس طرح بدل کر کہتا ہے کہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی نئی چیز ہے۔

دنیا کی بے ثباتی اور اس سے عبرت کا مضمون نہایت پامال مضمون ہے لیکن خیام ہر بار ایک ایسا نیا اسلوب ڈھونڈھ لاتا ہے۔ کہ نیا اثر پیدا ہوتا ہے۔

توبہ و استغفار بھی ایک فرسودہ مضمون ہے۔ لیکن جس طرح خیام اس کو ادا کرتا ہے سننے والے کی آنکھ سے آنسو نکل پڑتے ہیں۔ بعض جگہ رقت انگیز طریقہ کو چھوڑ کر استدلال کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ اور وہ بظاہر ایسا قوی ہوتا ہے۔ کہ گویا اس کا جواب نہیں ہو سکتا۔ امثلۂ ذیل کو دیکھو۔

## رباعی

جدّت اسلوب۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| بر سینۂ غم پذیر من رحمت کن | | بر جان و دل اسیر من رحمت کن | |
| بر پائے خرابات رو من بخشائے | | بر دست پیالہ گیر من رحمت کن | |

مغفرت کی دعا مانگتا ہے۔ لیکن اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں یعنے ہات اور پاؤں کے لئے (گو وہ اسی کے ہات پاؤں ہیں) اس طریقہ سے دعا کا اثر بڑھاتا ہے، کیونکہ اپنے لئے دعا مانگنا پھر بھی ایک قسم کی ذاتی غرض ہے۔ اس کے ساتھ نکتہ یہ ہے کہ اعضاء کی برأت آسانی سے ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کا کیا قصور ہے، وہ اپنے اختیار سے کوئی کام نہیں کر سکتے۔

ہاتھ اور پاؤں کے مقابلہ میں صنعت طباق ہے۔ اور اس سے بھی ایک لطف پیدا ہو گیا ہے

| | | | |
|---|---|---|---|
| در ملک تو از طاعت ما ہیچ فزود؟ | | وز معصیتے کہ ہست نقصانے بود؟ | |
| بگزارد گیر زاں کہ معلوم شد | | گیرندۂ دیری و گزارندۂ زود | |

خدا سے خطاب کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ اے خدا اگر میں نے اطاعت کی تو کیا تیری سلطنت کو کچھ ترقی ہو گئی؟ اور اگر گناہ کیا تو کیا کچھ تیرا نقصان ہو گیا، اے خدا! مجھ کو چھوڑ دے اور گرفت نہ کر مجھ کو معلوم ہو گیا ہے۔ کہ تو دیر کے بعد پکڑتا ہے۔ اور جلد چھوڑ دیتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| من بندۂ عاصیم رضائے تو کجا است | | تاریک دلم نور صفائے تو کجا است | |
| مارا تو بہشت اگر بہ طاعت بخشی | | آں بیع بود لطف و عطائے تو کجا است | |

کس شاعرانہ انداز سے مغفرت کرنے پر مجبور کرنا چاہتا ہے۔ کہتا ہے کہ اے خدا اگر تو بہشت طاعت کے معاوضہ میں دے گا تو یہ خرید و فروخت ٹھیری (جو سوداگروں کا کام ہے نہ شاہوں اور شہنشاہوں کا) وہ لطف وہ عطا جس کے قصے سنا کرتے تھے وہ کہاں ہے۔ یہی مضمون ہے جس کو شیخ **سعدی** نے گلستان میں ادا کیا ہے۔ اور وہ گلستان کے خاص محاسن میں شمار کیا جاتا ہے "بدریوزہ گری آمدہ ام نہ بہ تجارت"۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| آنم کہ پدید گشتم از قدرتِ تو | | صد سالہ شدم نباز و رنعمتِ تو | |
| صد سال بہ امتحان گنہ خواہم کرد | | تا جرم من است بیش یا رحمتِ تو | |

دیکھو کس ادا سے مغفرت چاہتا ہے۔ کہتا ہے کہ میں سینکڑوں برس دانستہ گناہ کرونگا مجھ کو یہ امتحان کرنا ہے کہ میرا جرم زیادہ ہے۔ یا تیری رحمت، یعنی دیکھوں ان دونوں میں کون غالب آتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| فریاد کہ عمر رفت بر بیہودہ | | ہم لقمۂ حرام ہم نفس آلودہ | |
| فرمودۂ ناکردۂ سیہ رُو یم کرد | | فریاد ز کردہائے نافرمودہ | |

فرائض کو فرمودۂ ناکردہ، اور گناہوں کو کردہائے نافرمودہ سے تعبیر کیا ہے۔

مشہور ہے کہ ایک دفعہ **خیام** کی صراحی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی۔ اور ٹوٹ گئی۔ اس پر اس نے رباعی لکھی۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| ابریق مے مرا شکستی ربّا | | بر من در عیش را بہ بستی ربّا | |
| بر خاک بریختی مے لعل مرا | | خاکم بدہن کہ سخت مستی ربّا | |

کہتے ہیں کہ اس گستاخی پر خدا نے اس کو سزا دی۔ اور اس کی گردن کج ہو گئی۔ اس پر اس نے برجستہ کہا۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| ناکردہ گناہ در جہاں کیست بگو | | واں کس کہ گناہ نہ کرد چوں زیست بگو | |
| من بد کنم و تو بد مکافات دہی | | پس فرق میان من و تو چیست بگو | |

یعنی میں نے برائی کی، اب تو اس کی سزا بھی ویسی ہی برائی دیتا ہے۔ تو مجھ میں اور تجھ میں کیا فرق رہ گیا۔

طلب مغفرت کا مضمون اکثر شعراء نے باندھا ہے۔ نظامی کہتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| گناہ من ار نامدے در شمار | ترا نام کے بودے آمرزگار |

اُردو کا ایک شاعر کہتا ہے۔

| | |
|---|---|
| عوض نہ لے مرے جرم وگناہ بیحد کا | الٰہی تجھ کو غفور الرحیم کہتے ہیں |
| کہیں، کہیں نہ عدو دیکھکر مجھے محتاج | یہ اُن کے بندے ہیں جن کو کریم کہتے ہیں |

لیکن خیام کا طرز ادا اور استدلال سب سے اچھوتا ہے۔ وہ شاعرانہ استدلال سے سزا پانے کی حالت میں مجرم اور آقا کی مساوات ثابت کرتا ہے۔ اور پھر اس کو جملہ خبریہ کے ذریعہ سے نہیں بلکہ استفہام کے طریقہ سے ادا کرتا ہے جو نہائت مؤثر اور لاجواب کر دینے والا ہوتا ہے۔

شوخی وظرافت | خیام باوجود حکیم ہونے کے نہائت شوخ اور ظریف الطبع تھا، اس لئے اکثر مضامین کو ظرافت اور شوخی کے پیرایہ میں ادا کرتا ہے۔ مثلاً

| | |
|---|---|
| اے چرخ زگردش تو خرسندیم | آزاد کنم کہ لائق بندیم |
| گر میل تو بالے خرد و نااہل است | من نیز چناں اہل وخردمندیم |

ایشیا کا عام خیال ہے کہ آسمان ارباب خرد کو آرام اور چین نہیں دیتا۔ خیام آسمان سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔ کہ میں تیری چالوں سے بہت تنگ آگیا ہوں، اگر تو احمقوں اور نااہلوں ہی سے محبت رکھتا ہے۔ تو میں بھی کچھ بہت اہل اور عاقل نہیں ہوں۔

| | |
|---|---|
| در مسجد اگر بہر نیاز آمدہ ام | باللہ کہ نہ از بہر نماز آمدہ ام |
| یک روز ایں جا سجادہ دُرد دیدم | آں گم شدہ است ازاں باز آمدہ ام |
| گویند کہ مے مخور کہ شعبان نہ رواست | نہ نیز رجب کہ آں مہ خاص خداست |
| شعبان و رجب مہ خدا و رسول | ما مے رمضان خوریم کاں خاصۂ ماست |

ایران میں اکثر مہینوں کے خاص خاص لقب ہیں، مثلاً شعبان کو رسول کا مہینہ اور رجب کو خدا کا مہینہ کہتے ہیں۔ خیام کہتا ہے کہ لوگ ان مہینوں میں شراب پینے سے منع کرتے ہیں۔ کہ یہ خدا و رسولؐ کے مہینے ہیں۔ اور واقعی ان کی یہ ہدایت بجا ہے۔ اس بنا پر میں رمضان میں شراب پیتا ہوں۔ کہ یہ خاص ہم لوگوں کا مہینہ ہے۔

| | |
|---|---|
| گویند کہ آں کساں کہ با پرہیز اند | زاں ساں کہ میرند بداں ساں خیزند |
| ما با مے و معشوق از ایم مقیم | تا بو کہ بحشر آں چناں انگیزند |

مشہور ہے کہ انسان جس حالت میں مرتا ہے اسی حالت میں قیامت میں اٹھے گا خیام کہتا ہے اسی لئے تو میں رات دن شراب اور معشوق کے ساتھ بسر کرتا ہوں کہ قیامت میں بھی اسی حالت میں اٹھوں۔

| | |
|---|---|
| گویند کہ ماہ روزہ نزدیک رسید | من بعد بگرد بادہ نتواں گردید |
| در آخر شعبان بخورم چندیں مے | کاندر رمضان مست بجسیم تا عید |

ایزن میں جتنے شرابخور ہیں رمضان میں شرابخوری چھوڑ دیتے ہیں خیام کہتا ہے میں شعبان کے اخیر میں اتنی پی کر سوؤں گا عید کے بعد نشہ اترے۔ قاآنی نے اسی مضمون کو نیچرل بنا دیا ہے۔

| | |
|---|---|
| مے خوردن اس ماہ روا نیست ولیکن | مستانہ تواں خورد بر شب یکدو سہ ساغر |
| یا خوردہ داں گو نہ بباید کہ ز مستی | تا شام دگر بر نتواں خاست ز بستر |

لیکن ایک اور شاعر نے سب کے لطف پر یہ اختیار کیا ایک غزل میں جسکی ردیف نمیدانستم ہے کہتا ہے

| | |
|---|---|
| قرب یک ماہ در میخانہ اقامت کردم | اتفاقاً رمضان بود نمیدانستم |
| ہر گہ کہ طلوع صبح ارزق باشد | باید کہ بکف جام مروق باشد |
| گویند بہ افواہ کہ مے تلخ بود | شاید کہ بہر حال کہ مے حق باشد |

عربی کا فقرہ ہے الحق مُرّ یعنی حق بات تلخ ہوتی ہے خیام کہتا ہے کہ شراب کا مزا تلخ ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب حق ہے مرزا غالب نے اسی سے ایک اور مضمون پیدا کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| تلخئ کہ بدنجی بسازد پند پذیر | برو کہ بادۂ ما تلخ تر ازیں پنداشت |

یعنی تم یہی ہدایت کرتے ہو نہ کہ انسان کو تلخی گوارا کر لی چاہیئے۔ اور نصیحت سننی چاہیئے تو ہماری شراب تمہاری نصیحت سے زیادہ تلخ ہے۔ ہم کو دوسری تلخی کی کیا ضرورت ہے۔

| | |
|---|---|
| دست چو مے نہ کہ جام و ساغر گیرد | حیف است کہ آں دفتر منبر گیرد |
| تو زاہد خشکی و منم فاسق تر | آتش نشنیدہ کہ در تر گیرد |
| من در رمضان روزہ اگر مے خوردم | ناظن نبری کہ بے خبر مے خوردم |
| از محنت روزہ روز من چوں شب شد | پنداشتہ بودم کہ سحر مے خوردم |
| طبعم بہ نماز و روزہ چوں مائل شد | گفتم کہ مراد کلیم حاصل شد |
| افسوس کہ ایں وضو بباد شکست | واں روزہ بہ نیم جرعۂ باطل شد |

اس میں ظرافت کے ساتھ اس بات کا بھی اشارہ ہے۔ کہ جو لوگ ظاہری نماز روزہ ادا کرتے ہیں۔ اُن کی عبادت کی ہستی بس اسی قدر ہے۔

| | |
|---|---|
| گویند کہ فردوس بریں خواہد بود | آں جائے تاب و حور عین خواہد بود |

| | | | |
|---|---|---|---|
| گرما مے و معشوق گزیدیم چہ باک | | چوں عاقبت کار چنیں خواہد بود | |

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ بہشت میں بھی جسمانی آرام و عیش ہوگا اور شراب اور حوریں ملیں گی، ظریفانہ پیرایہ میں ان کا رد کرتا ہے۔ کہ اگر وہاں بھی یہی سب ہوگا۔ تو اگر ہم نے دنیا ہی میں ان چیزوں کو پیشگی اختیار کر لیا تو کیا بُرا کیا۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| زاہد گوید بہشت با حور خوش است | | من میگویم شراب انگور خوش است | |
| ایں نقد بگیر و دست ازاں نسیہ بدار | | آواز دہل شنیدن از دور خوش است | |
| مارا گویند دوزخی باشد مست (اردو ہار ۱۲) | | قولی است خلاف دل و رو نتواں بست | |
| گر عاشق و مست و رزخی خواہد بود | | فردا بینی بہشت را چوں کف دست | |

یعنی اگر یہ صحیح ہے کہ عاشق اور مست بہشت میں نہ جانے پائیں گے تو دیکھ لینا بہشت چٹیل میدان کی طرح خالی پڑی ہوگی، یعنی عشق اور مستی لازمۂ انسانی ہے اس سے کون شخص خالی ہو سکتا ہے

| | | | |
|---|---|---|---|
| گویند بہشت و حور و کوثر باشد | | جوئے مے و شہد و شیر و شکر باشد | |
| یک جام بدوز بادہ ام اے ساقی | | نقدے ز ہزار نسیہ بہتر باشد | |
| از ہر چہ خورد مرد شراب اولی تر | | با سبز خطان بادۂ ناب اولی تر | |
| عالم ہمہ سر بسر رباطی ست خراب | | در جائے خراب ہم خراب اولی تر | |
| مائیم خریدار مے کہنہ و نو | | وانگہ فروشندۂ عالم بہ دو جو | |
| گفتی کہ پس از مرگ کجا خواہم رفت | | مے پیش من آر و ہر کجا خواہی رو | |
| آں بادۂ خوشگوار بر دستم نہ | | آں ساغر چوں نگار بر دستم نہ | |
| آں مے کہ چو زنجبیر نہ پیچد بر خود | | دیوانہ شدم بیار بر دستم نہ | |
| نہ لائق مسجدم نہ در خور و گشت | | ایزد داند کہ مرا از چہ سرشت | |
| نہ دین و دنیا و نہ امید بہشت | | چوں کافر دردیشم و چوں قحبہ زشت | |

دین و دنیا دونو سے محروم ہونے کی اس سے اچھی کوئی تمثیل نہیں مل سکتی، کافر فقیر اور بدصورت قحبہ، یہ دونو دین و دنیا کسی سے بہرہ یاب نہیں۔

دنیا کی بے ثباتی اور عبرت انگیزی | دنیا کی بے ثباتی اور عبرت زا ہونا بزرگ پایۂ شعرا کا سب سے بڑا موضوع ہے سعدی، حافظ، ابن یمین، ناصر خسرو، سنائی نجفی، کی تمام کائنات یہی ہے اس مضمون کی ابتدار اور حقیقت خیام نے کی اور اس درجہ تک اس کو پہنچا دیا، کہ سعدی

اور حافظ جیسے بلند پایہ شاعر گویا اُسی کی سکھائی ہوئی چالیں چلتے ہیں۔ نصیحت سے قطع نظر **خیام** کی زورِ شاعری کا بھی اِس سے اندازہ ہو سکتا ہے، اس نے سو سو دفعہ اس مضمون کو باندھا ہے۔ لیکن قوت تخئیل سے ہر دفعہ ایک نیا پیرایہ پیدا کر دیتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی اور خنجر ہے جو دل پر چرکے لگا رہا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| خاکے کہ بزیر پائے ہر حیوانے است | | زلف صنمی و عارض جانانے است | |
| ہر خشت کہ بر کنگرۂ ایوانے است | | انگشت وزیرے و سر سلطانی است | |

**سعدی** نے اس مضمون کیلئے فرضی حکائتیں لکھی ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| شنیدم کہ یک بار در دجلۂ | | سخن گفت با عابدے کلۂ | |
| کہ من فرّ فرماندہی داشتم | | بہ سر بر کلاہِ مہی داشتم الخ | |

ایک اور شعر میں نہائت دردانگیز طریقہ سے اس کو ادا کیا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| زدم تیشہ یک روز بر تل خاک | | بگوشش آمدم نالۂ دردناک | |
| کہ زنہار اگر مردے آہستہ تر | | کہ چشم و بناگوش و روے است و سر | |

یعنی میں نے ایک دن مٹی کے ایک تودے پر پھاوڑا مارا، میرے کان میں یہ دردناک آواز آئی کہ میاں ذرا آہستہ، یہاں آنکھیں ہیں، کان ہیں، چہرہ ہے، سر ہے۔ (ان کو چوٹ نہ لگ جائے) لیکن سعدی کی یہ تمام نقش آرائیاں **خیام** ہی کے مرقع کا عکس ہیں ملاحظہ ہو۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| وے کوزہ گرے بدیدم اندر بازار | | برتازہ گلے لگد ہمے زد بسیار | |
| واں گل بزبانِ حال با او میگفت | | من ہمچو تو بودہ ام مرا نیکو دار | |

سعدی کے شعر میں اگرچہ "آہستہ تر" اور اعضا کے مفرد ناموں نے ایک خاص اثر پیدا کیا گیا۔ لیکن طلبِ رحم کی علت خیام کے ہاں زیادہ قوی ہے یعنی یہ کہ میں بھی تمہاری ہی طرح تھا۔ اسلئے مجھ سے یہ سلوک نہ کرو۔ اس سے بھی زیادہ مؤثر طریقہ میں اسی مضمون کو ادا کیا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| پیش از من و تو لیل و نہارے بودہ است | | گردندہ فلک بہر کارے بودہ است | |
| زنہار قدم بخاک آہستہ نہ | | کیں مردمک چشم نگارے بودہ است | |

اسی مضمون کے اور پیرائے دیکھو۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| ایں کہنہ رباط را کہ عالم نام است | | آرامگہ ابلق صبح و شام است | |
| بزمے است کہ واماندۂ صد جمشید است | | قصرے است کہ تکیہ گاہ صد بہرام است | |

| | | | |
|---|---|---|---|
| خوش باش کہ غصہ بیکراں خواہد بود | | بر چرخ قراں اختراں خواہد بود | |
| خشتے زقالب تو خواہند زدن | | ایوان وسرائے دیگراں خواہد بود | |
| اے کوزہ گر آب نوش اگر ہشیاری | | تا چند کنی بر گل آدم خواری | |
| انگشت فریدوں وکف کیخسرو | | بر چرخ نہادۂ چہ مے پنداری | |

یعنی اے کمہار کچھ جانتا ہے۔ تو نے چاک پر کیا چڑھا رکھا ہے، فریدوں کی انگلی اور کیخسرو کی ہتھیلی۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| جامے است کہ عقل آفرین میزندش | | صد بوسہ زمہر برزمیں میزندش | |
| دین کوزہ گرد ہر چنیں جام لطیف | | مے سازد وباز برزمیں میزندش | |
| برسنگ زدم دوش سبوی کاشی[1] | | سرخوش بودم کہ کردم ایں اوباشی | |
| با من بزبان حال مے گفت سبو | | من چوں تو بدم تو نیز چوں من باشی | |
| ایں کوزہ چو من عاشق زاری بودہ است | | واندر طلب روئے نگاری بودہ است | |
| ایں دست کہ بر گردن او مے بینی | | دستے است کہ در گردن یارے بودہ است | |

تمہیدیات جس طرح عربی زبان میں ابونواس شراب کا جانداوہ ہے۔ فارسی میں خیام دور جام کا ستم زدہ ہے۔ وہ جس شغف جس شوق، جس بیخودی، جس بے اختیاری جوش سے شراب کا نام لیتا ہے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ درحقیقت شراب پیتا تھا۔ اور یہی ظاہری شراب پیتا تھا۔ افسوس ہے کہ وہ فلسفی اور حکیم تھا، صوفی نہ تھا۔ ورنہ حافظ کی طرح یہی شراب شراب معرفت بن جاتی۔

خیام کا آدھا کلام شراب ہی کے ذکر میں ہے۔ اکثر مضامین اور خیالات جو اُس نے شراب کے متعلق ظاہر کئے ہیں، خواجہ حافظ نے اُن ہی کو لے کر زیادہ شوخ کر دیا ہے۔ تاہم کہیں کہیں جو بہ مستی اور بیخودی اس کے کلام میں پائی جاتی ہے، خواجہ حافظ اب بھی اس حد تک نہیں پہنچتے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| من بے مے ناب زیستن نتوانم | | بے جام کشیدہ بار تن نتوانم | |
| بمن بندۂ آں دم کہ ساقی گوید | | یک جام دگر بگیر، و من نتوانم | |
| مائیم خریدار مے کہنۂ و نو | | وانگاہ فروشندۂ عالم بدوجو | |
| گفتی کہ پس از مرگ کجا خواہم رفت | | مے پیش من آرد ہر کجا خواہی رو | |

[1] یعنی شہر کاشی کا بنا ہوا گھڑا ۱۲

اس سرمستی اور بے اعتنائی کو دیکھو، ایک شخص مذہبی خیالات میں ڈوبا ہو، قیامت کے حالات کا متجسس ہے۔ خیام کے پاس آتا ہے۔ اور نہایت تردد اور تفحص کے لہجہ میں پوچھتا ہے۔ کہ مرنے کے بعد کہاں جانا ہوگا؟ وہ کس بے تکلفی سے جواب دیتا ہے کہ میاں شراب لاکر میرے سامنے رکھ دو اور جہاں جی چاہے جاؤ (مجھ کو کیا غرض)

بااین ہمہ زیادہ تحقیق و تلاش سے معلوم ہوتا ہے کہ **خیام** اگر شراب پیتا بھی تھا۔ تو رندانہ نہیں بلکہ حکیمانہ پیتا تھا۔ اگرچہ شرعاً یہ بھی ممنوع اور حرام ہے، خیام کہتا ہے کہ شراب پینے میں ان باتوں کا لحاظ شرط ہے، کس کو پینی چاہیئے؟ کتنی پینی چاہیئے؟ کن لوگوں کی صحبت میں پینی چاہیئے؟ ان شرطوں کا لحاظ رکھا جائے، تو ثابت ہوگا کہ عقلمند کے سوا اور کوئی شراب پی نہیں سکتا۔ اس لئے کہ عقلمند ہی ان شرائط کا لحاظ رکھ سکتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| مے گرچہ حرام است ولے تا کہ خورد؟ | | آنگاہ چہ مقدار؟ دوگر با کہ خوردہ | |
| ہرگاہ کہ ایں چہار شرط آید جمع | | پس مے نخورد مردم دانا کہ خورد | |

پھر صاف صاف بتاتا ہے کہ کس طرح پینی چاہیئے۔

کم کم خور، وگہ گہ خور، و تنہا مے خور

| | | | |
|---|---|---|---|
| چوں ہشیارم، طرب زمن پنہان است | | درمست شوم، درخورد م نقصان است | |
| حالے است میان ہستی و ہوشیاری | | من بندۂ آنگہ زندگانی آن است | |

یعنی شراب کی نہ وہ حالت پسندیدہ ہے۔ جب انسان مست ہوجائے نہ یہ کہ مطلق اثر نہ پڑے مستی اور ہشیاری کے بیچ میں ایک حالت ہے۔ اور میں اسی کا غلام ہوں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| چوں بادہ خوری ز عقل بیگانہ مشو | | مدہوش مباش، وجہل را خانہ مشو | |
| خواہی کہ مے لعل حلالت باشند | | آزار کسے مجوئے و دیوانہ مشو | |
| گر بادہ نے خورم نشان خامی است | | درنیز مدام میخورم بدنامی است | |
| مے شاہ و حکیم و رند باید کہ خورد | | در زیں سہ نہ، مخور کہ دشمن کامی است | |

اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ شراب پینی گو اعتدال ہی کے ساتھ کیوں نہ ہو، ہر حال میں حرام ہے اور جو شخص جواز کا فتویٰ دیتا ہے، سخت اخلاقی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، لیکن اگر تمہارے سامنے دو شخص آئیں ایک نیک طینت، بے ریا، سچا دیانت دار ہے لیکن شراب پیتا ہے۔ دوسرا شراب نہیں پیتا۔ نماز و روزہ بھی ادا کرتا ہے۔ لیکن رات دن تکفیر

بدگوئی اور غیبت میں مصروف رہتا ہے، وقف کے مال پر شرعی حیلوں سے تصرف کرتا ہے۔ احکام شرعیہ کو اپنی خواہش کے موافق ڈھالتا رہتا ہے۔ تو تم ان دونوں سے کس کو پسند کروگے؟ غور کرو، جو لوگ شراب نہیں پیتے وہ شراب سے زیادہ گناہ کس بیباکی سے کرتے ہیں۔ **خیام** ان لوگوں کو مخاطب کرکے کہتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| تو مخر مہے کنی کہ مے نہ خوری | | صد کار کنی کہ مے غلام است ادرا | |

خواجہ حافظ نے اسی نکتہ کو نہایت بلیغ پیرایہ میں ادا کیا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| فقیہ مدرسہ دی مست بود و فتوے داد | | کہ مے حرام، ولے بہ زمال اوقاف است | |

**فلسفہ** فلسفہ کیا چیز ہے؟ "حقائق اشیاء کا ادراک" ہمارے گرد و پیش جو کچھ نظر آتا ہے اُن پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں۔ تو خود بخود یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ یہ کیا چیزیں ہیں؟ کیونکر وجود میں آئیں، کس چیز سے حاصل ہوئیں؟ مفرد ہیں یا مرکب، ان کے ذاتیات کیا ہیں؟ خواص کیا ہیں؟ لوازم کیا ہیں؟ پھر ہم چند چیزوں کو ساتھ ساتھ یا آگے پیچھے وجود میں آتا دیکھتے ہیں۔ اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان میں کوئی باہم خاص تعلق ہے؟ یا اتفاقیہ ان کا ساتھ ہوگیا ہے؟ تعلق ہے تو کس قسم کا ہے؟ کیا نوعیت ہے؟ کیوں ہے؟ غرض یہ اور اس قسم کے جتنے سوالات ہیں۔ فلسفہ کا مایۂ خمیر ہیں۔ اور ان کا جواب دینا فلسفہ کا فرض ہے۔ لیکن ان سب سوالوں سے مقدم یہ سوال ہے۔ کہ کیا ہم اشیاء کی حقیقت کو جان سکتے ہیں؟ عموماً تمام حکماء اس کا جواب اثبات کی صورت میں دیتے ہیں لیکن ہر زمانہ میں ایسے حکما بھی ہوتے آئے ہیں، اور اب بھی ہیں۔ جن کی رائے ہے کہ کسی چیز کی حقیقت معلوم نہیں ہوسکتی **ہربرٹ اسپنسر** نے تمام اشیاء کی دو قسمیں کی ہیں، وہ چیزیں جو فوق الادراک ہیں، اور انسان کے دائرۂ علم میں نہیں آسکتیں، وہ چیزیں جو تحت ادراک ہیں۔ پہلی قسم پر اس نے ایک خاص رسالہ لکھا ہے۔ اور بتادیا ہے۔ کہ اُن کے متعلق کسی قسم کی تحقیقات کی کوشش نہیں کرنی چاہئے **شاپن ہور** (جرمن کا فلسفی) سرے سے انکار کرتا ہے یعنی کسی چیز کی حقیقت معلوم نہیں ہوسکتی **خیام** کا بھی یہی مذہب ہے۔ غور کرو۔ اور، خوب غور کرو، جن چیزوں کی نسبت ہم کو یقین ہے کہ ہم جانتے ہیں، ان کو بھی ہم کیا جانتے ہیں۔ سب سے زیادہ محسوس، بدیہی، اور نمایاں مادہ یا جسم ہے۔ لیکن غور سے دیکھو مادہ کو ہم کس حد تک جانتے ہیں، ہم مادہ

کے چند خواص جانتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں۔ کہ مادہ تحلیل ہوتے ہوتے ایسے چھوٹے چھوٹے اجزا تک منتہی ہوتا ہے، جو پھر تحلیل نہیں ہو سکتے۔ اور ان کو اجزائے دیمقراطیسی کہتے ہیں۔ ان اجزاء میں حرکت، وزن، کشش اتصالی، کشش ثقل اور چند خواص پائے جاتے ہیں۔ لیکن یہ اجزا کے خواص اور اعراض ہیں، ان کی اصلی حقیقت کیا ہے؟ کیونکر وجود میں آئے، کہاں سے آئے؟ یہ چیزیں بالکل غیر معلوم ہیں۔ اس سے بھی زیادہ صاف مثال میں سمجھو، ہم نے ایک سیب ہاتھ میں لیا ہم سمجھتے ہیں کہ ہم اس کو جانتے ہیں۔ اور بداہتہً جانتے ہیں۔ لیکن غور کرو، ہم کیا جانتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایک خاص مقدار رکھتا ہے۔ اس میں خوشبو ہے، رنگ ہے۔ مزہ ہے، لیکن ساخت، خوشبو، رنگ، مزہ یہ سب تو اوصاف ہیں۔ جن کو قدیم فلسفہ کی زبان میں **عرض** کہتے ہیں۔ اُن میں سے کوئی چیز جوہر قائم بالذات نہیں، حالانکہ سیب قایم بالذات چیز ہے۔ اس لئے ہم کو سیب کی اصلی حقیقت کچھ بھی نہیں معلوم ہوئی۔

علت و معلول کا سلسلہ جو ہم کسی چیز میں قائم کرتے ہیں جس قدر تحقیقات بڑھتی جاتی ہے۔ یہ سلسلہ ناقابل اعتبار ثابت ہوتا جاتا ہے۔ اور پھر اصلی علت کا پتہ نہیں لگتا اوپر سے جو چیز گرتی ہے۔ زمین پر آتی ہے۔ یونانی حکماء کی تحقیقات کے مطابق اس کی وجہ یہ تھی کہ ان چیزوں کا مرکز زمین ہے اور ہر چیز مرکز کی طرف کھینچتی ہے۔ لیکن **نیوٹن** نے اس کی غلطی ثابت کی اور بتایا کہ تمام اجسام میں جذب کی خاصیت ہے اور چونکہ زمین بڑا جسم ہے۔ اس لئے وہ اپنے سے چھوٹے تمام اجسام کو اپنی طرف جذب کرتا ہے۔ لیکن اس سے اصل مسئلہ کیا حل ہوا، اس قدر بے شبہ معلوم ہوا کہ اوپر سے گرنے کی علت تجاذب اجسام ہے۔ لیکن تجاذب اجسام کی کیا علت ہے۔ یعنی اجسام میں جذب کی خاصیت کیوں ہے؟ یہ مسئلہ اب بھی اسی طرح لاینحل ہے۔ غرض اسی طرح درمیانی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن اوپر چل کر، پھر وہی لاعلمی پیش آتی ہے۔ ایک راز کھلتا ہے۔ تو دوسرا راز پیدا ہوتا ہے۔ ایک گرہ کھلتی ہے تو دوسری گرہیں پڑ جاتی ہیں۔

| | |
|---|---|
| فلسفی سرِ حقیقت نتوانست کشود | گشت رازو گراں رازکہ افشا میکرد |

اسی بنا پر دقیق النظر حکماء کا یہی مذہب ہے کہ "ہم کو کچھ معلوم نہیں" سقراط نے تمام عمر کی تحقیقات کے بعد یہی کہا "معلوم شد کہ ہیچ معلوم نشد" **خیام** کا بھی یہی

مذہب ہے۔ خیام نے اس رائے کو نہائت صراحت اور نہائت کثرت سے بیان کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| کس مشکل سرا رفنک را نگشاد | کس یک قدم از نہاد بیروں ننہاد |
| چوں بنگرم از مبتدی تا استاد | عجز است بدست ہر کہ از مادر زاد |
| آنہا کہ محیط فضل و آداب شدند | در کشف دقیقہ شمع اصحاب شدند |
| رہ زیں شب تاریک نہ بردند بروں | گفتند فسانہ در خواب شدند |
| آنہا کہ جہاں زیر قدم فرسودند | واندر طلبش ہر دو جہاں پیمودند |
| آگاہ نمے شوم کہ ایشاں ہرگز | زیں حال چناں کہ ہست آگہ بودند |
| جمعے متفکرند در مذہب و دین | جمعے متحیرند در شک و یقین |
| ناگاہ منادے برآید ز کمین | کاے بیخبراں! راہ نہ آنست و نہ ایں |
| افسوس کہ سرمایہ زلف ہبروں شد | در دست اجل بسے جگرہا خوں شد |
| کس نامداراں جہاں کہ تا پرسم ازو | کاحوال مسافراں عالم چوں شد |
| ہر چند کہ رنگ و بوئے زیباست مرا | چوں لالہ رخ و چو سرو بالاست مرا |
| معلوم نہ شد کہ در طرب خانۂ خاک | نقاش من از بہر چہ آراست مرا |
| کس را پس پردۂ قضا راہ نہ شد | وز سر خدا ہیچ کس آگاہ نہ شد |
| ہر کس ز قیاس خویش چیزے گفتند | معلوم نہ گشت و قصۂ کوتاہ نہ شد |
| دل سر حیات را کماہی دانست | در موت ہم اسرار الٰہی دانست |
| امروز کہ با خودی ندانستی ہیچ | فردا کہ ز خود روی چہ خواہی دانست |

تم کو خیال ہوگا کہ اگر لاعلمی ہی خیام کا فلسفہ ہے، تو جتنے جاہل ہیں سب فلسفی ہیں لیکن یہ خیال صحیح نہیں، سقراط سے لوگوں نے کہا کہ جب تم بھی کچھ نہیں جانتے، اور ہم بھی نہیں جانتے تو ہم میں تم میں کیا فرق ہے۔ اُس نے کہا صرف یہ کہ میں جانتا ہوں کہ میں نہیں جانتا اور تم یہ بھی نہیں جانتے کہ "تم نہیں جانتے"۔

علم عموماً دو قسم کا ہوتا ہے، عالمانہ اور جاہلانہ، زمین، آفتاب، ماہتاب، ان سب چیزوں کو ایک گنوار بھی جانتا ہے لیکن جاہلانہ جانتا ہے۔ ایک کسان بھی جانتا ہے کہ ایک زمین میں ایک وقت دو اناج پیدا نہیں ہو سکتے، اسی کو علم نباتات کا ایک عالم بھی جانتا ہے۔ لیکن دونو کے جاننے میں کس قدر فرق ہے۔ لاعلمی کا بھی یہی حال ہے۔

ایک فلسفی بھی جانتا ہے کہ وہ خدا کی حقیقت کو نہیں جان سکتا ایک جاہل بھی اس کا اقرار کرتا ہے، لیکن دونوں میں کس قدر فرق ہے۔

**خیام** کو اس لاعلمی پر ناز ہے، اور کہتا ہے کہ ہر شخص اس لاعلمی کے رتبہ تک نہیں پہنچ سکتا

| | | | |
|---|---|---|---|
| تو بے خبری بے خبری کار تو نیست | | ہر بے خبری را نرسد بے خبری | |

اسی کو ایک اور شاعر نے شاعرانہ انداز میں ادا کیا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| تا بجائے رسیدہ دانش من | | کہ بدانم ہمے کہ نادانم | |

یعنی میرا علم اب اس درجہ پہنچ گیا ہے کہ یہ جانتا ہوں، کہ میں نہیں جانتا،

ایک اور موقع پر **خیام** کس ادعا سے کہتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| رندے دیدم نشستہ بر سنگ زمین | | نہ کفر نہ اسلام نہ دنیا و نہ دین | |
| نے حق، نہ حقیقت، نہ شریعت، نہ یقین | | اندر دو جہاں کرا بود زہرۂ این | |

لاعلمی کا فلسفہ صحیح ہو یا نہ ہو لیکن دیکھو اس کا اثر کیا ہے۔

ہر قسم کی تحقیقات، انکشافات، جدید اطلاعات، کا سرچشمہ، یہی لاعلمی کا فلسفہ ہے، گر ہم کو یقین ہو جائے کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں۔ یا جس چیز کو جانتے ہیں۔ اُس کی تہ تک پہنچ گئے ہیں تو علمی تجسس کیلئے کیا رہ جاتا ہے؟ آئندہ ہم کو کیوں تلاش ہوگی ہم کیوں جدوجہد میں مصروف ہونگے؟ لاعلمی کا فلسفہ ہمارا شمع راہ ہے۔ وہ ہم کو ہر قدم پر آگے بڑھاتا ہے۔ ہم جس قدر جانتے جاتے ہیں اُس کو نہ جانتا کہتے ہیں۔ اور آگے بڑھتے ہیں۔ **خیام** گویہ فلسفہ سکھاتا ہے۔ کہ تم کو کچھ معلوم نہیں، لیکن معلوم کرنے کی خواہش کی ترغیب دلاتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| گر از پے شہوت و ہوا خواہی رفت | | از من خبرت کہ بے نوا خواہی رفت | |
| بنگر چہ کسے؟ و از کجا آمدۂ؟ | | مے داں کہ چہ میکنی؟ کجا خواہی رفت | |

تم کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ کیا کرتے ہو؟ کہاں جاؤگے؟ خیام ان سوالوں کی تحقیقات کرنیکی تلقین کرتا ہے۔ اُن سے بڑھکر فلسفہ کے اور کیا مسائل ہو سکتے ہیں۔

ایک اور نکتہ نہائت غور کے قابل ہے۔ اسلامی بیشمار فرقوں کو دیکھو، اُن کے باہمی مسائل مختلفہ کیا ہیں؟ خدا فاعل بالایجاد ہے۔ یا بالارادہ؟ خدا کے صفات عین ذات ہیں یا خارج؟ قدیم ہیں یا حادث؟ خدا کا کلام نفسی ہے یا لفظی؟ یہ مسائل کس قدر فوق الادراک ہیں۔ جب خدا کی حقیقت ہی معلوم نہیں تو یہ کیا معلوم کہ اُس کے اوصاف کیا ہیں۔ یا اینہمہ

ہر فرقہ کو قطعی یقین ہے کہ اس کو جو کچھ معلوم ہے قطعی ہے۔ اور اس قدر قطعی ہے۔ کہ جو شخص اس کے خلاف کہتا ہے۔ وہ گمراہ ہے۔ جاہل ہے۔ کور باطن ہے۔ مرتد ہے۔ کافر ہے۔ ملعون ہے، معتزلہ، قدریہ، اشعریہ، حنابلہ، شیعہ، سُنی سب ایک دوسرے کو کافر اور گمراہ کہتے ہیں۔ یہاں تک جنگ و جدل تک نوبت پہنچتی ہے۔ اور بغداد کے گلی کوچے مسلمانوں کے خون سے رنگین نظر آتے ہیں۔

اگر ان بزرگوں کا **خیام** کے فلسفہ پر عمل ہوتا یعنے یہ کہ یہ مسائل فوق الادراک ہیں۔ ہم جس قدر جانتے ہیں، نہ جاننے کے برابر ہے، مذہبی حیثیت سے ہمارا اسی قدر فرض ہے۔ کہ اجمالی ایمان لائیں یعنی یہ کہ خدا ہے، جانتا ہے، دیکھتا ہے، سنتا ہے، بولتا ہے، باقی یہ تدقیقات کہ ان اوصاف کی حقیقت کیا ہے۔ اِس کی ہم کو شارع نے تکلیف نہیں دی، تو آج بارہ سو برس سے مسلمانوں کے فرقوں میں جو نزاعیں جنگ و جدل، معرکہ آرائیاں اور خوں ریزیاں ہوتی رہیں۔ کیوں ہوتیں۔

ہاتف شیرازی نے کیا خوب کہا ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| یکے از کفرے لاقد گرطامات مے بافند | بیا کایں داور یہا را بہ پیش داور اندازیم | |

**جبر** یعنی انسان کا مجبور ہونا، جبر ایک نہایت دقیق مسئلہ ہے۔ اور گو بظاہر غلط معلوم ہوتا ہے لیکن اس سے کوئی مفر نہیں، **قدریہ** کا تمام تر زور استدلال ارادہ پر ہے یعنی یہ کہ انسان کا ارادہ اُس کے اختیار میں ہے۔ اس لئے انسان مختار ہے۔ لیکن زیادہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انسان کا ارادہ بھی اس کی اختیاری چیز نہیں، ارادہ کے جب تمام اسباب جمع ہو جائیں گے۔ ارادہ خواہ مخواہ پیدا ہوگا۔ اُس کا روکنا یا پیدا ہونے دینا انسان کے اختیار میں نہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ جو لوگ جبر کے نام سے بھاگتے ہیں۔ اور **جبریہ** کو کافر بتاتے ہیں خود جبریہ ہیں۔ لیکن مُنہ سے اقرار نہیں کرتے۔ **اشاعرہ** جبر کے قائل نہیں بلکہ کہتے ہیں۔ کہ "انسان کو اپنے افعال پر قدرت ہے"۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ "یہ قدرت مطلقاً کچھ اثر نہیں رکھتی"۔ تو پھر ایسی قدرت سے کیا فائدہ؟ اسی بنا پر مسلم الثبوت میں لکھا ہے۔ کہ "اشاعرہ کا کسب، اور جبریہ کا جبر دونوں توام بھائی ہیں"۔ بہرحال ہم اس بحث کا فیصلہ نہیں کرتے جبر صحیح ہو یا غلط **خیام** جبر کا قائل اور معتقد تھا۔

ایزد چو نہ خواست آنچہ من خواستہ ام
کے گردد راست آنچہ من خواستہ ام
گر ہست صواب آنچہ او خواستہ است
پس جملہ خطا است آنچہ من خواستہ ام

نقشے است کہ بر وجود ما ریختہ اند
صد بوالعجبی زما برانگیختہ اند
من زاں بہ ازیں نمے توانم بودن
کز بوتہ چنیں مرا فرو ریختہ اند

از آب و گلم سرشتہ من چہ کنم
دیں پشم قصب تو رشتہ من چہ کنم
ہر نیک و بدی کہ از من آید بوجود
تو بر سر من نوشتہ من چہ کنم

سازندۂ کار مردہ و زندہ توئی
دارندۂ ایں چرخ پراگندہ توئی
من گرچہ بدم صاحب ایں بندہ توئی
کس را چہ گنہ چو آفرینندہ توئی

انہیں خیالات کو خواجہ حافظ نے عجیب عجیب پیرایوں میں ادا کیا ہے۔

بروے زاہد، و دعوت نکنم سوئے بہشت
کہ خدا در ازل از بہر بہشتم نہ سرشت

فلسفۂ زندگی خیام کا فلسفہ زندگی، بظاہر **اپیکورس** کی آواز بازگشت ہے۔ یعنی یہ کہ گزشتہ اور آیندہ سے کچھ بحث نہیں۔ جو کچھ ہے حال ہے۔ اس میں کھاؤ، پیو، خوش رہو، دگر، ہیچ **مصرعہ** چناں نماند چنیں نیز ہم نخواہد ماند۔

در وقت بہار اگر بتے حور سرشت
پرے قدحے دہد، مرا بر لب کشت
گرچہ بر ہر کس ایں سخن باشد زشت
سگ بہ ز من، ار دگر برم نام بہشت

یک شیشہ شراب و لب یار دلب کشت
ایں جملہ مرا نقد و ترا نسیہ بہشت
تومے بہ بہشت و دوزخ اندر گروند
کہ رفتہ، بدوزخ؟ و کہ آمد؟ ز بہشت

روزے کہ گزشتہ است از و یاد مکن
فردا کہ نیامدہ است فریاد مکن
بر نامدۂ و گزشتہ بنیاد مکن
حالے خوش باش و عمر برباد مکن

از درس علوم جملہ بگریزی بہ
دانند سر زلف دلبر آویزی بہ
زاں پیش کہ روزگار خونت ریزد
تو خوں پیالہ در قدح ریزی بہ

زاں پیش کہ بر سرت شبیخوں آرند
فرمائے کہ تا بادۂ گلگوں آرند
تو زر نہ، اے غافل ناداں کہ ترا
در بوتہ نہند باز بیروں آرند

ایں عقل کہ در دہ سعادت پوید
روزے صد بار خود ترا مے گوید
در باب تو ایں یکدمہ فرصت کہ نہ
آں تر کہ بدروئے و آخر روید

| | | | |
|---|---|---|---|
| دریاب کہ از روح جدا خواہی رفت | | در پردۂ اسرار فنا خواہی رفت | |
| مے نوش ندانی از کجا آمدۂ | | خوش باش ندانی کہ کجا خواہی رفت | |
| مائیم خریدار مے کہنۂ و نو | | وانگاہ فرد شندۂ عالم بدو جو | |
| گفتی کہ پس از مرگ کجا خواہی رفت | | مے پیش من آرد ہر کجا خواہی رد | |

یہ فلسفہ کہ انسان نیکی بدی کا کچھ خیال نہ رکھے، جو جی میں آئے کرے مزے اُڑائے۔ بظاہر نہایت خطرناک ہے، لیکن **خیام** سے ایسے خطرناک فلسفہ کی توقع نہیں ہوسکتی اس نے بہت سی رباعیوں میں معاد، اور جزا و سزا کا اقرار کیا ہے۔ اور نکوکاری اور برائیوں سے بچنے کی ہدایت کی ہے۔

ایشیائی سلطنتوں میں، جاہ و مال کے حاصل کرنے میں جن ذلیل، کمینہ، ناجائز اور ناپاک ذریعوں سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس کا اندازہ ہمارے ملک میں نہیں ہوسکتا، کم سے کم اس کے لئے کسی ہندوستانی ریاست کا سفر اختیار کرنا چاہیئے۔ **خیام** کے سامنے زندگی کا جو نمونہ موجود تھا۔ وہ یہی تھا کہ ارباب دنیا رات دن جوڑ توڑ، سازش، حیلہ انگیزی نفاق، خوشامد، تگ و دَو اور ناجائز کوششوں میں مصروف رہتے تھے۔ پھر ان سب مصیبتوں سے جو چیز حاصل کرتے تھے۔ وہ کس قدر ناقابل اعتبار اور سریع الزوال ہوتی تھی۔ آج ایک شخص وزیر اعظم ہے۔ کل در بدر مارا پھرتا ہے۔ کل تک ایک شخص تاج و تخت کا مالک تھا۔ آج مسجد کے دروازے پر گداگری کر رہا ہے۔ برامکہ کے ابھی تمام عالم کو چھا لیا ہے۔ ابھی خاندان کا خاندان برباد ہو کر نام نشان تک مٹ گیا، ابوالفضل کل تک ندیم خاص تھا۔ آج دربار میں اُس کا سر کٹ کر آرہا ہے۔

ان حالات کو دیکھ کر بے شبہ ایک فلسفی گھبرا اُٹھے گا۔ اور کہے گا کہ دنیا ناقابل اعتبار ہے۔ جاہ و منصب کوئی چیز نہیں، خود زندگی کس قدر ہیچ ہے۔ **فردوں** کی خاک سے کمہار کے برتن بنتے ہیں۔ **جمشید** کا کالبد، خشت سازی کے کام میں آتا ہے۔ اس لئے تگ و دَو، اور تردد و فکر بیکار ہے۔ تھوڑی سی زندگی ہے۔ اس کو قناعت، خاموشی، سکون اور اطمینان کے ساتھ گزار دو، کھاؤ، پیو، خوش رہو، اور خوشی خوشی دنیا سے چلے جاؤ۔

**خیام** اس بات سے واقف ہے۔ کہ اس قسم کے قانع شخص کو عام لوگ ذلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن وہ اس پر تعجب کرتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| ایں جمع اکابر کہ مناصب دارند | | از غصّہ و غم نہ جانِ خود بیزارند | |
| وانکس کہ اسیر حرص چوں ایشاں نیست | | ایں طرفہ کہ آدمیش مے نشمارند | |
| نہائت خوبی سے وہ قناعت اور آزادی کی تعلیم کرتا ہے۔ | | | |
| چوں رزق تو انچنانکہ عدل قسمت فرمود | | یک ذرہ نہ کم شود نہ خواہد افزود | |
| آسودہ زہر چہ نیست میباید شد | | وآزادہ زہر چہ ہست میباید بود | |
| خواہی کہ ترا تربیت اسرار رسد | | میپسند کہ کس راز تو آزار رسد | |
| از مرگ میندیش و غم رزق مخور | | کیں ہر دو بوقت خویش ناچار رسد | |
| **خیام** جس زندگی کو قابل رشک سمجھتا ہے وہ یہ ہے۔ | | | |
| درد ہر انکہ نیم نانے دارد | | وز بہر نشست آستانے دارد | |
| نے خادم کس بود نہ مخدوم کسے | | گو شادبزی کہ خوش جہانے دارد | |
| **ابن یمین** نے اس زندگی کی تصویر اس خوبی سے کھینچی ہے۔ | | | |
| دو تائے نان، اگر از گندم ست یا از جو | | دو تائے جامہ اگر کہنہ است یا خود نو | |
| بہ چار گوشۂ دیوار خود، بخاطر جمع | | کہ کس نگوید ازینجا بخیز و آں جارو | |
| ہزار بار فزوں تر بہ نزد ایں بیں | | ز فرّ مملکت کیقباد و کے خسرو | |
| اخلاقی تعلیم | خیام کا فلسفۂ اخلاق نہائت مختصر ہی لیکن جسقدر ہی اس مختصر سی دنیا کیلئے کافی ہے۔ | | |
| مکن، و دل کساں را مازار | | در عہدۂ آں جہاں منم، بادہ بیار | |
| در خون کسے و مال کسے قصد مکن | | داں لقمہ کہ داری ز کساں یار نیدار | |
| بدخواہ کساں، ہیچ بہ مقصد نرسد | | یک بد نہ کند تا بہ خودش صد نرسد | |
| من نیک تو خواہم و تو خواہی بد من | | تو نیک نہ بینی و بہ من بد نرسد | |
| گر شادی ازاں خویشتن میدانی | | کاسودہ وے را بہ غمے بنشانی | |
| در ماتم عقل خویش بنشیں ہمہ عمر | | پندار مصیبت کہ عجب نادانی | |
| اے آنکہ خلاصۂ چہار ارکانی | | بشنو سخنے ز عالم روحانی | |
| دیوی و ددی و ملک انسانی | | با تست، ہر انچہ مے نمائی آنی | |

یعنی تم شیطان، درندہ، فرشتہ، انسان، سب کچھ ہو سکتے ہو، اب جو چاہو، ہو جاؤ تم کہوگے کہ یہ ایسی کیا اچھوتی تعلیم ہے، سب اہل مذہب، اسی کی تعلیم دیتے ہیں، ہاں یہ

سچ ہے۔ لیکن اہل مذہب نے اپنی فیاضی کا دائرہ محدود کر دیا ہے ان کے نزدیک نیکی، احسان بھلائی، ہمدردی، غمخواری، ان تمام اوصاف کا محل صرف اپنے ہم مذہب ہیں۔ لیکن **خیام** کے نزدیک آفتاب کی روشنی دشت، وچمن، دونوں پر یکساں پڑتی ہے۔

**خیام** کی اخلاقی تعلیم میں، ریاکاری سب سے بڑا جرم ہے۔ اور اس نے جس خوبی سے اس کی پردہ دری کی ہے۔ آج تک کسی نے نہیں کی، سعدی اور حافظ ریا کار زاہدوں اور پیشواؤں کی دھجیاں اڑانے میں نہایت نامور ہیں۔ اور نہایت عجیب عجیب نادر پیرایوں میں ان لوگوں کے پتے کھولتے ہیں۔ لیکن خیام نے ایک رباعی میں اس مضمون کا خاتمہ کر دیا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| زاہد بہ زن فاحشہ گفتا مستی | | بنگر زکہ بگستی وچوں پیوستی | |
| زن گفت چنانکہ مے نمایم ہستم | | تو نیز چنانکہ مے نمائی ہستی | |

یعنی ایک زاہد نے ایک فاحشہ عورت سے کہا کہ تو بدمست ہے۔ تو خیال نہیں کرتی کہ تو نے کس چیز کو چھوڑا اور کس چیز کو اختیار کیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں تو جیسا اپنے آپ کو ظاہر میں دکھلاتی ہوں۔ ویسی ہی ہوں بھی، کیا آپ بھی اپنے آپ کو جیسا دکھلاتے ہیں ایسے ہی حقیقت میں بھی ہیں۔

ظاہر و باطن کے یکساں نہ ہونے کی برائی کا پیرایہ اس سے زیادہ اچھوتا، نادر اور مؤثر و عبرت خیز نہیں ہو سکتا تھا۔ **خیام** نے اس بات پر بھی خوب غور کیا تھا۔ کہ کن کن اسباب سے انسان کو خواہ مخواہ ہی ریا میں گرفتار ہونا پڑتا ہے۔ اس لئے وہ ان موقعوں سے بچنے کی تعلیم دیتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| در راہ چناں رو کہ سلامت نہ کنند | | باخلق چناں زی کہ قیامت نہ کنند | |
| در مسجد اگر روی چناں رو کہ ترا | | در پیش نہ خوانند و امامت نہ کنند | |

یعنی رستہ اس طرح چلو کہ کوئی تم کو سلام نہ کرے، لوگوں کے ساتھ اس طرح بسر کرو کہ لوگ تمہاری تعظیم کیلئے قیام نہ کریں مسجد میں جاؤ تو اس طرح کہ لوگ تم سے امام بننے کی خواہش ظاہر نہ کریں، مطلب یہ کہ ایسی سادگی بے تکلفی خاموشی سے زندگی بسر کرو کہ لوگ تم کو مقدس نہ خیال کریں۔ یہ ظاہر ہے کہ انسان جب لوگوں کی نظر میں مقدس ہو جاتا ہے تو اس کو سینکڑوں باتیں ایسی کرنی پڑتی ہیں۔ جن سے اس کا تقدس قائم رہے حالانکہ

وہ باتیں بہ تکلف کرتا ہے۔ اگر اس منصب پر وہ نہ پہنچتا تو اس خودداری اور حفظ مراتب کی اس کو کیا ضرورت تھی۔

**خیام** کا فلسفہ اخلاق زہّاد اور علماء کے فلسفۂ اخلاق سے نہایت بلند ہے یہ مقدس گروہ کسی کام کو صرف اِس نظر سے دیکھتا ہے۔ کہ اس پر عذاب یا ثواب ہوگا، ان لوگوں کو اگر اس امر کا اطمینان ہو جائے کہ اس فعل پر عذاب نہیں ہوگا، یا خدا اس کو بخش دیگا، تو پھر ان کو کچھ پروا نہ ہوگی۔ **خیام** کسی کام کے کرنے کے وقت صرف یہ دیکھتا ہے۔ کہ خود یہ کام کیسا ہے؟ اگر وہ کام بُرا ہے تو اِس سے اُس کو کچھ تسلی نہیں ہوتی، کہ خدا اس کو بخش دیگا اس کے نزدیک یہی بڑا عذاب ہے۔ کہ خدا دیکھ رہا تھا۔ اِس لئے جُرم کا ارتکاب کیا۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| با نفس ہمیشہ در نبرد م چہ کنم | | ز کردۂ خویشتن بہ در دم چہ کنم | |
| گیرم کہ زمن درگزرانی بہ گرم | | زیں شرم کہ دیدی کہ چہ کردم چہ کنم | |

یعنی اے خدا میں نے مان لیا کہ تو میرا گناہ معاف کردے گا، اور عذاب نہ دے گا لیکن یہ کیا کم عذاب ہے کہ تیری نظر کے سامنے میں نے ایسا فعل کیا۔

فقہا کی نسبت خیام کی رائے

خیام کے فلسفہ اخلاق تعلیم اور آزادی خیال کا نمونہ تم نے دیکھا۔ ایسا شخص فقہا کی نسبت جو رائے رکھ سکتا ہے۔ تم خود سمجھ سکتے ہو وہ کہتا ہے اور کسقدر سچ کہتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| با ایں دو سہ نادان کہ چناں میدانند | | از جہل کہ دانائے جہاں ایشانند | |
| خوش باش کہ از خری ایشاں بہ مثل | | ہر کو نہ خراست کافرش میدانند | |

غور کرو، امام غزالی، امام رازی، محی الدین عربی، شیخ الاشراق، ان میں سے ہر شخص فقہا کی تکفیر کا رخم خوردہ ہے۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ یہ لوگ فقہاء کے سے عامیانہ اور لغو عقائد، اور خیالات نہیں رکھتے تھے، اسی نکتہ کو **خیام** اس تلخ جملہ میں ادا کرتا ہے۔ کہ جو شخص ان تکفیر کرنے والوں کی طرح سے گدھا نہیں ہے۔ اسکو یہ لوگ کافر کہتے ہیں۔

خیام نے گو شاعری کے پردہ میں دل کے پھپولے توڑے لیکن افسوس ہے کہ فقہاء کی سخت گیری کی وجہ سے وہ بھی اسرار اور حقائق کے ظاہر کرنے کی جرأت نہ کرسکا۔ چنانچہ خود کہتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| اسرار جہاں چنانکہ در دفتر ماست | | گفتن نتواں کہ ان وبال سر ماست | |
| چوں نسبت دریں مردم دنیا اہلے | | نتواں گفتن ہر انچہ در خاطر ماست | |

افسوس! ظاہر پرستوں کی گیرودار نے خدا جانے کتنے عجیب و غریب اسرار اور حقائق دلوں ہی میں دفن کرا دیئے، آج آزادی کا زمانہ ہے، لیکن اب وہ حقائق، اور اسرار کہاں بازاری اور عامیانہ باتیں زبان پر آئیں تو اس سے کیا حاصل!!!

| آنچہ در کار ست نتوانی تو گفت | | آنچہ مے گوئی تو خود در کار نیست |
|---|---|---|

**خیام اور یورپ** یہ عجیب بات ہے کہ خیام کی قدردانی، ایشیا سے زیادہ یورپ نے کی، اور کرنی چاہئے تھی، خیام کے خیالات، یورپ سے اسقدر ملتے جلتے ہیں۔ کہ آج اگر موجود ہوتا تو شاید یورپین بن جاتا۔

عمر خیام کی نسبت ۱۸۹۶ء تک جو کچھ یورپ میں لکھا گیا وہ وصایا وغیرہ نہایت محدود ماخذوں سے تھا مگر پروفیسر شکوسکی (Shukoski) کے قابل یادگار مضمون نے خیالات میں تغیر عظیم برپا کر دیا۔ اور اب پروفیسر راس، ہیرن ایلن (Heranallen) وغیرہ نے انگریزی میں عمدہ ترجمے اور تذکرے شائع کئے۔ ان سے پہلے انگلستان میں فٹز جیرلڈ (Fitzgeeuld) کے مشہور ترجمہ کے علاوہ مکارتھی (Mecorthy) نے بڑے اہتمام کے ساتھ چھاپا تھا مگر گارنر (Gorner) کا ترجمہ عالمانہ اور مطلب خیز تھا۔ ون فیلڈ (Vathin Fiedld) نے ۱۸۸۲ء میں دو کتابیں ایک میں صرف ترجمۂ رباعیات اور دوسری میں رباعیاں اور ان کے مقابل میں ترجمہ شائع کیں (Michalan) نکلس فرانسیسی نے فٹز جیرلڈ سے ایک سال بعد فرنچ میں ایک ترجمہ شائع کیا تھا۔ باڈن اسٹیڈ (Bodenstad) نے جرمن میں ایک ترجمہ چھاپا ہے۔ اور چند رباعیوں کا ترجمہ ہالینڈ کی زبان میں بھی ہو گیا ہے۔

پروفیسر لکھتے ہیں کہ اگر وہ تمام کتابیں اور رسالے جمع کئے جائیں جن میں عمر خیام کا ترجمہ یا حال شائع ہوا ہے۔ تو درحقیقت ہماری زندگی میں یہ کام پورا نہیں ہو سکتا۔

آکسفورڈ میں ایک نہایت قدیم نسخہ ہے۔ اس کو ہیرن ایلن نے عکس میں چھاپا ہے ایک عمدہ نسخہ پیرس میں ہے۔ مگر آکسفورڈ والے سے پرانا نہیں۔

# انوری

محمد نام۔ اوحدالدین لقب، انوری تخلص، بیورد کے علاقہ میں بدنہ ایک گاؤں ہے۔ جو منہ کے مقابل واقع ہے۔ انوری نہیں پیدا ہوا۔ یہ دولت شاہ کا بیان ہے۔ لیکن

**عرفی** کہتا ہے۔ ع۔ انوری کریود از مہنہ منم از شیراز، اس علاقہ کو خاوران بھی کہتے ہیں، اس مناسبت سے انوری نے پہلے اپنا تخلص خاوری رکھا تھا۔ پھر اپنے استاد عمارہ کی فرمائش سے بدل کر انوری کر دیا۔

**انوری** نے علوم و فنون کی تحصیل طوس کے مدرسہ منصوریہ میں کی، اور تمام درسی علوم و فنون حاصل کئے، ریاضی میں خصوصیت کے ساتھ کمال پیدا کیا، دولت شاہ کا بیان ہے کہ انوری ایک دن مدرسہ کے دروازہ پر بیٹھا ہوا تھا کہ سامنے سے ایک شخص بڑے جاہ و تجمل سے گزرا، انوری نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ پائے تخت کا شاعر ہے۔ انوری نے اسی وقت تعلیم و تعلم کو خیر باد کہا۔ اور رات بھر میں قصیدہ لکھکر طیار کیا۔ جس کا مطلع یہ ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| گر دل بحر و دست کاں باشد | | دِل و دست خدا نگاں باشد | |

صبح کو دربار میں جاکر قصیدہ پڑھا۔ سنجر نہائت سخن شناس تھا بہت خظوظ ہوا، اور کہا نوکری چاہتے ہو یا صلہ، انوری نے آداب بجالا کر عرض کی۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| جز آستان تو ام در جہاں پناہے نیست | | سر مرا بجز ایں در حوالہ گاہے نیست | |

سنجر نے منصب اور وظیفہ مقرر کر دیا، سنجر رادکان سے روانہ ہوا تو انوری بھی ساتھ تھا۔ راہ میں چند قصیدے لکھ کر پیش کئے۔ جن میں سے ایک یہ ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| باز ایں چہ جوانی و جمال ست جہاں را | | دیں حال کہ نو گشت زمیں را و زماں را | |

ہمارے تذکرہ نویسوں کی بیخبری دیکھو، یہ واقعہ سب لکھتے آتے ہیں، لیکن یہ کسی سے نہ ہو سکا کہ جس قصیدے کو **انوری** کی شاعری کا دیباچہ کہتے ہیں، اُس کو کبھی اٹھا کر دیکھ بھی لیا ہوتا، انوری خود اس قصیدہ میں لکھتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| خسروا! بندہ را چودہ سال است | | کہ ہمے آرزوئے آں باشد | |
| کز ندیماں مجلس ار نہ شود | | از مقیمان آستاں باشد | |

اِس میں صاف تصریح ہے۔ کہ یہ قصیدہ ابتدا نہیں، بلکہ دس برس کی امیدواری کے بعد لکھا گیا ہے، انوری جس طرح **سنجر** کے دربار میں پہنچا ہے۔ اُس کی کیفیت یہ ہے کہ **انوری** مدت سے شعر و شاعری میں مشغول تھا، لیکن دربار تک رسائی حاصل نہیں ہوتی تھی، جس کی وجہ یہ تھی کہ دربار کا ملک الشعرا امیر **معزی** تھا۔ اور وہ کسی کو دربار میں کامیاب نہیں ہونے دیتا تھا، اس کا حافظہ نہائت قوی تھا۔ یعنی صرف ایک بار کے سننے میں قصیدہ

یاد کرلیتا تھا، جب کوئی شاعر دربار میں آتا اور قصیدہ سُناتا تو **معزی** بادشاہ سے کہتا کہ یہ قصیدہ میری تصنیف ہے۔ چنانچہ قصیدہ کا قصیدہ خود پڑھ کر سنا دیتا شاعر خفیف ہو کر، چلا آتا **انوری** کو یہ حالت معلوم ہوئی تو پھٹے پرانے کپڑے پہن، پاگلوں کی صورت بنا کر معزی کے پاس گیا، اور کہا کہ میں شاعر ہوں، بادشاہ کی مدح میں قصیدہ لکھکر لایا ہوں۔ آپ پیش کرا دیجئے معزی نے کہا کیا لکھا ہے پڑھکر سناؤ، انوری نے پڑھا۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| زہے شاہ وزہے شاہ وزہے شاہ | | زہے میروزہے میروزہے میر | |

معزی نے کہا یوں کہتے تو مطلع ہوجاتا

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| زہے شاہ وزہے شاہ وزہے شاہ | | زہے ماہ وزہے ماہ وزہے ماہ | | |

انوری نے بہکی بہکی باتیں کیں، معزی نے یہ سمجھ کر کہ دربار کا مسخرہ بنائیں گے، انوری سے کہا کل آنا، انوری دوسرے روز پہنچا تو **معزی** خود ساتھ لے کر دربار میں گیا، اور کہا کہ جو قصیدہ تم نے مدح میں لکھا ہے۔ سُناؤ۔ **انوری** نے شاعرانہ انداز میں پڑھا۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| گردل ودست بحر وکاں باشا | | دل و دست خدا گاں باشد | |
| شاہ سنجر کہ کمترین خاشش | | درجہاں باد شانشاں باشد | |

دو شعر پڑھ کر رُک گیا، اور معزی کی طرف خطاب کرکے کہا کہ یہ قصیدہ آپ کا ہے تو باقی اشعار سنائیے۔ معزی چپ رہا۔ انوری نے پورا قصیدہ سُنایا **سنجر** نہایت محظوظ ہوا اور ندیمان خاص میں داخل کیا رفتہ رفتہ یہ مرتبہ حاصل کیا کہ سنجر نے بہ ان جاہ وجلال دو دفعہ انوری کے مکان پر جاکر اُس کی عزت افزائی کی۔[1]

**انوری** کو علم نجوم میں کمال تھا سنجر کے عہد حکومت میں اتفاق سے سبعۂ سیارہ برج میزان میں جمع ہوکے انوری نے اس بنا پر پیش گوئی کی کہ فلاں ان اس روز کا طوفان آئیگا کہ تمام مکانات برباد ہوجائیں گے، لوگوں نے ڈر کر تہ خانے اور سرداب تیار کرائے اور تاریخ مقررہ پر، ان میں چھپ کر بیٹھے۔ اتفاق سے اُس دن اتنی ہوا بھی نہ چلی کہ چراغ گل ہوتا سنجر نے انوری کو بُلا کر عتاب کیا، انوری نے کہا۔ قرانات کے احکام فوراً ظاہر نہیں ہوتے۔ فریدکاتب نے اس پر قطعہ لکھا۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| گفت **انوری** کہ ازجہت بادہائے سخت | | ویران شود عمارت وکہ نیز برسری | |
| درسال حکم او دہ وزیداست ہیچ باد | | یامرسل الریاح تو دانی و **انوری** | |

[1] سلوری، تفصیلا تاریخ جہت السلجوقیہ ص ۱۲ [2] خزانہ عامرہ ۱۲۸

انوری نے اب دربار میں رہنا مناسب نہ سمجھا۔ اور ترک ملازمت کرکے نیشاپور چلا آیا۔ اب اس کی شہرت دُور دُور پھیل گئی تھی، ہر طرف سے امرا و رؤسا کے پیغام آتے تھے کہ ہمارے دربار میں قدم رنجہ کیجیے ۵۳۲ھ میں سلطان احمد پیروز شاہ نے اس کو خط بھیج کر بلایا اور ساتھ لے کر **خوارزم** کی طرف روانہ ہوا، انوری یہ سن کر کہ دریائے جیحوں راہ میں پڑتا ہے۔ اس قدر ڈرا کہ بلخ پہنچ کر سلطان احمد سے معذرت چاہی، اور وہیں رہ گیا لیکن بلخ میں اس قدر تکلیف پہنچی کہ تنگ آکر ایک قصیدہ لکھا۔ اور سلطان احمد کی خدمت میں بھیجا، مطلب کی بات اِس طرح ادا کی۔

| | |
|---|---|
| این حال کہ در **بلخ** کنوں دارم | از خوف پریشانی و گمراہی |
| زیں پیش اگر دہم و گماں بُردے | آں مخطے کوتہ منظر شاہی |
| بر عبرۂ جیحوں نہ بہ آموزش | چوں بط بہ طبیعت شدمے راہی |

سلطان احمد نے اُسی کو دربار میں طلب کیا اور معتمد خاص بھیجا کہ انوری کو ساتھ لے کر آئے۔ انوری روانہ ہوا، لیکن دریائے جیحوں کے کنارے پہنچ کر اس کے اوسان جاتے رہے، رہبر جو ساتھ تھا، ڈھارس دلانے کے لئے، لنگ باندھ کر دریا میں اُترا تیرتا ہوا دُور تک گیا اور چاروں طرف چکر لگا کر دکھلایا کہ گھبرانے کی بات نہیں۔ **انوری** بہ ہزار خرابی کشتی میں بیٹھا۔ گھاٹ پر شاہی اہتمام تھا۔ اور اسپ خاصہ سواری کے لئے آیا تھا۔ انوری نے آداب شاہی کے لحاظ سے گھوڑے پر سوار ہونے میں تامل کیا۔ لیکن پیش خدمت کے اصرار سے سوار ہوا، اور دربار میں آیا قصیدہ راہ میں لکھ دکھا تھا۔ دربار میں پہنچ کر پڑھا، دیکھو تمام واقعات کو کس خوبی سے ادا کیا۔

| | |
|---|---|
| حبذا بخت مُساعد کہ سوئے حضرتِ شاہ | مروی کرد و رہم داد پس از چندیں گاہ |
| اندر آمد ز درِ حجرۂ من صبحدمے | روز بہمن جنبر یعنی دوم بہمن ماہ |
| سال بر پانصد و سی و سہ ۵۳۲ھ از تاریخ عجم | گفت برخیز کہ از شہر بدر شد ہمراہ |
| چہ روئے راہ تردد قفنی الا مرفقم | چہ کشتی کفش تخیل بلغ السیل زباہ |
| چوں برانگیخت مرا رفت و چراغے افروخت | بے تحاشی چو رفیقی کہ بود از اشباہ |
| تا کہ من جامہ بپوشیدم دیروں رفتم | بہ شتابے کہ دوا عم نہ رہی کرد و نہ راہ |
| او بروں بر دبدم فرش و آورد دستور | محملے بست و مرا کرد چو شاہے بر گاہ |

بچنان جملہ راہم بسلامت مے برد
نہ دراں طبع ملالت، نہ دریں طوع اکراہ

تا بہ حدّے کہ مرا داد ہمے بیخ و کفش
تا بجائے کہ ہمیداد خرم را جودکاہ

چوں بہ جیحوں برسیدیم زمن ہوش برفت
گفت لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہاں

رفت و بربست ازارے و بہ جیحوں درجست
واندراں جست بہ یکدم بگذشت او بشناہ

باز باز آمد و گفتا کہ بدیدی سہل است
درنشیں، خیز، و مکن وقت گذشتن ہمگاہ

کشتی آورد و نشستیم دررد ہر دو بہم
چوں دو یار، او ہمہ یاری دہ و من یارے خواہ

او چو شیرے بہ یکے گوشہ کشتی بنشست
من سراندر زن[1] و بیروں زن، ہمچو رد باہ

آخر الامر چو کشتی بسلامت بگذشت
جستم از کشتی و آمد بہ لب کشتی گاہ

عرصۂ دیدم چوں جان و جواتے بخوشی
شادی افزائے چو جان و جوانی غم، کاہ

گفتم اے بخت بہشت است سواد ترمد
گفت را ضی مشو از روضۂ رضواں بہ گناہ

باش تا شہر بہ بینی، و دربار ملک (دربار ۱۲)
باش تا قلعہ بہ بینی و درد عرض سپاہ

تا دریں بودم، گردے ز در شہر نخاست
گفتم آں کیست مرا گفت جینت کش شاہ

آمد القصہ و آورد جنیت پیشم
دیدۂ من چو دراں شکل و شبہ کرد نگاہ

بوسہ دادم سُم، و ترا نوئے در کابش ہرسہ
گفتم اے، وز یراق از تو چہ رنگ تو سیاہ

بہ سعادت بہ سر آخر خود باز خرام
کہ ترا پایہ بلند است و مرا پا کوتاہ

ایں ہمے گفتم داو دست ہمے کوفت کہ نے
ترک فرماں ہمہ حال گناہ ہست و گناہ

اقسامِ سخن میں سے انوری کی طبیعت ہجو سے خاص مناسبت رکھتی تھی، ہجو میں وہ نہایت دلچسپ اور لطیف مضامین پیدا کرتا تھا۔ جو شعر اس کی زبان سے نکلتا عالم میں پھیل جاتا۔ اس کے ساتھ طبیعت میں تنگ ظرفی اور کم حوصلگی تھی۔ ذرا کسی سے رنج ہوا اور اس کی ہجو کا طومار باندھ دیا، اس عادت کی وجہ سے اُس نے سارے زمانہ کو دشمن بنا لیا تھا۔ چنانچہ سلطان علاء الدین ملک الجبال سے لوگوں نے شکایت کی کہ انوری نے حضور کی ہجو لکھی ہے۔ سلطان نے ملک طوطی کو جو مرد شاہجہان کا رئیس تھا، خط لکھا کہ انوری کو گرفتار کر کے دربار میں بھیج دو۔ ملک طوطی نے فخر الدین مروزی کو جو اس کے دربار کا شاعر اور منشی تھا حکم دیا کہ انوری کو لکھو کہ میں آپ کے ملنے کا مشتاق ہوں۔ فخر الدین مروزی

[1] سر اندر زدن منہ اندر کر لینا، یعنی میں لومڑی کی طرح کبھی منہ باہر نکالتا تھا۔ اور کبھی اندر کر لیتا تھا۔

**انوری** کا بڑا دوست تھا۔ اُس نے انوری کو اصل حال سے مطلع کرنا چاہا، لیکن ملک طوطی کے ڈر سے صاف صاف نہیں لکھ سکتا تھا۔ اس لئے خط کے سرنامہ پر یہ شعر لکھا۔

هی الدنیا تقول بملاء فیها　　خذا رحذا رمن بطشی وفتکی

انوری سمجھا کہ کچھ بھید ہے۔ تحقیق سے اصل واقع معلوم ہوا۔ ملک طوطی کے دربار میں سفارشیں پہنچائیں، سلطان علاء الدین کو یہ حال معلوم ہوا تو اس نے ملک طوطی کو لکھا کہ انوری کو میرے دربار میں بھیج دو۔ ہزار بکریاں صلہ میں دونگا، ملک طوطی نے انوری کو بلا کر کہا کہ تمہارے معاوضہ میں مجھ کو ہزار بکریاں ملتی ہیں۔ انوری نے کہا علاء الدین مجھ کو ہزار بکریاں کے بدلے خریدتا ہے، اور آپ مفت بھی نہیں لیتے۔ ملک طوطی کو یہ لطیفہ پسند آیا۔ اور اپنے مقربین میں داخل کیا[1]

**انوری** کے مخالف شعرانے اب یہ طریقہ اختیار کیا کہ خود ہجویں لکھ کر اُس کے نام سے مشہور کرتے تھے۔ اور انوری کو اس کا خمیازہ اٹھانا پڑتا تھا چنانچہ جب وہ بلخ میں آیا تو فتوحی شاعر نے حکیم سوزنی کی فرمائش سے بلخ کی ہجو لکھی اور **انوری** کے نام سے مشہور کر دی[2]، اس کے چند اشعار یہ ہیں۔

| | |
|---|---|
| چار شہر است خراسان را بر چار طرف | کہ وسط شان بہ مسافت کم صد در صد نیست |
| گرچہ معمور و خرابش ہمہ مردم دارد | نہ چناں ہست کہ آبستنِ دام و دد نیست |
| **بلخ** را عیب اگر چند بود باشش کنند | بر تر تیخیر دے نیست کہ صد بحر و نیست |
| مصر جامع را چارہ نبود از بد و نیک | معدنِ زر و گہر بے سرب و بسد نیست |
| جبذا شہر **نشاپور** کہ در ملک خدائے | گر بہشت است ہمیں ست وگرنہ خود نیست |

اہل شہر اس پر اس قدر برہم ہوئے کہ انوری کو پکڑ کر تختہ کلاہ کیا اور اوڑھنی اُڑھا کر گلی کوچوں میں تشہیر کی، اس سے بھی زیادہ نوبت پہنچتی، لیکن قاضی حمید الدین جن کی تصنیف سے مقامات حمیدی ہے۔ اور جن کی شان میں انوری نے لکھا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| بہ مدح و ثنا گر کنم رائے نظمے | نہ دشوار گویم نہ آساں فرستم | | |
| ولیکن بہ مدح جناب حمیدی | اگر وحے باشد ہر اساں فرستم | | |

[1] لب الالباب عوفی یزدی و مجمع الفصحا تذکرہ فخر الدین مروزی ۱۲ [2] مجمع الفصحاء تذکرہ فتوحی مروزی ریاض العارفین تذکرہ انوری دولت شاہ نے لکھا ہے۔ کہ خود انوری نے یہ ہجو لکھی تھی لیکن یہ غلط ہے۔ ۱۲

انہوں نے انوری کی حمائت کی اور اُس کی جان بچ گئی، انوری نے ان واقعات کا اِس قصیدہ میں ذکر کیا ہے۔

اے مسلمانان فغان از دورِ چرخِ چنبری

چونکہ انوری کے بچانے میں ابوطالب نعیم، صفی الدین عم، مفتی تاج الدین، حسن محتسب نظام الدین احمد مدرس نے بھی کوشش کی تھی اس لئے قصیدہ میں سب کا ذکر کیا ہے۔ اور بلخ کی ہجو سے نہائت تبریٰ کی ہے کہ بلخ قبتہ الاسلام ہے۔ میں اس کو ہجو کیونکر کہہ سکتا ہوں۔

بالآخر انوری نے تمام لغویات سے توبہ کی اور گوشہ گزیں ہو کر بیٹھا، سلطان علاء الدین غوری جہاں سوز نے دربار میں طلب کیا، لیکن اس نے انکار کیا اور یہ قطعہ جواب میں لکھا،

کلبۂ کاندرویہ روز و بہ شب — جائے آرام و خورد و خواب من است
جایگے دارم اندرو کہ ازد — چرخ در عین رشک و تاب من است
ہرچہ در مجلس ملوک بود — ہمہ در کلبۂ خراب من است
راحل اجزا دوتان خشک درد — گردخوان من و کباب من است
قلم کوتہ و صریر خوشش — زمزمہ و نغمۂ رباب من است
خرقۂ صوفیانۂ اطلس — از ہزار اطلس انتخاب من است
ہرچہ ہیروں بود ازیں کم و بیش — حاش للسامعین عذاب من است
خدمت بادشہ کہ باقی باد — نہ بیازوے خاک آب و من است
زیں قدر راہ رجعتم بستہ است — آنکہ او مرجع و تاب من است
دیں طریق از نمائش است خطا — چہ کنم ایں خطا صواب من است
نیست ایں بندہ را زباں جواب — جامۂ دجائے من جواب من است

مدح اور ہجو کے ساتھ غزل کہنی بھی چھوڑ دی، کسی نے پوچھا تو جواب دیا۔

دے مرا عاشقی، گفت غزل مے گوئی — گفتم از مدح و ہجا دست بیفشاندم ہم
گفت چوں؟ گفتمش آں جانبد گمراہی بود — حالت رفتہ دگر باز نیاید زعدم
غزل و مدح و ہجا ہر سہ ازاں مے گفتم — کہ مرا شہوت و حرص و غضبے بود بہم

اخیر شعر کا مضمون اگرچہ عربی سے ماخوذ ہے۔ لیکن اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ انوری شاعری کی حقیقت سے واقف تھا، یعنی یہ کہ شاعری، جذباتِ انسانی کے اظہار کا نام ہے شہوت

حرص، غصہ، سب جذبات ہیں۔ اور یہی جذبات غزل و مدح اور ہجو کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔
**انوری** نے حسب روائت دولت شاہ ۵۴۷ھ بمقام بلخ وفات پائی، اور سلطان احمد خضر دیہ کے پہلو میں دفن ہوا۔
انوری بخلاف اکثر شعرا کے اکثر علوم متداولہ میں کمال رکھتا تھا۔ چنانچہ خود کہتا ہے۔

گرچہ دربستم در مدح و غزل یکبارگی — طبع مبر کز نظم الفاظ و معانی قاصرم
بلکہ بر ہر علم کز اقران من داند کسے — خواہ جزوے باشد آں را خواہ کلی قادرم
منطق و موسیقی و ہیات شناسم اندکے — راستی باید بگویم با نصیب وافرم
وز الٰہی آنچہ تصدیقش کند عقل صریح — گر تو تصدیقش کنی بر شرح و بسطش ماہرم
وز طبیعی رمز چند از چند بے تشویر ہست — کشف دانم کرد اگر حاسد نباشد ناظرم
نیستم ہم جاہل از اعمال احکام نجوم — در ہمے باور نہ دانی رنجہ مشو من حاضرم
ایں ہمہ مگذار با شعر مجرد آمدم — چوں سنائی ہستم آخر گرنہ ہمچو صابرم
قدر من صاحب قوام الدین حسن داند از انکہ — صدر اورا یادگار ناصر الدین طاہرم

ان کمالات کی وجہ سے تمام لوگ اس کی عزت کرتے تھے۔ سلطان سنجر اس جاہ و جلال کا بادشاہ اس کے گھر آتا تھا، فتوحات کا یہ حال تھا کہ جلال الوزرا کے ہاں سے سالانہ پانچ سو اشرفیاں مقرر تھیں، باایں ہمہ چونکہ طبیعت کا دنی تھا اور زبان قابو میں نہ تھی۔ اس لئے ذلتیں اٹھاتا تھا۔ ایک وزیر کی مدح میں قطعہ لکھا۔ اور اخیر میں یہ شعر لکھے۔

تو کہ از دور ہمے بینی پوشیدہ مرا — **حال بیروں** و درونم نہ ہمانا دانی
طاق بو طالب نغمہ است کہ دارم بر بر — وز وروں پیرہن بو الحسن عمرانی

یعنی میرے بدن پر مدت کے پھٹے پرانے کپڑے ہیں، چادر ابو طالب کی دی ہوئی ہے اور پیراہن ابو الحسن عمرانی کا عنایت کیا ہوا ہے۔ وزیر نے ناراض ہو کر، فتوحی مروزی کو حکم دیا کہ جواب لکھے، چنانچہ اس نے ایک قصیدہ لکھا جس کے چند شعر یہ ہیں۔

از پس آنکہ بہ یک مہرد و الف ملکی — داشت در بلخ ملک شاہ بتو ارزانی
وز پس آنکہ ہزار و گرت واد وزیر — فرض آں پیر سرخشی زچہ مے بستانی
از پس آنکہ ز انعام جلال الوزرا — بتو ہر سالہ رسد مہرے پانصد کافی
اے بہ دانائی معروف چرا مے گوئی — در ثنائے کہ فرستادۂ از نادانی

| | |
|---|---|
| طاق بوطالب نعمہ است کہ دارم زیروں | وز دروں پیرہن بوالحسن عمرانی |
| چہ بخیلی کہ بچندیں زر و سیم و نعمت | طاق و پیراہنے دوخت ہمے نتوانی |
| پانزدہ سال فزوں باشد تا کشتہ شدہ است | بوالحسن آنکہ ز احسانش سخن میرانی |
| پیرہن کہنۂ او گرت بجا ئیست ہنوز | پس نخواں پیرہنش کو زرہ خفتانی |
| باقی عمر[1] بس آں پیرہن و طاق ترا | سزد ار زندہی ایرام دد گر بستانی |

یعنی **ابوالحسن عمرانی** کو مرے ہوئے آج پندرہ برس ہو گئے، اتنی مدت تک اس کا دیا ہوا پیرہن موجود ہے۔ تو پیرہن کا ہے کو زرہ ہے اور اُس کے ہوتے اب کسی پیرہن کی کیا حاجت ہے۔

**لطیفہ**، ایک دفعہ انوری راہ میں چلا جاتا تھا، ایک شخص کو دیکھا کہ اشعار پڑھ رہا ہے انوری نے خیال کیا تو اُسی کے اشعار تھے۔ پوچھا کہ آپ کا تخلص کیا ہے؟ اُس نے کہا "انوری" انوری نے کہا شعر کے چور پہلے بھی سنے تھے، شاعر چرانے والا آج دیکھا۔

کلام پر رائے | انوری جس پایہ کا شاعر تھا۔ اس سے زیادہ بہت خوش قسمت تھا، ایران میں تین شاعر پیغمبر سخن تسلیم کئے گئے، اُن میں ایک **انوری** بھی ہے، چنانچہ مشہور ہے۔

| | |
|---|---|
| در شعر سہ تن پیغمبر اند | ہر چند کہ لا نبی بعدی |
| ابیات و قصیدۂ و غزل را | فردوسی و انوری و سعدی |

ہاتفی نے مثنوی کی رعائت سے اس کو اس طرح بدل دیا ہے۔

| | |
|---|---|
| در شعر سہ تن پیغمبر اند | قولے است کہ جملگی بر انند |
| فردوسی و انوری و سعدی | ہر چند کہ لا نبی بعدی |

**اباقان خان** کے زمانہ میں یہ بحث پیدا ہوئی کہ انوری اور ظہیر فاریابی دونوں میں کس کو ترجیح ہے۔ سب نے مجد[2] ہمگر کو ثالث قرار دیا۔ اور ایک منظوم استفتا لکھا،

| | |
|---|---|
| اے آں زمیں وقار کہ بر آسمان فضل | ماہ خجستہ فضلے و خورشید انوری |
| جمعے ز ناقدانِ سخن گفتۂ **ظہیر** | ترجیح مے نہند بر اشعار **انوری** |
| جمعے دگر بریں سخن انکار مے کنند | فی الجملہ در محل نزاع اند دو اوری |
| رجحان یک طرف تو بدیشاں نما کہ ہست | زیر نگیں طبع تو ملک سخنوری |

**مجد ہمگر** نے جواب لکھا۔

[1] مجمع الفصحا تذکرہ فتوحی مروزی ۱۲ [2] مجد ہمگر اس درجہ کا شاعر تھا کہ بعضوں نے اس کو شیخ سعدی کا ہم پلہ مانا ہے ۱۲

جمعے ز اہل خطۂ کاشان کہ بردہ اند — زار باب فضل و دانش گوئے سخنوری
کردند بحث در سخن نیشاں نظم — تا خود کہ سفتہ بہ دُر دُر سخنوری
در انوری مناظرہ شاں رفت و در ظہیر — تا مر کراست پایہ بہتر ز شاعری
انصاف چوں نیافت گروہ از گرگرہ — مر بندہ را گزید نظر شاں بہ داوری
در کان طبع آں چو بگشتم کراں کراں — در بحر ایں چو نمودم شناوری
شعر یکے برآمدہ چوں دُر شاہوار — نظم دگر برآمدہ چون مہر خاوری
شعر ظہیر اگرچہ برآمد ز جنس شعر — برتر ز انوری نہ ز ندلاف شاعری
بر اوج مشتری ز سد تیر نظم او — خاصہ کہ در ثنا گری و مدح گستری
طعم رطب اگرچہ لذیذ است مخوش مذاق — کے بہ بود ز خاصیت قند عسکری
مینیست اعتقاد رہی خوش قبول کن — گر تو مقید سخن مجد ہمگری
زاد ایں نتیجہ نیم شب از آخر رجب — در خاوٗ عین و دال ز ہجر پیمبری

**امامی ہروی**[1] نے بھی اس فیصلہ سے اتفاق کیا ہے، چنانچہ کہتے ہیں،

اے سالک مسالک فکرت دریں سوال — مغدور نیستی بحقیقت جو بنگری
تمییز راز بہر تناسب دریں دو طو — ہیچ احتیاج نیست بدیں شرح گستری
کیں معجز است و آں سحر آں شمع و ایں چراغ — ایں ماہ آں ستارۂ و آں حور و ایں پری

انوری ظہیر سے بلکہ اپنے تمام معاصرین سے بڑھ کر ہو تو ہم کو انکار نہیں۔ لیکن اس سے بڑھ کر کیا ظلم ہو سکتا ہے۔ کہ فردوسی اور سعدی کے پہلو میں اس کو جگہ دی جائے۔ قطعہ مشہور اور مجد ہمگر کے فیصلہ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ انوری قصیدہ گوئی میں پیغمبر تھا جس طرح فردوسی اور سعدی مثنوی اور غزل میں تھے۔ لیکن یہ اور بھی حیرت انگیز ہے قصیدہ کا جو انداز چلا آتا تھا۔ اس پر انوری نے کچھ اضافہ نہیں کیا اور جس قدر کیا۔ اس میں اُس کے ہمعصر شریک ہیں۔ **انوری** کے قصائد کے خصوصیات یہ بتائے جاتے ہیں کہ اس نے جدید مضامین پیدا کئے، مبالغہ کو ترقی دی، نئی تشبیہیں پیدا کیں۔ لیکن

[1] یہ وہی امامی ہیں جن کو مجد ہمگر نے شیخ سعدی پر ترجیح دی تھی، اور شیخ سعدی نے ناراض ہو کر کہا تھا "ہمگر کہ بمیرد خود نکردست شک نیست کہ ہرگز بہ امامی نرسید"۔ ۱۲۔

[2] مجالس المومنین تذکرۂ انوری "ہمگر کے قطعہ کے چند شعر ہم نے چھوڑ دیئے ہیں"۔

عبدالواسع جبلی، ارزقی، اور ظہیر ان باتوں میں انوری سے کسی طرح کم نہیں، **انوری** نے ایک قصیدہ میں ہلال کی تشبیہ سے مدح کی طرف گریز کیا ہے۔ اور وہ انوری کے محاسن اشعار میں محسوب ہے۔

| | |
|---|---|
| دوش سلطاں چرخ آئینہ فام | آنکہ دستور شاہ راست غلام |
| از کنار نبرد گاہِ اُفق | چوں بدست غروب داد زمام |
| دیدم اندر سوادِ طرّۂ شب | گوشوارِ فلک ز گوشۂ بام |
| گفتم آں نعل خنگ دستور است | قرۃ العین و فخر آلِ نظام |

لیکن یہ تشبیہ اور گریز **منطقی رازی** سے ماخوذ ہے، وہ کہتا ہے۔

| | |
|---|---|
| مہ گردوں مگر بیمار گشتہ | کہ نالید و تنش بگرفت نقصان |
| بسانِ گوئے سیمین بود اکنوں | بر آمد بر فلک چوں لوک چوگاں |
| تو گفتی خنگ صاحب تاختن کرد | فگند ایں نعل زرّیں در بیاباں |

اس میں جو لطافت اور ندرت ہے **انوری** کے ہاں نہیں، ظہیر فاریابی نے بھی اس تشبیہ کو لیا ہے۔ لیکن چند اور شبیہیں اضافہ کرکے اس کو زیادہ دلاویز کر دیا ہے۔

| | |
|---|---|
| پیدا شد از کرانۂ میدانِ آسماں | شکل ہلال چوں سرِ چوگان شہریار |
| من باخرد بہ حجرۂ خلوت شتافتم | گفتم کہ اے نتیجۂ الطاف کردگار |
| بازایں چہ نقش بوالعجب و شکل نادراست | کز کارگاہِ غیب ہمے گردد آشکار |
| گردوں زجامۂ کہ؟ بریدہ است ایں طراز | گیتی ز ساعدکہ؟ ربودہ است ایں سوار |
| گفت آنچہ برشمردی از انجملہ ہیچ نیست | دانی کہ چیست با تو بگویم بہ اختصار |
| نعل سمند شاہِ جہان ست کاسماں | ہر ماہ بر سرش نہد از بہر افتخار |

وطن کی ناقدری میں **انوری** کا مشہور شعر ہے۔

| | |
|---|---|
| بہ شہر خویش دروں بے خطر بود مردم | بر کانِ خویش دروں بے بہا بود گوہر |

لیکن یہ بالکل میر معزی کے شعر کا سرقہ ہے۔

| | |
|---|---|
| مردم بہ شہر خویش نہ دارد بسے خطر | گوہر بہ کان خویش ندارد بسے بہا |

غرض انوری کی پیغمبری کے ثبوت میں کوئی معجزہ موجود نہیں، البتہ اپنے معاصرین یعنی ادیب صابر، ارزقی، لامعی، رشید الدین وطواط، عبدالواسع جبلی، معزی وغیرہ سے

بعض باتوں میں ممتاز ہے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ اور شعرا کی طرح اس کا کلام مدح پر محدود نہیں۔ وہ ہر طرح کے واقعات اور معاملات ادا کرتا ہے۔ جس سے زبان کو وسعت حاصل ہوتی ہے۔ آج کوئی شخص اگر عام معاملات ادا کرنا چاہے تو اُس کو الفاظ میں، بندش میں، ترکیب میں، انوری کے سوا اور شعرا کے کلام سے بہت کم مدد ملے گی۔

ایک قصیدہ میں شاعری کی بُرائی اور اُس کا غیر ضروری ہونا بیان کیا ہے۔ اس میں وہ تمام خیالات ظاہر کئے ہیں۔ جو آجکل شاعری کے بیکار ثابت کرنے میں پیش کئے جاتے ہیں۔ اِس نے ثابت کیا ہے۔ کہ شاعر کا رتبہ حلال خور سے بھی کم ہے۔ اس لئے کہ حلال خور دنیا کے لئے ضروری ہے۔ لیکن شاعری کی کیا ضرورت ہے۔ ایک ادنےٰ سی چیز کے بنانے میں بواسطہ اور بلاواسطہ سینکڑوں آدمی کی شرکت کی ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن شاعر کونسا کام انجام دے سکتا ہے۔ مدحیہ شعر کہ کر صلہ کا طالب ہونا کس قدر لغو ہے۔ ممدوح نے کب کہا تھا کہ تم اس کی مدح کرو۔ البتہ وہ شاعر قدر کے قابل ہے۔ جو کسی کی مدح وغیرہ نہیں کرتا۔ اِن تمام خیالات کو **انوری** نے نہایت صفائی، اور برجستگی سے ادا کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| اے برادر بشنوے رمزی ز شعر و شاعری | تا ز ما مشتے گدا، کس را بمردم نشمری |
| زانکہ از کناس ناکس در ممالک چارہ نیست | حاش للہ تا ندانی ایں سخن را سرسری |
| زانکہ گر حاجت فتد تا فضلہ را کم کند | ناقلے باید، تو نتوانی کہ خود بیروں بری |
| کار خالد کے بجعفر مے شود ہرگز تمام | آں یکے جولاہگی داند دگر بذری گری |
| باز گر شاعر نہ باشد ہیچ نقصان ناوفتد | در نظام عالم از روئے خرد گر سنگری |
| آدمی را چوں مؤنت شرط کار شرکت است | نان ز **کناسی** خوری بہ زاں بود کز شاعری |
| آں شنیدستی کہ سہ صد کس باید پیشہ ور | تا تو **نادانستہ** دے آگہی نانے خوری |
| دراز اے آں اگر از تو نباشد یاری | آں نہ نان خوردن بود، دانی چہ باشد مُبری |
| چوں نہ داری برکسے حقی حقیقت دال کہ ہست | ہم تقاضا ریش گادی ہم ہجا کون فری |
| ازچہ واجب شد بگو؟ آخر بدیں آزاد مرد | اینکہ مے خواہی ازو، یا آنکہ ازو مستکبری |
| اونرا کے گفت؟ کایں گلتہ ہا را جمع کن | تا ترا لازم شود چنداں شکایت گستری |
| عمر خود خودمے کنی ضائع ازو تاواں مخواہ | ہم تو حاکم باش تا ہم زاں کہ بفروشی خری |

دشمن جان من آمد شعر چندش پرورم
اے مسلمانان فغاں از دست دشمن پروری

شعر دانی چیست؟ دور از روے تو حیض الرجال
قائش گو خواہ حیواں باش و خواہی مشتری

اینکہ پرسد ہر زماں ایں کون خراں گاؤریش
کانوری بہ یا فتوحی اور سخن یا سنجری

**راستی** بہ بو فراس آمد نگار شاعراں
واں نہ از جنس سخن بل از کمال قادری

زانکہ ہمچوں دیگراں مدح و ثنا ہرگز نہ گفت
پس مرنج ار گویدت من دیگرم تو دیگری

مرد را باید کہ حکمت نیز دامن گیردش
تا شفائے بوعلی خواند نہ ژاژ بحتری

جس زمانہ میں غزوں (تاتاریوں) نے سلطان سنجر کو گرفتار کر لیا اور کئی برس تک قید میں رکھا تمام ملک میں بدامنی پھیل گئی، اہل خراسان نے احمد سلیمان سے استغاثہ کرنا چاہا **انوری** سے درخواست کی کہ ان عبرت انگیز واقعات کو نظم میں ادا کر دے۔ انوری نے فرمائش کی تعمیل کی۔

**برسمرقند** اگر بگذری اے بادِ سحر
نامۂ اہل خراسان بہ برِ خاقان بر

نامۂ مطلع او رنج تن و آفت جان
نامۂ مقطع او درد دل و سوز جگر

نامۂ بر رقمش، آہ شہیداں پیدا
نامۂ در شکنش، خونِ شہیدان مضمر

تا کنوں حال خراساں و رعایا بودہ است
بر خداوند جہاں خاقان پوشیدہ مگر

اے کیومرث بقا، بادشہ کسرے عدل
اے منو چہر بقا، خسرو افریدوں فر

قصۂ اہل خراساں بشنو از سرِ لطف
چوں شنیدی، ز سر رحم در ایشاں بنگر

ایں دل افگار جگر سوختگاں مے گویند
اے دل و دولت و دیں راز تو شادی و ظفر

خبرت ہست کزیں زیر و زبر شوم غزاں
نیست یک تن ز خراساں کہ نشد زیر و زبر

بر بزرگانِ زمانہ شدہ، خرداں سالار
بر کریماں جہاں گشتہ، لئیمان، مہتر

شاد الا بہ در مرگ ندبینی مردم
بکر جُو و مدشگم نام نیالی دختر

بر مسلمانان زاں مشکل کنند استخفاف
کہ مسلمان نہ کند صد یک آں با کافر

خلق را ازیں غم فریاد رس اے شاہ نژاد
ملک را ازیں ستم آزاد کن اے پاک سیر

رحم کن رحم بر آں قوم کہ جویند جویں
از پس آنکہ نخوردندے از تاز، شکر

رحم کن رحم بر آنہا کہ نیابند نمد
از پس آنکہ از اطلس شاں بودے بستر

کسی دوست کو دعوت میں بلایا ہے۔ اور نظم میں رقعہ لکھا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| ندارد مجلسِ ما بے تو نورے | | اگرچہ نیست مجلس در خور تو | |

چہ فرمائی چہ گوئی مصلحت چیست | تو آئی نزدِ ما؟ یا ما بَرِ تو؟

دربار داری اور در یوزہ گری سے توبہ کی توبہ قطعہ لکھا۔

من وایں عہد کہ با محبۂ رعنای جہاں | بعد ازاں عشق نبازم نہ بسہو ونہ بہ عمد
قوت دادن اگر نیست مرا باکے نیست | قوت ناستدن ہست فللہ الحمد

یعنی اگر دوسروں کو دینے کا مقدور نہیں تو یہ قدرت تو ہے کہ دوسروں سے کچھ نہ لوں۔ علم کی بے قدری پر اس طرح غصہ ظاہر کرتا ہے۔

اے خواجہ مکن، تا بتوانی طلب علم | نادر طلب راتب ہر روزہ بمانی
رو مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز | تا دادِ خود از کہتر و مہتر بستانی
**فرعون** و عذاب ابد در پیش مضع | موسےٰ کلیم اللہ و چوپی و شبانی

یعنی فرعون کافر ہو کر داڑھی میں موتی پروتا تھا۔ اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ ہو کر بکریاں چراتے تھے۔

عوام کی بے تمیزی، کو ایک فرضی قصہ میں ادا کرتا ہے۔

روبہے مے دوید در غم جاں | روبہے دیگرش بدید چناں
گفت خیر است؟ باز گوئی خیر | گفت خر گیری کند سلطاں
گفت تو خر نہ، چہ مے ترسی | گفت آرے ولیک آدمیاں
مے ندانند و، فرق مے نکنند | خر و روباہ شان بود یکساں

شیخ سعدی نے ایں ہم بچۂ شتر است" کا لطیفہ غالباً یہیں سے لیا ہے۔

بات چیت، خط کتابت میں ایشیائی تکلفات سے **انوری** بھی تنگ آگیا تھا چنانچہ کہتا ہے۔ اور کس بے تکلفی سے کہتا ہے۔

تکلف میان دو آزاد مرد | بود ناپسندیدہ و سخت کام
بیا تا تکلف بیک سو نہیم | نہ از تو رکوع و نہ از ما قیام
بہ سنت کنم اقتدا ازیں سپس | سلام علیکم علیکم سلام

ہجو | **انوری** کا اصلی مایہ فخر ہجو ہے۔ اور کچھ شبہ نہیں کہ اگر ہجو گوئی شریعت ہوتی تو انوری اس کا پیغمبر ہوتا، ہجو میں اس نے نہایت اچھوتے، نادر، باریک اور لطیف مضامین پیدا کئے ہیں۔ ان ہجوؤں میں قوت تخئیل جو شاعری کی سب سے ضروری شرط

ہے۔ صاف نظر آتی ہے۔ لیکن افسوس اور سخت افسوس سے کہ اس صنف میں اس کا جو کلام زیادہ نادر ہے۔ اُسی قدر زیادہ فحش ہے۔ سینکڑوں اشعار ہیں لیکن (دو ایک کے سوا) ایک بھی، درج کرنے کے قابل نہیں کسی کو ایسا ہی شوق ہو تو آتشکدۂ آذر موجود ہے۔ ہم اپنے دست و قلم کو اس سے آلودہ نہیں کر سکتے، ایک آدھ ہجو فحش سے خالی بھی ہے، وہ حاضر ہے۔

پہلے ایک شخص کی مدح لکھی۔ پھر صلہ کا تقاضا کیا، اس کے بعد ہجو کی دھمکی دی۔ دیکھو کس لطیف طریقہ سے ادا کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| سہ بیت رسم بود شاعران طامع را | یکے مدیح و دگر قطعۂ تقاضائی |
| اگر مداد سوم شکر، ورنہ داد ہجا | ازیں سہ بیت دو گفتم، دگر چہ فرمائی |

یعنی شاعروں کا قاعدہ ہے۔ کہ تین نظمیں لکھتے ہیں، اول **مدح** پھر قطعۂ **تقاضائی** جس میں صلہ کا تقاضا ہوتا ہے، اب ممدوح نے صلہ دیا تو شکریہ ورنہ **ہجو** ان تین نظموں سے، میں دو تو کہہ چکا، فرمائیے اب کیا ارشاد ہوتا ہے۔

گھوڑے کی ہجو لکھتا ہے۔

| | |
|---|---|
| بر عادت از وثاق بصحرا بروں شدم | با یک دو آشنا ہم از ابنائے روزگار |
| اسپے چناں کہ دانی زیر از میانہ زیر | وز کاہلی کہ بود نہ سکسک نہ رہوار |
| در خفت و خیز ماند ہمہ راہ عیدگاہ | من گاہ از دو **پیادہ** دگاہے او بر سوار |
| نہ از غبار خاستہ بیروں شدے بزور | نہ از زمیں **خستہ** بر انگیختے غبار |
| گہ طعنۂ ازیں کہ رکابش دراز کن | گہ بذلۂ ازاں کہ عنانش فرو گزار |
| من والۂ و خجل متحیر فرد شدہ | چشمے سوئے یمینم و گوشے سوئے سوار |

سودا نے گھوڑے کی ہجو میں جو قصیدہ لکھا ہے۔ اسی کا متبع ہے۔ چنانچہ بحر و قافیہ بھی یہی ہے۔

**نکتہ** انوری کے دیوان میں چند ہجویں۔ انوری کی بیوی اور بیٹے کی بھی پائی جاتی ہیں۔ عام لوگوں کا خیال ہے۔ کہ انوری کو ہجو کا ایسا چسکا پڑ گیا تھا۔ کہ بیوی اور بیٹے کو بھی نہ چھوڑ سکا، لیکن غالباً اور شعراء نے یہ ہجویں لکھ کر اس کے دیوان میں داخل کر دیں۔ اور چونکہ پبلک اُس کی دشمن تھی اس لئے وہ اسی طرح قائم رہ گئیں، اس خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے۔ کہ فتوحی مروزی نے انوری کے نام سے بلخ کی جو ہجو لکھ کر مشہور کر دی۔ وہ

آج تک انوری کے دیوان میں داخل ہے۔ حالانکہ ابوالحسن فراہانی شارح قصائد انوری وغیرہ نے تصریح کی ہے کہ وہ ہجو، فتوحی مروزی کی تصنیف ہے۔

**انوری** علوم عربیہ میں کمال رکھتا تھا۔ اس لئے اس کے کلام میں یہ خصوصیت خود بخود پیدا ہوگئی ہے۔ کہ عربی **تلمیحات**، عربی جملے، عربی الفاظ، اس خوبی سے شامل کرتا ہے کہ گویا انگوٹھی پر نگینہ جڑ دیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

| | |
|---|---|
| شاعری، دانی کدامے قوم کردند آن کہ بود | اوّل شاں امراء القیس، آخرشاں بوفراس |
| دیں کہ من خادم ہمے پردازم اکنوں ساحریت | سامری گو، تا بیامد گو شمال لا مساس |

سنائی کے قصیدے کا جو جواب لکھا ہے اس میں اکثر قافیے اسی قسم کے آئے ہیں، مثلاً

| | |
|---|---|
| بردجان پدرتن درمشیت دہ کہ دیر افتد | زیاجوج تمنا رخنہ در سدِ و لو شیئنا |
| بے از اد جاھدوا یکسر بدست تست ایں رشتہ | ولیک از جاھدوا ہم بر نخیرد ہیچ فینا |
| چوں مراد خویش را با ملکِ رے کردم قیاس | در خراساں تازہ بنہا دم اقامت را اساس (یعنی جاھدوا فینا) |
| چوں غنیمت را مقابل کردہ شد با امنی | عقل سی روزہ طمع ماہے بود راسًا براس |
| انظرونا نقتبس من نورکم کے گفت چرخ | کافتاب از آفتاب ہمت کرد اقتباس |
| تاکہ باشد ایں مثل کالیاس احدی الراحتین | بادے اندر راحتے کو را نباشد بیم یاس |
| بے سپیدہ دم شب خذلان مدخواست چنانکہ | تا بصبح حشرے گوید احادٌ ام سداسٌ |

**متنبی** کے اس مطلع کی طرف اشارہ ہے۔ احادٌ ام سداسٌ فی احاد

| | |
|---|---|
| دوستاں بایک جگر پُرخوں کہ اینک قد صفے | دشمناں بایکدگر پُرخندہ کاینک قد ھلک |

| | |
|---|---|
| آدم از سنبتِ وجود تو یافت | اختصاصِ خلقۃ بیدی |
| دوشش با آسماں ہمے گفتم | بر سبیل سوال مطلب اینے |
| کاے علی! خرج ایں حشم بر کیست | ہمت گفت قد ضمنت علیّ |
| میر آب است وحق ہمے گوید | کہ من الماء کل شئ حیّ |
| خصم تو و قاعدۂ ملکِ او | آں شدہ ارد جہاں مستقیم |
| چوں دد بنا بود برافراشتہ | زاں دو یکے محدث و دیگر قدیم |
| زلزلۂ قہر تو شان کرد پشت | زلزلۃ الساعۃ شئ عظیم |

جو لوگ انوری کی پیغمبری کے قائل ہیں۔ وہ اس کے ثبوت میں اس کی مضمون

آفرینیوں سے استدلال کرتے ہیں۔

متنبی نے مضمون باندھا تھا کہ ممدوح گو انسانوں میں داخل ہے لیکن انسانوں سے فائق ہے جسطرح نافہ کہ ہرن کے خون سے بنا ہے لیکن خون سے اس کو کچھ نسبت نہیں ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| فان تفق الانام وانت منهم | | فان المسك بعض دم الغزال | |

اس سے ترقی کرکے شراب و انگور کی مثال دی۔

فان فی الخمر معنیً لیس فی العنب

یعنی گو شراب انگور سے بنتی ہے لیکن یہ انگور سے بڑھکر ہے۔ ممدوح کا بھی یہی حال ہے۔

**انوری** نے ان سب تشبیہوں کو گرد کردیا۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| در جہانی و از جہاں بیشی | | ہمچو معنی کہ در بیاں باشد | |

یعنی اے ممدوح تو دنیا میں ہے۔ لیکن دنیا سے زیادہ ہے۔ جس طرح عبارت میں معنی ہوتے ہیں کہ عبارت ذرا سی ہوتی ہے۔ اور مضمون نہائت وسیع ہوتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| ز حرص خدمت او سرنگوں ہمے آیند | | بوقتِ زادنِ از **ارحام** مادراں طفلاں | |

بچے عموماً ماں کے پیٹ سے سر کے بھل پیدا ہوتے ہیں۔ انوری اس کا سبب یہ قرار دیتا ہے۔ کہ انسان فطرتاً ممدوح کی خدمت کے خواہشمند ہیں۔ اس لئے دنیا میں آتے ہیں۔ تو سر کے بھل آتے ہیں، مبالغہ جو عوام کے نزدیک شاعری کی ایک اعلیٰ صنف ہے۔ انوری اس میدان میں سب سے آگے ہے۔

ممدوح کی مدح میں

ع۔ اے بیش ز آفرینش و کم ز آفریدگار

ع۔ چیست کاں بر تو رد انیست مگر عزوجل

| | | |
|---|---|---|
| بزرگواری کاندر کمال قدرت خویش | | نہ ایزد ست و چو ایزو، بزرگ بے ہمتاست |
| گر صبا از کف دست تو وزد وقت بہار | | درم افشاں و مدار از شاخ بروں دست چنار |

**انوری اور یورپ** انوری کی خوش قسمتی میں ایک نمبر یہ بھی اضافہ کرنا چاہیئے کہ یورپ نے اس کے کلام کے ساتھ نہائت اعتنا کیا، روس کے پروفیسر **والن ٹن ژکوسکی** نے ۱۸۸۳ء میں بمقام سینٹ پٹرسبرگ، انوری کے کلام اور اس کی سوانحعمری پر ایک کتاب لکھی جس کا یہ نام ہے۔ "میٹریلس فار اے بیوگرفی اینڈ کیرکٹرسٹک اسکیچ"، یہ کتاب ۷۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور اس کے عنوانات حسب ذیل ہیں:۔

| | |
|---|---|
| دیباچہ | از صفحہ ۱ تا ۷ |
| مقدمہ | ۸ تا ۲۴ |
| باب اوّل | از صفحہ ۱ تا ۳۰ اس میں انوری کی سوانحعمری ہے، |
| باب دوم | از ۳۱ تا ۷۸ مشتمل بر خصوصیاتِ انوری، |
| باب سوم | از ۷۹ تا ۹۷ مشتمل بر شروح کلام انوری، |
| باب چہارم | از ۹۸ تا ۱۰۲ انوری کی زبان، اور تاریخ تصانیف، |
| باب پنجم | از ۱۰۳ تا ۱۳۵ ترجمۂ قصائد انوری، |
| باب ششم | از ۱۳۵ تا ۱۳۷ ترجمۂ غزلیات انوری، |


پروفیسر براؤن نے اس کتاب کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ ناظرین اس کو ملاحظہ فرمائیں اور غور کریں کہ اہلِ یورپ ہر زبان کے متعلق، کیا کیا نکتہ سنجیاں اور دیدہ ریزیاں کرتے ہیں کہ ہم اُن کی تقلید بھی نہیں کر سکتے ؛

# نظامی

الیاس یوسف نام، ابو محمد کنیت، نظام الدین لقب، **نظامی** تخلص، باپ کا نام مؤید تھا وطن عام طور پر گنجہ مشہور ہے۔ لیکن دراصل **قم** کے رہنے والے تھے۔ چنانچہ خود سکندر نامہ میں فرماتے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| چو دُر گرچہ در بحر گنجہ گم | | ولے از فتستان شہر قم | |

قم کے اضلاع میں تفرش ایک ضلع ہے۔ اصل وطن یہاں تھا لیکن چونکہ قم صدر مقام ہے۔ اس لئے انتساب میں تفرش کے بجائے قم کا نام لیتے ہیں، نظامی کے والد بزرگوار وطن چھوڑ کر گنجہ میں آئے۔ نظامی یہیں پیدا ہوئے، سال ولادت کسی نے بیان نہیں کیا۔ چونکہ بروائت صحیح سن وفات ۵۹۶ھ ہے۔ اور ان کی عمر عموماً ۶۳ برس کی بیان کی جاتی ہے اس لئے سالِ ولادت ۵۳۳ھ سمجھنا چاہیئے۔

نظامی کا خاندان، علمی خاندان تھا، ان کے بھائی قوامی مطرزی مشہور شاعر ہیں۔

---

لہ یہ امین رازی اور لطف علی آذر کی تحقیق ہے لیکن سکندر نامہ کے جس شعر سے امین رازی نے استدلال کیا ہے۔ وہ موجودہ نسخوں میں مذکور نہیں، تفرش کی مزید تفصیل، اور نظامی کی جائے ولادت لطف علی آذر سے ماخوذ ہے۔

ان کا ایک قصیدہ ہے۔ جس میں تمام صنائع شاعری جمع کر دیئے ہیں۔

نظامی نے ابتدا میں درسی علوم کی تحصیل کی، ان کے کلام سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ علمی مسائل اُن کے پیش نظر ہیں۔ خود بھی دعوے کرتے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| ہر چہ ہست از دقیقہائے نجوم | | با یکایک نہفتہائے علوم | |
| خواندم و سر ہر ورق جستم | | چوں ترا یافتم ورق شستم | |

سلسلۂ طریقت میں وہ اخی فرج زنجانی سے بیعت تھی۔

نظامی اگرچہ درویشانہ طبیعت رکھتے تھے، لیکن شاعری بھی ازل سے ساتھ لائے تھے، گھر میں پہلے سے شاعری کا چرچا تھا۔ اس لئے درسی علوم سے فارغ ہو کر، تصنیف کا قلم ہاتھ میں لیا تو حرف موزوں نکلے، مشق روز بروز بڑھتی گئی، اور کلام کا شہرہ دُور دُور پہنچا، یہاں تک کہ اُس زمانہ کے تمام بڑے بڑے سلاطین نے اِن کی قدر دانی کو لازمۂ سلطنت سمجھا اور فرمایش کر کے، اُن سے اپنے اپنے نام پر کتابیں لکھوائیں۔ اسباب اِس کے مقتضی تھے کہ سب سے پہلے قریبی دربار سے تعلق پیدا ہوتا، لیکن یہ سعادت، دور والوں کی قسمت میں لکھی تھی، سب سے پہلے جس کو یہ عزت نصیب ہوئی وہ **بہرام شاہ**[1] تھا نظامی نے مخزن اسرار ۵۵۹ھ میں اسی کے نام پر لکھی۔ اور صلہ میں اس نے پانچ ہزار اشرفیاں، ایک قطار شتر، اور انواع و اقسام کے بیش قیمت کپڑے بھیجے۔

مخزن کی تصنیف کے وقت، نظامی کا سن تقریباً ۲۵ برس کا تھا۔

**نظامی** کا وطن گنجہ، سلجوقیوں کی حدود حکومت میں واقع تھا۔ اور اس زمانہ میں اس سلسلہ میں سلطان طغرل بن ارسلان فرمانروا تھا، وہ نہایت دلیر، شجاع اور عدل پرور بادشاہ تھا۔ علم و فضل میں بھی کمال رکھتا تھا، شعر و شاعری کا بھی مذاق تھا، چنانچہ یہ رباعی اِس کی مشہور ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| دی روز چناں وصال جاں افروزی | | و امروز چناں فراق عالم سوزی | |

[1] سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے منکوچک غازی کو جو قائم بامر اللہ کا منظور نظر تھا، ارزنجان اور کماخ وغیرہ کے علاقہ کا حاکم مقرر کیا تھا، اس کے خاندان میں سے بہرام شاہ نے بہت جاہ و جلال حاصل کیا یہاں تک کہ سلطان قلیچ ارسلان سلجوقی بلاد شاہ روم نے اس کو دینی لڑکی بیاہ دی، بہرام شاہ نہایت فیاض اور بلند ہمت تھا۔ یہی بہرام، نظامی کا ممدوح ہے۔ جس کے نام پر انہوں نے مخزن الاسرار لکھی۔ (از ہفت اقلیم امین رازی)

| | | | |
|---|---|---|---|
| حیف است کہ درد فتر عمرم ایام | | آنرا روزے نویسد، ایں را روزی | |

طغرل نے سلطنت کا تمام کاروبار اتابک محمد بن ایلدکز کے ہاتھ میں دے دیا تھا، جو ابتدا میں غلام تھا۔ اور ترقی کرتے کرتے امیر الامرار کے منصب پر پہنچ گیا تھا۔ محمد بن ایلدکز کا بھائی قزل ارسلاں جس کی مدح میں ظہیر فاریابی کا یہ شعر مشہور ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| نہ کرسی فلک نہد، اندیشہ زیر پاے | | تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلاں دہد | |

کاروبار سلطنت میں برابر کا شریک تھا۔

اس زمانہ میں نظامی نے **شیریں خسرو** کہنی شروع کی تھی، کتاب کا ابھی آغاز تھا کہ اس کے چرچے دُور دُور پھیل گئے، طغرل کو خبر ہوئی، اسی وقت فرمان بھیجا کہ ایسی کتاب لکھئے کہ یادگار رہ جائے، چنانچہ دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| چو سلطان جہاں شاہ جواں بخت | | کہ برخوردار باد از تاج واز تخت | |
| بہ سلطانی بہ تاج و تخت پیوست | | بجاے **ارسلاں** بر تخت بنشست | |
| من ایں گنجینہ را درے کشادم | | بناے ایں عمارت مے نہادم | |
| اشارت رنگے از درگاہ معمور | | بہ شغل بندہ القا کرد منشور | |
| کز ینساں تحفۂ عالی نسازد | | کہ عقل از منتش گردن فرازد | |

جس زمانہ میں **نظامی** یہ مثنوی لکھ رہے تھے۔ اُن کے ایک دوست جو مذہب میں نہایت تعصب رکھتے تھے، اُن کے پاس آئے اور نہایت ناراضی کے لہجہ میں کہا کہ کافروں کے جھوٹ سچ قصے لکھنے سے کیا فائدہ،

| | | | |
|---|---|---|---|
| فسوں بت پرستان بفکن از مشت | | فسوں جوانی مکن بر تزند زردشت | |
| در توحید زن کاوازہ داری | | چرا رسم مغاں را تازہ داری | |

لیکن نظامی نے جب مثنوی کے چند اشعار بڑھکر سنائے، تو انہوں نے بے ساختہ کہا۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| چنیں سحرے تو دانی ساز کردن | | بُتے با کعبۂ انباز کردن | |

شیریں خسرو جب انجام کو پہنچی تو **محمد بن ایلدکز** جو درحقیقت تاج و تخت کا مالک تھا وفات کر چکا تھا اور اس کا بھائی قزل ارسلاں اس کا قائم مقام مقرر ہوا تھا، اس کو شیریں خسرو کے تمام ہونے کی خبر پہنچی تو نظامی کی طلبی کا فرمان بھیجا۔ قاصد فرمان لے کر آیا نظامی نے آداب شاہی کے مطابق فرمان کو پہلے سر پر رکھا، پھر تین جگہ بوسہ دے کر کھولا۔

چنانچہ شیریں خسرو کے خاتمہ میں خود فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| مثال شاہ را بر سر نہادم | سہ جا بوسیدم و سر بر کشادم |

اسی وقت گھوڑے پر سوار ہوئے۔ اور دشت و بیاباں طے کرتے ہوئے قریباً ایک مہینہ میں پائے تخت میں پہنچے، قاصد نے جاکر دربار میں اطلاع کی، قزل ارسلاں نے شمس الدین محمدؒ کو حکم دیا کہ خود جاکر اُن کو ساتھ لائے۔ دربار میں پہنچے تو دیکھا کہ مجلس عیش آراستہ ہے۔ ساز چھڑ رہے ہیں۔ گانا ہو رہا ہے۔ بادہ و جام کا دور چل رہا ہے۔ قزل ارسلاں نے فوراً ان کے ادب سے گانا بجانا بند کرا دیا۔ اور تخت سے اٹھکر تعظیم بجالایا۔ پھر بیٹھنے کا اشارہ کیا ہر طرح کی باتیں ہوتی رہیں۔ بیچ بیچ میں بزرگانہ نصیحتیں بھی کرتے جاتے تھے۔ مدحیہ نظم لکھکر لے گئے تھے۔ اُس کو سنانا چاہا۔ قاعدہ یہ تھا کہ شعرا اپنا کلام خود نہیں پڑھتے تھے، بلکہ کسی خوش لہجہ سے پڑھواتے تھے۔ جو ہمیشہ اُن کے ساتھ رہتا تھا۔ اور اُس کو **راوی** کہتے تھے چنانچہ راوی نے قصیدہ پڑھنا شروع کیا۔ یہ بھی دستور تھا کہ جب قصیدہ پڑھا جاتا تھا تو شاعر کھڑا ہو جاتا تھا۔ اور قصیدہ کے ختم ہونے تک کھڑا رہتا تھا۔ **نظامی** نے بھی اس قاعدہ کو بجا لانا چاہا۔ لیکن قزل ارسلاں نے اُقسم دلا کر منع کیا

| | |
|---|---|
| چو بر پا ایستادم گفت بنشیں | بہ سوگندم نشاندایں منزلت ہیں |

راوی نے مدح کے بعد، شیریں خسرو کا، قصہ شروع کیا۔ بادشاہ نظامی کے کندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے نہایت شوق میں سُن رہا تھا اور بار بار بے ساختہ تحسین کرتا جاتا تھا۔ نظامی کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ آپ نے ہمیشہ کے لئے میرا نام زندہ کر دیا، اس کا صلہ دینا میرا فرض ہے پھر پوچھا کہ بھائی صاحب (اتابک پہلوان محمدؒ بن ایلدکز) نے آپ کی جاگیر میں دو گاؤں دیئے تھے۔ وہ آپ کو ملے یا نہیں۔ انہوں نے کہا۔

| | |
|---|---|
| بلے شاہ سعید از خاص و نیشم | پذیرہ رفت آنچہ فرمودی زپیشم |
| چو رخت عمر او کشتی رواں کرد | مرا نے جملہ عالم را زیاں کرد |

قزل ارسلاں نے ایک گاؤں جسکا نام ہمدونیاں تھا۔ اپنی طرف سے جاگیر میں دیا[1]۔ معلوم نہیں، جان کر یا غلطی سے، گاؤں جو جاگیر میں دیا گیا وہ غیر آباد اور بنجر تھا۔ چنانچہ **نظامی** نے شیریں خسرو میں اس کی شکائت اس تقریب سے کی ہے کہ حاسدوں

[1] یہ تمام حالات تفصیل کے ساتھ خود نظامی نے شیریں خسرو کے خاتمہ میں لکھے ہیں۔ ۱۲

نے مجھکو طعنہ دیا۔ میں نے جواب میں کہا کہ فیر آباد ہے تو کیا، بادشاہ کا عدل اسکو آباد کرے گا۔
**نظامی** کی شہرت اب اس قدر عالمگیر ہوگئی تھی کہ اور سلاطین کو بھی آرزو ہوئی کہ ان سے اپنے نام پر تصنیفات لکھوائیں کہ اس ذریعہ سے ان کا نام بھی یادگار رہ جائے۔ ان میں علم وفضل کی قدردانی کے لحاظ سے سب سے ممتاز منوچہر خاقان کبیر جلال الدنیا والدین شاہ آغستان تھا۔ جو سلاطین شروانیہ کے سلسلہ کا درۃ التاج تھا، یہ خاندان خالص ایرانی نسل یعنی بہرام چوبیں کی یادگار تھا۔ منوچہر نہایت علم دوست اور علم پرور تھا۔ **خاقانی** **ابوالعلا گنجوی** (استاد خاقانی) ذوالفقار شروانی، شاہقور وغیرہ شعرا، اسی کے خوان گرم کے زلہ خوار تھے۔ ابوالعلا گنجوی، اسی کے دربار کا ملک الشعرا تھا، اور خاقانی کو افضل الشعرا کا خطاب اسی نے عنایت کیا۔ **منوچہر** نے اپنے ہاتھ سے نظامی کو دس پندرہ سطروں کا خط لکھکر بھیجا کہ لیلی مجنوں کی داستان نظم کیجئے، چنانچہ دیباچہ میں خود کہتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| درحال رسید، قاصد از راہ | آورد مثال حضرت شاہ |
| نبشتہ بہ خط خوب خویشم | دہ پانزدہ سطر نغز پیشم |
| کاے محرم حلقۂ غلامی | جادو سخن جہاں نظامی |
| خواہم کہ بہ یاد عشق مجنوں | گوئی سخنے چو دُرّ مکنوں |

خط پہنچا تو نظامی کو تردد ہوا، اتفاق سے ان کے صاحبزادے **محمدؐ** جن کی عمر اس وقت ۱۴ برس کی تھی، اس وقت موجود تھے۔ انہوں نے بھی تحریک کی۔ نظامی نے کہا، جان پدر، قصہ کی شہرت میں کلام نہیں۔ لیکن جہاں کی سرگذشت ہے۔ وہاں دلچسپی کا کوئی سامان نہیں، باغ وبہار، چشمہ وسبزہ زار، رقص وسرود، شاہی درود دربار، خیل وحشم، جاہ وجلال، کسی چیز کا پتہ نہیں، خشک ریگ زار، اور کوہستان میں میں کیا صنعت گری دکھاؤں گا۔

| | |
|---|---|
| نے باغ و نہ بزم شہریاری | نے رود و نہ مے نہ کامگاری |
| بر خشکی ریگ و سنگ کوہ | تا چند سخن رود دراندوہ |

یہی بھید ہے کہ آج تک کسی نے اس قصہ کو ہاتھ نہیں لگایا، صاحبزادہ نے کہا یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایسا مؤثر اور عجیب وغریب واقعہ نظم کی آرائش سے محروم رہ جائے، غرض **نظامی** نے بادشاہی ارشاد کی تعمیل شروع کی۔ اور کچھ کم چار مہینے میں انجام کو پہنچائی سال اتمام رجب ۵۸۴ھ ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| من گفتم و دل جواب مے داد | | خاریدم و چشمہ آب مے داد | |
| ایں چار ہزار بیت و اکثر | | گفتم بہ چہار ماہ کمتر | |
| گر شغل دگر حرام بودے | | در چاردہ شب تمام بودے | |
| تاریخ عیاں کہ دشت باخود | | ہشتاد و چہار ۵۸۴ھ بود و پانصد | |

**نظامی** نے اس مثنوی کے صلہ میں بادشاہ سے یہ خواہش کی کہ ان کے صاحبزادے ولی عہد سلطنت کے ندیموں اور مصاحبوں میں داخل کئے جائیں۔

۱۴ رمضان ۵۹۳ھ میں سلطان غیاث الدین کرب[1] ارسلاں علاء الدین آقسنقری کی فرمائش سے ہفت پیکر لکھی۔ جس میں بہرام گور کا قصہ ہے۔

قزل ارسلاں کے مرنے کے بعد، اس کا بھتیجا یعنی محمدؐ بن ایلدگز کا فرزند ارجمند ابوبکر نصرۃ الدین ۵۸۷ھ میں مسند آرا ہوا، نظامی کو اس خاندان سے قدیم تعلق تھا۔ اس وقت تک انہوں نے جو کتابیں لکھی تھیں، سلاطین وقت کی فرمائش سے لکھی تھیں، لیکن سکندر نامہ اپنی خواہش سے لکھا، اور ابوبکر نصرۃ الدین کے نام سے موسوم کیا۔ یہ کتاب ۵۹۵ھ میں انجام کو پہنچی، چنانچہ خود سکندر نامۂ بحری کے خاتمہ میں لکھتے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| بہ پایاں شد ایں داستاں دری | | بہ فیروزفالی و نیک اختری | |
| ز ہجرت چناں بر دہم یادگار | | تو دہ گزشتہ ز پانصد شمار | |

کتاب لکھ کر بادشاہ کے حضور میں پیش کی تو مقررہ رقم کے علاوہ، سواری کا گھوڑا بیش قیمت کپڑے خلعت وغیرہ عطا ہوا[2]۔

اساتذہ سے میں نے سنا ہے کہ سلاطین وقت نظامی کی اس قدر عزت کرتے تھے کہ ایک بادشاہ نے اپنی لڑکی، اُن کے بیٹے سے بیاہ دی تھی میں نے کسی کتاب میں یہ واقعہ نہیں دیکھا۔ لیکن سکندر نامۂ بحری کے خاتمہ سے اس قدر بہ تصریح ثابت ہوتا ہے کہ نظامی نے اپنی صاحبزادی اور اپنے فرزند محمدؐ کو نصرۃ الدین کی خدمت میں بھیجا تھا، چنانچہ کہتے ہیں۔

---

[1] اس کا حال نہ معلوم ہو سکا ۱۲ [2] سکندر نامۂ بحری کے خاتمہ میں یہ تصریح ہے۔ لیکن تعجب ہے کہ نقد رقم صرف ہزار لکھی ہے۔ اگر یہ ہزار دینار بھی فرض کر لئے جائیں۔ تب بھی ایسی رقم ہے۔ جو نظامی کے شایاں ہے۔ نہ ایک مشرقی بادشاہ کے چہرے پر کھلتی ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| دو گوہر بر آمد ز دریائے من | | فروزندہ از روئے شاں رائے من | |
| یکے عصمتِ مریمے یافتہ | | یکے نور عیسےٰ بر د تافتہ | |
| فرستادہ ام ہر دو را نزد شاہ | | کہ یاقوت را درج دارد نگاہ | |
| عروسے کہ دور اوز مادر بود | | بہ ار پردہ دارش برادر بود | |
| بباید چو آید بر شہریار | | چنیں پردگی را چناں پردہ دار | |
| چوں من نزل خاص تو جاں دادہ ام | | جگر نیز با جان فرستادہ ام | |

اخیر شعر سے صاف یہ راز کھل جاتا ہے۔

اس کتاب کی تصنیف کے وقت اُن کی عمر ۶۳ برس کی تھی، چنانچہ جہاں اور حکماء کے مرنے کا الگ الگ عنوان قائم کیا ہے۔ اپنے نام کی بھی سُرخی قائم کی ہے۔ اُس کے ذیل میں لکھتے ہیں،

| | | | |
|---|---|---|---|
| نظامی چو ایں داستاں شد تمام | | بہ عزم شدن تیز برداشت گام | |
| فزوں بود شش ہفت شصت و سہ سال | | کہ بر عزم رہ برد ہل زود دال | |

اس کتاب پر اُن کی شاعری اور عمر دونو کا خاتمہ ہوا، سال وفات میں سخت اختلاف ہے۔ دولت شاہی میں ۵۹۶ھ لکھا ہے۔ لیکن یہ خود **نظامی** کی تصریح کے خلاف ہے تقی کاشی نے ۶۰۶ھ لکھا ہے۔ جامی ۵۹۲ھ بیان کرتے ہیں۔ لیکن اس قدر قطعی ہے کہ ۵۹۹ھ کے بعد اُن کی وفات ہوئی ہے۔ اور غالباً چھٹی صدی سے آگے نہیں بڑھے۔

چونکہ انہوں نے تمام عمر گوشۂ عزلت سے قدم نہیں نکالا، نہ لوگوں سے زیادہ ملتے جُلتے تھے، اس لئے اُن کی زندگی کے حالات و واقعات بہت کم معلوم ہیں۔ عام تذکرہ نویس اُن کے اِس وصف کے نہایت مداح ہیں۔ کہ وہ بادشاہوں کی خوشامد اور درباداری سے بالکل پاک تھے، البتہ جو سلاطین ان کے ساتھ ارادت و اعتقاد کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اُن پر بزرگانہ عنایت کرتے تھے، لیکن ان کی کتابوں میں سلاطین کی جو مدحیں ہیں۔ اُن میں وہی حد سے زیادہ مبالغہ، خوشامد، اور تملق ہے۔ جو عام مداحوں کا انداز ہے۔ اِس سے بڑھکر یہ کہ جس بادشاہ کا ذکر کرتے ہیں، اس طرح کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو اس کے سوا کسی دربار سے تعلق نہیں۔ اور وہ اس کو فرمانروائے عالم سمجھتے ہیں۔ بے شبہ انہوں نے مدحیہ قصائد نہیں لکھے لیکن مثنویوں میں اس زور کی مدحیں لکھیں جن کے

آگے قصائد کی کوئی ہستی نہیں، ملاحظہ ہو۔

| | |
|---|---|
| دلائت ستاں شاہ گیتی پناہ | فریدوں کمر بلکہ خاقان کلاہ |
| ستارہ کہ بر چرخ ساید سرش | زدہ سکۂ عبدۂ بر درش |
| چو تیر از کماں کمیں افگند | سر آسماں بر زمیں افگند |
| فرنگ و فلسطیں در ہیبان ردم | پذیرلے فرماں مہرش چو موم |

اس سے زیادہ یہ امر حیرت انگیز ہے کہ بادشاہوں کے سامنے اپنے آپ کو جس حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ وہی ہوتی ہے۔ جو گدا پیشہ شاعروں کا انداز ہے۔ یعنی حضور کا نمک خوار ہوں، غلام ہوں، بندۂ درگاہ ہوں، حضور کی ذرا سی توجہ سے میرے سارے کام بن جائیں گے، حضور ہی میری مشکلوں کو حل کر سکتے ہیں۔

کلام پنج گنج کے سوا، نظامی کا اور بہت سا کلام تھا۔ جو آج مفقود ہے۔ دولت شاہ کا بیان ہے کہ اس میں غزلیں، موشحات اور صنائع کے بیس ہزار شعر تھے تذکروں میں چند قصائد، قطعات، اور غزل کے جستہ جستہ اشعار پائے جاتے ہیں۔ تعجب یہ ہے۔ کہ عشقیہ شاعری کی نقش آرائیاں انہی کی بدولت وجود میں آئیں، لیکن غزلیں پھیکی اور بے مزہ ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

| | |
|---|---|
| خوشا جانے کزد جانے بیاسود | نہ درویشے کہ سلطانے بیاسود |
| نکوئی بر نکو روئے بما ناد | کہ از لبہاش وندانے بیاسود |
| بہ عمر خود پریشانی مبیناد | دے کز وے پریشانے بیاسود |
| مرا گوئی کہ چونی؟ چونم اے دوست | جگر پُر درد دل پُر خونم اے دوست |
| شنیدم عاشقاں را مے نوازی | مگر من زاں میاں بیروں نم اے دوست |
| پیش تو کردہ ام عیاں حال تباہ خویش را | تا تو نصیحتے کنی چشم سیاہ خویش را |
| سرزنشم مکن کہ تو شیفتہ تر زمن شوی | گر نگری در آئینہ روئے چو ماہ خویش را |
| ختنی جمالی اے مہ زحبشی چہ نام داری | تو بجز خطے و خالے زحبش کدام داری |
| حبشی منم نہ در تن ہمہ سوخت است خونم | ختنی توئی کہ در بر ہمہ سیم خام داری |
| حبشی است رنگ مویت ختنی است رنگ رویت | تو میاں ایں دو کشور بہ کجا مقام داری |
| حبشی سفید نبود، ختنی نمک نہ دارد | تو بغائت سفیدی نکے تمام داری |

انہی بوڑھے غمزدوں میں، کبھی کبھی بڑے شوخ جملے بھی زبان سے نکل جاتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| بوسہ مے خو ہم ازاں لب تو چہ مے فرمائی | گر صواب است بگو ورنہ خطائے بکنم |
| میں لب کا ایک بوسہ چاہتا ہوں کہئے کیا لائے ہے | مناسب ہو تو بہتر، ورنہ نامناسب ہی کیا جائے |

قصیدے بہت ہیں، لیکن ان میں بھی کوئی خاص بات نہیں **سنائی** کا انداز ہے، اخلاق اور تصوف کو ترکیب دے کر کہتے ہیں، لیکن سنائی سے بہت پیچھے ہیں۔ اس لئے مقبول نہ ہو سکے، البتہ ایک قطعہ نہایت صاف، شستہ اور پُر لطف کہا ہے جس کا آج تک جواب نہ ہو سکا۔

| | |
|---|---|
| دوش رفتم بہ خرابات و مرا راہ نبود | مے زدم نالہ و فریاد کس از من نشنود |
| یا نہ بد ہیچ کس از بادہ فروشاں بیدار | یا کہ من ہیچ کسم، ہیچ کسم، در نکشود |
| پاسے از شب بگذشت بیشترک، یا کمتر | رندے از غرفہ بروں کرد سر و رخ بنمود |
| گفت خیر است دریں وقت کرا مے خواہی | بے محل آمدنت بر درِ ما بہر چہ بود |
| گفتمش در بکشا، گفت برو ہرزہ مگوی | کاندریں وقت کسے بہر کسے در نکشود |
| ایں نہ مسجد کہ بہر لحظہ درش بکشایند | کہ تو دیر آئی و اندر صفت پیش استی زود |
| ایں خرابات مغان ست درو رندانند | شاہد و شمع و شراب و شکر و نای و سرود |
| ہر چہ در جملۂ آفاق دریں جا حاضر | مومن و برہمن و گبر و نصارا و یہود |
| گر تو خواہی کہ دم از صحبتِ ایشاں بزنی | خاک پائے ہمہ شو، تا کہ بپایی مقصود |

عصمت بخاری اور عرفی نے قوافی بدل کر اس کا جواب لکھا ہے۔ لیکن جواب نہ ہو سکا۔ عصمت کا قطعہ یہ ہے۔

| | |
|---|---|
| سرخوش از کوئے خرابات گذر کردم دوش | بہ طلب گاری تر سا بچۂ بادہ فروش |
| پیشم آمد بہ سر کوچہ پری رخسارے | کافرے عشوہ گرے زلف چو زنار بدوش |
| گفتم ایں کوئے چہ کوے است و ترا خانہ کجا است | اے مہ نو خم ابروی ترا حلقہ بگوش |
| گفت تسبیح بہ خاک افگن و زنار بہ بند | سنگ بر شیشہ تقوے زن و پیمانہ بنوش |
| بعد ازاں پیشِ من آتا بتو گویم سخنے | راہ بنمایم اگر بر سخنم داری گوش |
| دیں برافگندہ و مدہوش و دیدم در پیش | تا رسیدم بہ مقامے کہ نہ دیں ماند و نہ ہوش |
| دیدم از دور گروہے ہمہ دیوانہ و مست | از خم بادۂ عشق آمدہ در جوش و خروش |

| | | |
|---|---|---|
| بے مے و مطرب و ساقی ہمہ در عیش و سرود | | بے مے و جام و صراحی ہمہ در نوشانوش |
| چوں سر رشتۂ ناموس برفت از دستم | | خواستم تا سخنی پرسم ازو گفت خموش |
| ایں نہ کعبہ است کہ بے پا و سر آئی بہ طواف | | دیں نہ مسجد کہ چنیں بے ادبانہ بخروش |
| ایں خرابات مغان است درد رندانند | | از دم صبح ازل تا بقیامت مدہوش |

قصیدہ میں ان کی یہ خصوصیت لحاظ کے قابل ہے کہ اگرچہ ان کو مختلف درباروں سے تعلق تھا، اور جس قدر مثنویاں لکھیں سب کسی نہ کسی فرمانروا کے نام پر لکھیں، تاہم قصیدہ کو انہوں نے مداحی سے آزاد رکھا، اور یہ بتایا کہ شعر کی اس عمدہ صنف سے اور بھی مفید کام لئے جا سکتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ اُن کے نقش قدم پر کوئی نہ چلا، قصیدے اُس وقت سے آج تک خوشامد کی طرز میں ادا کئے جاتے ہیں۔

# نظامی کی شاعری

**نظامی** نے شاعری کو جس طرح ترقی دی اور جو باتیں اس میں پیدا کیں۔ اُن کو ہم تفصیل سے لکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن پہلے ان سب کو اجمالاً لکھ دینا چاہیے، تاکہ یکجائی طور سے سب باتیں پیش نظر ہو جائیں، اُن کی خصوصیات حسب ذیل ہیں۔

(۱) جامعیت، یعنی شاعری کی ہر صنف کو انہوں نے ترقی دی۔

(۲) زور کلام۔

(۳) بلاغت۔

(۴) جدت استعارات اور تشبیہات۔

(۵) ایجاد و اختراع اور قوت تخئیل۔

(۶) اولیات یعنی بہت سی باتیں اول انہی نے ایجاد کیں۔

اب ہم ایک ایک کو تفصیل سے لکھتے ہیں۔

**جامعیت** ایران میں جس قدر شعرا گزرے ہیں۔ وہ خاص خاص انواع شاعری میں کمال رکھتے تھے۔ مثلاً **فردوسی** رزم کا مرد میدان ہے۔ عشقیہ شاعری میں اُس کو کمال نہیں **سعدی** اخلاقی اور عشقیہ شاعری کے پیغمبر ہیں۔ لیکن رزم میں پھیکے ہیں۔ چنانچہ سکندر نامہ کی طرز پر شاطر اصفہانی کی جو حکائت بوستاں میں لکھی ہے۔ اگرچہ اس میں اپنا پورا زور صرف

کر دیا ہے۔ لیکن وہ بوڑھاپن نہیں جاتا، ایک مصرع نہایت زور شور کا ہے۔ دوسرے میں دفعتہً پست ہو جاتے ہیں۔ **خیام** صرف فلسفہ لکھ سکتا ہے۔ **حافظ** صرف غزل لکھ سکتے ہیں۔ بخلاف اس کے **نظامی** نے رزم، بزم، فلسفہ، عشق، اخلاق، سب کچھ لکھا ہے اور جو کچھ لکھا ہے۔ لاجواب لکھا ہے، البتہ مدح ان سے نہیں بن پڑتی لیکن مدح کوئی شاعری نہیں۔ شاعر بھاٹ نہ ہو تو اس کی شاعری میں کیا نقص ہے۔

نظامی کی انواع شاعری پر الگ الگ بحث آگے آتی ہے۔

**اولیات نظامی** بہت سی باتوں کے موجد ہیں۔

مثلاً سب سے پہلے انہی نے پانچ مختلف بحروں میں مثنویاں لکھیں، جس کی تقلید اُس وقت سے آج تک تمام بڑے بڑے شعراء کرتے آئے ہیں۔ چنانچہ ان کے خمسہ پر تمام اکابر شعرا نے خمسہ لکھا ہے۔

مخزن اسرار اور ہفت پیکر کی بحر کو اول انہی نے مثنوی میں داخل کیا۔

سب سے پہلے انہی نے ایک مثنوی (مخزن اسرار) میں پانچ نعتیں لکھیں، اور ہر ایک کا جدا رنگ ہے۔

سب سے پہلے انہی نے فلسفیانہ مباحث کو نظم کیا۔

سب سے پہلے انہی نے ساقی نامہ کا خاکہ قائم کیا۔

سب سے پہلے انہی نے قصیدہ کو مدح سے پاک کیا۔

زور کلام

**نظامی** سے پہلے شعراء کا کلام، صفائی، سادگی، شستگی تک محدود رہا تھا۔ اور انہی چیزوں کے کمال سے شاعری کے کمال کا اندازہ کیا جاتا تھا **نظامی** پہلے شخص ہیں۔ جنہوں نے ترکیبوں میں چستی اور کلام میں زور، بلندی، اور شان و شوکت پیدا کی **عرفی** اور **ابوالفضل** کی نظم و نثر کا زور مشہور ہے۔ مگر دونو پر **نظامی** ہی کا اثر ہے۔ یہاں تک کہ طغرائے کہ دیا کہ ابوالفضل نے **سکندر نامہ** ہی کو لے کر نثر کر دیا ہے۔

فردوسی کے زمانہ تک روزمرہ اور بول چال کی زبان خالص فارسی تھی، چنانچہ مثنویوں کی زبان وہی رہی، البتہ قصائد میں جس سے لفاظی اور علمی قابلیت کا اظہار بھی مقصود ہوتا تھا۔ عربی الفاظ اور ترکیبیں کثرت سے شامل ہو جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ علوم عربیت کے گھر گھر پھیل جانے سے روزمرہ کی زبان بھی وہی مخلوط العربیۃ فارسی ہو گئی۔ اب عربی الفاظ

کا جدا کرنا، فارسی زبان کا بدمزہ اور بے اثر کر دینا تھا، اس لئے **نظامی** نے اس باب میں **فردوسی** کی تقلید نہیں کی، بلکہ اسی زبان کو لیا جو ملک اور قوم کی عام زبان تھی لیکن ان کی نکتہ سنجی یہ ہے کہ عربی اور فارسی کے جو لفظ ان کے ہاں آتے ہیں، وہ ہوتے ہیں کہ اس کا ہم معنی کوئی لفظ اس انداز اور شان و شوکت کا تمام زبان میں نہیں مل سکتا، یہی بات ہے کہ اُن کے کسی مضمون کو، جب کوئی شاعر اپنے لفظوں میں ادا کرنا چاہتا ہے۔ تو وہ شان قائم نہیں رہتی، مثلاً اُن کا یہ شعر کمند کی تعریف میں ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| کمند، اژدہائے مسلسل شکنج | | دہن باز کردہ بہ تاراج گنج | |

**سعدی** اسی مضمون کو لے کر یوں تصرف کرتے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| بہ صید ہژبراں پرخاش ساز | | کمند، اژدہائے دہن کرد باز | |

دونو کے مضمون اور معنی میں جو فرق ہے۔ اُس سے یہاں بحث نہیں۔ لیکن الفاظ کی ساخت اور ترکیب پر غور کرو۔ کس قدر فرق ہے۔ مسلسل، شکنج، تاراج، گنج، یہ الفاظ اور اُن کی پُرزور ترکیب، سعدی کے ہاں کہاں ہے۔

فردوسی، سعدی، اور نظامی کے ہاں جو مضامین مشترک ہیں۔ اُن کا باہم موازنہ کرو بلاغت سے قطع نظر، الفاظ کی شکوہ و شان اور ترکیبوں کی چستی اور نظم و نسق میں نظامی کا کلام، علانیہ ممتاز نظر آئے گا۔ نمونہ کے لئے ہم صرف دو ایک مثالیں درج کرتے ہیں۔

**فردوسی** خدا کی ذات اور عالم غیر عنصری کے ادراک کی حد سے خارج ہونے کو اس طرح ادا کرتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| نیابد بدو نیز اندیشہ راہ | | کہ او برتر از نام و از جایگاہ | |
| سخن ہرچہ زیں گوہراں بگذرد | | نیابد بدو راہ جان و خرد | |
| ازیں پردہ برتر سخن گاہ نیست | | بہ ستیش اندیشہ را راہ نیست | |

**نظامی** اسی مضمون کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| اساسے کہ در آسماں دوسے است | | بہ اندازہ فکرت آدمی است | |
| شود فکرت اندازہ را رہنموں | | سر از حد اندازہ نارد بروں | |
| بہر پایۂ دست چنداں رسد | | کہ آں پایہ را حد بہ پایاں رسد | |
| چو پایاں پذیرد حد کائنات | | نماند در اندیشہ دیگر جہات | |

| | | | |
|---|---|---|---|
| نیندیشد اندیشہ افزوں ازیں | | کہ ہستی نہ، بلکہ بیروں ازیں | |

اسی مضمون کے قریب قریب یہ اشعار ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| چناں برکشیدی وبستی نگار | | کہ بہ زاں نیارد خرد در شمار | |
| چناں بستی ایں طاق نیلوفری | | کہ اندیشہ را نیست زو برتری | |
| چناں آفریدی زمین و زماں | | ہماں گردش انجم و آسماں | |
| کہ چنداں کہ اندیشہ گردد بلند | | سرِ خود بروں ناورد زیں کمند | |

شاید تم کو خیال ہو کہ فردوسی کے بہت سے الفاظ اب نامانوس ہیں۔ نظامی اُن کے بجائے متداول الفاظ لاتے ہیں۔ اس کے سوا نظامی کو یہ موقع حاصل ہے۔ کہ جہاں فارسی الفاظ سے شان وشکوہ نہ پیدا ہو سکے، وہاں عربی الفاظ سے کام لیں، فردوسی اپنے التزام کی وجہ سے ایسا نہیں کر سکتا، لیکن یہ خیال صحیح نہیں، نظامی جہاں خود فردوسی کی بولی بولتے ہیں۔ وہاں بھی یہ فرق قائم رہتا ہے۔ عناصر کی ابتدا اور ان کی ترکیب کو دونو نے لکھا ہے۔ اور خالص سادہ فارسی میں لکھا ہے۔ **فردوسی**

| | | | |
|---|---|---|---|
| از آغاز باید کہ دانی درست | | سرمایۂ گوہراں از نخست | |
| یکے آتشے برشدہ تابناک | | میان باد، و آب از بر تیرہ خاک | |
| نخستیں کہ آتش زجنبش دمید | | زگرمیش بس خشکی آمد پدید | |
| وزاں پس زآرام سردی نمود | | زسردی ہماں یا زتری فزود | |
| چو ایں چار گوہر بجائے آمدند | | زبہر سپنجی سرائے آمدند | |
| گہر ہا یک اندر دگر ساختہ | | زہر گونہ گردن بر افراختہ | |

یعنی عناصر (گوہر) کی ابتدا یوں ہوئی کہ پہلے آگ بلندی پر پیدا ہوئی۔ اس کے پیچھے ہوا۔ پھر پانی، پھر خاک۔ آگ حرکت سے پیدا ہوئی، اس کی حرارت کی وجہ سے یبوست پیدا ہوئی پھر سکون کی وجہ سے برودت کا وجود ہوا، برودت نے رطوبت پیدا کی، یہ عناصر، باہم ترکیب پاکر عالم بنا۔ **نظامی**

| | | | |
|---|---|---|---|
| زگشت سپہر آتش آمد پدید | | کہ آتش بہ تیزی گرمش دمید | |
| زنیروے آتش ہوائے کشاد | | کہ مانند او گرم دارد نہاد | |
| بہ بادے گراینده شد گوہرش | | کہ گردندگی دور بود از برش | |

| | | | |
|---|---|---|---|
| چکید از ہوا ترے در مغاک | | پدید آمد آبے چناں نغز و پاک | |
| چو ہر چار گوہر بہ امر خدائے | | گرفتند بر مرکز خویش جائے | |
| مزاج ہمہ در ہم آمیختند | | وز و رستنیہا بر انگیختند | |

ان اشعار میں امر، مرکز، مزاج، کے سوا، باقی تمام الفاظ فارسی ہیں۔ لیکن فردوسی کے الفاظ، اور ترکیب الفاظ میں وہ بلندی اور شان نہیں، جو نظامی کے ہاں ہے، گشت سپہر، نیرو، نہاد، گرانیدہ، گردندگی، مغاک، نغز، ان الفاظ اور ان کی حسن ترکیب نے جو بات پیدا کی، مذاق صحیح اس کا اندازہ کر سکتا ہے۔

اسی مضمون کو ایک اور جگہ لکھا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| نخستیں طلسمے کہ پرداختند | | زمیں بود و ترکیب ازو ساختند | |
| چو نیروے جنبش در و کرد کار | | با فسردگی زود آمد نجار | |
| ازو ہر چہ رخشندہ و پاک بود | | سزاوار اجرام افلاک بود | |
| دگر بخششہا کاں بلندی نداشت | | ہر مرکزے مایۂ مے گزاشت | |
| یکے بخش ازو آتش روشن است | | کہ بالاترین طاق ایں گلشن است | |
| دگر بخش ازو باد جنبندہ خواست | | کہ تا او نہ جنبند نا نند کواست | |
| سوم بخش ازو، آب را دق پذیر | | کہ ہستش زرا وق گری ناگزیر | |

ان اشعار میں اکثر فلسفیانہ اصطلاحات کو عربی کے بجائے فارسی میں، ادا کیا ہے مثلاً۔

| عربی | فارسی | عربی | فارسی |
|---|---|---|---|
| قوتِ حرکتہ | نیروے جنبش | قسر | افسردگی |
| نوع | بخش | مادہ | مایہ |
| متحرک بالطبع | جنبندہ خو | سیّال | راوق پذیر |

**نظامی** کے اشعار کا سعدی سے مقابلہ کرو، تو یہ فرق اور واضح ہو جاتا ہے، مثلاً نظامی انقلابات زمانہ اور واقعات عالم کی عبرت انگیزی کو اس طرح ادا کرتے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| فلک بر بلندی، زمیں بر مغاک | | یکے طشت خوں شد یکے طشت خاک | |
| نوشتہ بریں ہر دو آلودہ طشت | | زخون سیادش بسے سرنوشت | |

**سعدی** اسی مضمون کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| زدم تیشہ یک روز بر تل خاک | | بگوشش آمدم نالۂ دردناک | |
| کہ زنہار اگر مردے آہستہ تر | | کہ چشم و بنا گوش دروئے است وسر | |
| جوانی شد و زندگانی نماند | | جہاں گو ماں چوں جوانی نماند | |

عہد شباب کی حسرت کو دونو نے لکھا ہے۔ **نظامی** لکھتے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| چو باد خزانے در افتد بہ باغ | | زمانہ دہد جائے بلبل بہ زاغ | |
| بود برگ ریزاں چو شاخ بلند | | دل باغباں زاں شود دردمند | |
| بنال اے کہن، بلبل سالخورد | | کہ رخسارۂ سرخ گل گشت زرد | |
| دو تا شد سہی سرو آراستہ | | کدیور شد از باغ برخاستہ | |
| فرو ماند وستم زمے خواستن | | گراں گشت پایم زبر خاستن | |
| تنم گونۂ لاجوردی گرفتہ | | گلم سرخی انداخت زردی گرفت | |
| ہیون روندہ زرہ ماند باز | | ببالین گہ آمد سرم را نیاز | |

**سعدی** لکھتے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| چو باد صبا بر گلستان وزد | | چمیدن درخت جواں را سزد | |
| نہ زیبد مرا با جواناں چمید | | کہ بر عارضم صبح پیری دمید | |
| شمار است توبت بریں خوان نشست | | کہ ما از تنعم بشستیم دست | |
| گل سرخ رویم، نگر زر ناب | | فرو رفت چوں زرد شد آفتاب | |
| گلستان مارا طراوت گزشت | | کہ گلدستہ بندد چو پژمردہ گشت | |

**قوت تخئیل** شاعری کے تمام نازک اور مشکل مقامات میں ان کی جدت اور اختراع کی عجیب وغریب صناعیاں نظر آتی ہیں۔ قصہ کے خاکے کھینچنے میں، ترتیب واقعات میں تمہید میں، واقعہ نگاری میں، بندش مضامین میں تشبیہات میں، استعارات میں، مبالغوں میں ہر جگہ نیا انداز نظر آتا ہے۔ اور ثابت ہوتا ہے کہ اُن کی قوت تخئیل (امیجنیشن) کس قدر قوی اور زبردست ہے۔

بادشاہ کی مدح لکھتے ہیں۔ اور یہ تمہید اٹھاتے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| علم برکش اے آفتاب بلند | | خراماں شو، اے ابر مشکیں پرند | |
| بنال اے دل رعد چوں کوس شاہ | | بخند اے لب برق چوں صبحگاہ | |

| | | | |
|---|---|---|---|
| بپارے ہوا، قطرۂ ناب را<br>برآرے دُرازِ قعرِ دریائے خویش | | بگیرے صدف دُرکن آں آب را<br>بہ تاج سرِ شاہ کن جائے خویش | |

قدیم خیال یہ تھا کہ آفتاب کی گرمی سے بخارات پیدا ہوتے ہیں۔ اس سے بادل پیدا ہوتے ہیں۔ بادل برستا ہے۔ تو سیپ کے منہ میں جو قطرے پڑتے ہیں۔ موتی بن جاتے ہیں ان خیالات کی بنا پر **نظامی** کہتے ہیں۔

او آفتاب، عَلَم اُٹھا۔ او سیاہ پوش بادل، آہستہ آہستہ چل،
اور رعد! نقارۂ شاہی کی طرح کڑک، او بجلی صبح کی طرح ہنس،
او ہوا، قطرے برسا، او سیپ قطرہ کو لے کر موتی بنا، اور موتی، دریا کی تہ سے نکل، اور نکل کر بادشاہ کے تاج پر جگہ لے۔

بات اتنی تھی کہ بادشاہ کا تاج جواہر نگار ہے۔ لیکن شاعر کو قوت تخیل کے ذریعہ سے یہی بات اس صورت میں نظر آتی ہے۔ کہ عالم کا تمام کاروبار صرف بادشاہ کی اوج و شان بڑھانے کے لئے ہے۔ اس کی قوت خیالہ اس سے بھی آگے بڑھتی ہے۔ ممدوح کے بل پر اس کو تمام عالم اپنا محکوم نظر آتا ہے۔ اور وہ تحکمانہ انداز سے، آفتاب، بادل، رعد، برق، اور ہوا کو حکم دیتا ہے۔ کہ اپنے اپنے کام انجام دے کر موتی تیار کرو، تاکہ بادشاہ کے تاج پر ٹانکے جائیں۔ اس کے ساتھ انداز بیان کے زور، الفاظ کی شوکت، بندش کی دردبست کو دیکھو کہ طلسم کا عالم نظر آتا ہے۔ پھر خیال کرو کہ ایک ایک مختلف حالت کو کس طرح صرف ایک ایک مصرع میں کھپا دیا ہے۔

**مثال (۲)** سکندر نامہ میں متعدد جگہ آفتاب کے غروب اور طلوع کو، بیان واقعہ کی حیثیت سے لکھا ہے، لیکن ہر جگہ ایک نیا پیرایہ قائم کیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| چو یاقوت خورشید را دزد بُرد<br>بہ دزدی گرفتند مہتاب را | | بہ یاقوت جستن جہاں پے فشرد<br>کہ ایں بُرد آں گوہر ناب را | |

یعنی جب آفتاب کا یاقوت، چوری گیا تو زمانہ نے یاقوت کے ڈھونڈھنے کے لئے دوڑ دھوپ شروع کی، آخر چاند کو جاکر پکڑا کہ اس نے یہ جوہر چرایا ہے، چونکہ آفتاب کے غروب کے بعد چاند نکلتا ہے۔ اس لئے اس کو چور قرار دیا۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| کہ چوں آتش روز روشن گزشت | | پُراز دُود شد گنبد تیز گشت | |

| | | |
|---|---|---|
| شب از ماہ بر بست پیرایۂ | | شگفتے بود نور در سایۂ |

یعنی جب دن کی آگ بجھ گئی تو دھواں، تھا۔ (یعنی رات) اور گنبد (آسمان) میں بھر گیا۔ رات نے چاند کا زیور پہنا، لوگوں کو اس پر حیرت ہوئی کہ سایہ میں نور نظر آتا ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| دگر روز کیں ساقیٔ صبح خیز | | زمی کرد بر خاک، یاقوت ریز |
| چو خورشید بر زد سر از گنج نیل | | فرو شست (یعنی دھو چکا) گردوں، قبا را ز نیل |
| چو در برقع کوہ رفت آفتاب | | سر روز روشن، فرو شد، بخواب |
| شب تیرہ چوں اژدہائے سیاہ | | زماہی بر آورد سر سوئے ماہ |
| سیہ کرد بر شبرداں راہ را | | فرو برد چوں اژدہا ماہ را |
| سپاہ سحر چوں علم بر کشید | | جہاں، حرف شب را قلم در کشید |
| چو سلطان شب، چتر بر سر گرفت | | سواد جہاں راہ عنبر گرفت |
| ستارہ چناں گنجے از زر فشاند | | کہ نہد زمین گاؤ، بر گنج راند |
| کہ چوں شاہ چیں صبح را بار داد | | عروس (رات) عدن، دُر، ستارہ بہ دینار داد |
| چو شب در سر آورد کیخے پرند | | سرمہ در آمد بہ مشکیں کمند (آفتاب) |

استعارات اور تشبیہات **نظامی** کی خصوصیات شاعری میں نہایت نمایاں خصوصیت استعارات اور تشبیہات کی جدت ہے۔ استعارہ اور تشبیہ اگر صرف حسن کلام اور تفنن طبع کے کام آئے تو وہ کوئی بڑی چیز نہیں، لیکن بعض استعارے یا تشبیہات ایسے ہوتے ہیں جن کا اثر اصل مضمون پر پڑتا ہے، یعنی مضمون کا زور بڑھ جاتا ہے، جو بات صفحوں میں ادا ہو سکتی ہے۔ ایک لفظ سے ادا ہو جاتی ہے۔ صورت واقعہ کی تصویر اسطرح سامنے آجاتی ہے، کہ کسی اور طرح سے نہیں آسکتی تھی اس قسم کے استعارات اور تشبیہیں اور شعراء کے ہاں بہت کم پائی جاتی ہیں، لیکن **نظامی** کا کلام ان سے بھرا پڑا ہے، مثلاً **دارا** جب زخم کھا کر گرا ہے۔ اس موقع پر اس واقعہ کو یوں ادا کرتے ہیں،

| | | |
|---|---|---|
| نسب نامۂ دولت کیقباد | | ورق بر ورق ہر سوئے بُرد باد |

**دارا** سلسلۂ کیانی کا فیر فرمانروا تھا۔ اور اس کے مرنے سے گویا اس عظیم الشان خاندان کی تاریخ مٹ گئی، اس مضمون کو **تشبیہ** نے کس قدر مؤثر اور بلند کر دیا، دارا کو خاندان کیانی کا نسب نامہ کہا، یعنی جس طرح نسب نامہ میں تمام خاندان کے نام درج

ہوتے ہیں۔ **دارا** کا وجود گویا تمام خاندان کا وجود ہے۔ اور اس کے دیکھنے سے کیقباد، کیخسرو، کیکاؤس، سب کی مجموعی عظمت و شوکت آنکھوں میں پھر جاتی ہے۔ پھر اس کے مرنے کو یوں بیان کیا ہے کہ نسب نامۂ کیانی کا ایک ایک ورق اڑ گیا۔ اسی مضمون کو ایک اور **تشبیہ** کے ذریعہ سے ادا کیا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| بہار **فریدوں** و گلزار **جم** | | زباد خزاں گشت تاراج غم | |

**سکندر** نے جب **دارا** کی سسکتی لاش کو اپنے زانو پر رکھ لیا ہے۔ اس موقع پر کہتے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| سرِ خستہ را بر سر ران نہاد | | شب تیرہ بر روز رخشان نہاد | |

**سکندر** نے جب دارا کو گستاخانہ جواب لکھا ہے۔ تو دارا کہتا ہے۔

| | |
|---|---|
| ازاں ابر عاصی چناں ریزم آب | کہ نارد دگر دست بر آفتاب |
| اس سرکش بادل کو اسطرح نچوڑ دوں گا | کہ پھر آفتاب پر ہاتھ نہ بڑھا سکے |

سکندر نے جب ایک حبشی سردار پر حملہ کیا ہے تو حملہ کی تیزی اور زور کو اس طرح ادا کرتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| بہ کیک دری چوں؟ در آید عقاب | چگونہ؟ جہد برزمیں آفتاب |
| ازاں تیز تر **خسرو** پیلتن | بہ تندی در آمد بہ آں اہرمن |

آفتاب سورج کو بھی کہتے ہیں اور دھوپ کو بھی، اس موقع پر بلاغت کے انداز کو دیکھو، تشبیہ سے ابتدا نہیں کی، بلکہ مخاطب سے کہتے ہیں۔ کہ تم کو خیال ہے۔ عقاب چکور پر کیونکر گرتا ہے۔ دھوپ کس طرح زمین پر دفعتہً چھا جاتی ہے؟ اس سے مقصد یہ ہے کہ پہلے مخاطب کے ذہن میں اچھی طرح یہ سماں قائم ہو جائے، پھر کہتے ہیں "اس سے بھی زیادہ تیزی اور زور کے ساتھ **سکندر** نے اس دیو پر حملہ کیا"۔ حملہ کی خاص حالت سے قطع نظر کر کے **سکندر** کو آفتاب اور حریف کو زمین سے تشبیہ دینا، یوں بھی موزوں تھا، تشبیہ مرکب نے اس لطف کو اور دوبالا کر دیا۔

**سکندر** نے جب ایک روسی پہلوان پر کمند پھینکی ہے۔ اس موقع پر کہتے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| کمند عدو بند را شہریار | | بینداخت چوں چنبر روزگار | |

کہنا یہ تھا کہ سکندر نے اس طرح کمند پھینکی کہ حریف کسی طرح اس سے بچ نہیں سکتا تھا۔ اس مضمون کو چنبر روزگار کی تشبیہ نے کس قدر پُرزور کر دیا،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خسرو پرویز کو خط لکھا ہے۔ تو خط میں عرب کی رسم کے مطابق اپنا نام خسرو کے نام سے پہلے لکھا تھا۔ خسرو نے خط کھولا تو چونکہ ایران میں بادشاہ کا نام عموماً تمام تحریروں میں پیشانی پر لکھا جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سرنامہ پر دیکھ کر خسرو سخت جھلا اٹھا، اور خط کو پرزے پرزے کرکے پھینک دیا، اس موقع کو نظامی نے شیریں خسرو میں جہاں لکھا ہے، خسرو کی جھلاہٹ اور برہمی کو اس طرح تشبیہ کے ذریعہ سے ادا کرتے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| چو عنوان گاہِ عالم تاب را دید | | تو گفتی سگ گزیدہ آب را دید | |

دیوانہ کتا جب کسی کو کاٹ کھاتا ہے۔ تو سگ گزیدہ پانی کو دیکھ کر بڑے زور سے جھجکتا ہے۔

اب تشبیہ کے تمام اجزا پر خیال کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط آب شیریں ہے۔ خسرو نے چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خط سے بے ادبی کی ہے۔ اس لئے شاعر اس کو سگ نجس سمجھتا ہے۔ فوری اور شدت کی جھلاہٹ، سگ گزیدہ کی اس مخصوص حالت سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی ان سب باتوں کو پیش نظر رکھو، تو نظر آئے گا کہ یہ مضمون جس طرح اس تشبیہ سے ادا ہو سکتا تھا۔ اور کسی طرح ادا نہیں ہو سکتا تھا۔

قدماء اور متاخرین کی خصوصیات جدا جدا ہیں۔ اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ گو قدماء کی متانت، پختگی، جزالت، کے مقابلہ میں متاخرین کا کلام سبک معلوم ہوتا ہے۔ تاہم متاخرین کی بعض بعض خصوصیتیں اس قابل ہیں کہ اُن پر رشک کیا جائے، ان میں ایک تشبیہات کی لطافت اور استعارات کی نزاکت ہے، قدماء آس پاس کی چیزوں سے سادہ سادہ تشبیہیں پیدا کرتے تھے، استعارے بھی سادے اور سہل الماخذ ہوتے تھے لیکن متاخرین کے زمانہ میں تمدن بہت ترقی کر گیا تھا، اس لئے انسانی احساسات نازک اور لطیف ہو گئے تھے۔ اس بنا پر اب قدماء کی تشبیہیں بے مزہ ہو گئی تھیں۔ اس کو مادیات کے ذریعہ سے یوں سمجھو کہ جب کسی قوم کا تمدن، ابتدائی حالت میں ہوتا ہے۔ تو وہ نہایت تیز اور کرخت خوشبو کو پسند کرتی ہے۔ اور کم درجہ کی خوشبو کو اس کا دماغ اچھی طرح محسوس نہیں کر سکتا، یہی سبب ہے۔ کہ عرب مشک اور عنبر، اور ہندو تلسی اور نازبو، کی خوشبو پسند کرتے تھے، لیکن آج چونکہ ہر چیز میں لطافت پیدا ہو گئی ہے، مشک اور تلسی کی خوشبو

سے بعض وقت دماغ پراگندہ ہوجاتا ہے۔ اب گلاب اور کیوڑہ کا عطر درکار ہے۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر انگریزی عطر محبوب ہے، جو اس قدر لطیف ہوتا ہے کہ عام آدمیوں کو اس کی خوشبو محسوس بھی نہیں ہوتی۔ **استعارہ** اور تشبیہ کا بھی یہی حال ہے۔ استعارہ اور تشبیہ کی یہ لطافت، متاخرین کا خاصہ ہے۔ مثلاً قدمار معشوق کے چہرہ کو آفتاب سے اور اس کی ہنسی کو خندۂ صبح سے تشبیہ دیتے تھے، لیکن متاخرین کے مذاق میں ایک شاعر کہتا ہے۔ ع

صبح ز خورشید رخت خندۂ

یعنی معشوق کا چہرہ ہنسا تو صبح پیدا ہوگئی، یعنی صبح خود معشوق کی ہنسی کا نام ہے۔

**استعارہ** اور **تشبیہ** کی اس لطافت اور نزاکت کے موجد **نظامی** ہیں۔ انہوں نے اس کثرت سے نازک اور لطیف استعارے اور تشبیہیں پیدا کیں کہ متاخرین میں سے بھی کسی ایک شاعر کے کلام میں نہیں مل سکتیں، چند مثالیں ملاحظہ ہوں،

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| | بہ باغ شعلہ در، دہقاں انگشت | | بنفشہ مے درد دلالہ مے کشت | | |

کہنا یہ تھا کہ انگیٹھی میں آگ جلائی تو دھواں کم ہوجاتا تھا۔ اور آگ بھڑکتی جاتی تھی، اسکو اس طرح ادا کیا کہ انگیٹھی کا دہقان، شعلوں کے باغ میں بنفشہ کاٹتا جاتا تھا۔ اور لالہ بوتا جاتا تھا۔

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| | درآمد نقشبند مانوی دست | | زمیں را نقشہ ہائے بوسہ مے بست | | |

کہنا یہ تھا کہ مصور جب دربار میں آیا، تو آداب دربار کے موافق زمین بوس کرتا آتا تھا۔ اس کو اس طرح پر ادا کیا۔ کہ مصور بوسوں سے نقش و نگار کرتا آتا تھا:

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| | بہ نوشیں لب، آں جام را نوش کرد | | زلب جام را حلقہ در گوش کرد | | |

پیالہ پینے کے وقت لب، کی جو ہیئت پیدا ہوتی ہے۔ اُس کو حلقہ سے تشبیہ دی ہے۔ اور اس بنا پر پیالہ کو لب کا حلقہ بگوش قرار دیا ہے۔

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| | ہوا بر سبزہ ہا گوہر گسستہ | | زمرّد را بہ مروارید بستہ | | |

شبنم کو موتی سے، اور سبزہ کو زمرّد سے تشبیہ دی ہے۔ اس بنا پر کہتا ہے کہ ہوا نے سبزہ پر جو موتی بکھیر دیئے تھے، تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ زمرّد میں موتی ٹانک دیئے ہیں۔

| | | | | | |
|---|---|---|---|---|---|
| | زگیسو گہ کمرے کرد و گہ تاج | | بداں تاج و کمر شہ گشتہ محتاج | | |

معشوقہ جو زلفوں کا کبھی جوڑا باندھتی تھی اور کبھی کمر پہ چھوڑ دیتی تھی، اس کو آج و کمر سے تشبیہ دی ہے۔

**قلم** کی تعریف، ع۔ مشک در جیب لعل در دامان

عاشق و معشوق کا ہمکنار رہونا،

| | | | |
|---|---|---|---|
| شبا روزے دگر خفتند مدہوش | | بنفشہ در سر و نسرین در آغوش | |

نوشابہ کا جواب دینا،

| | | | |
|---|---|---|---|
| بہ پاسخ نمودن زن ہوشمند | | زیاقوت سربستہ بگشاد بند | |
| ازاں سمگوں سکہ نوبہار | | درم ریز کن بر لب جوئبار | |

آغاز بہار میں جو شگوفے کھلتے ہیں۔ اُن کو، بہار کا سکہ قرار دیا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| زباریدن ابر کافور بار | | سمن رشتہ از دستہائے چنار | |

یعنی چنار کے پتوں پر جو برف گرتی تھی تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ چنار کے ہاتھوں پر چنبیلی کے پھول کھلے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| سمنبر غافل از نظارۂ شاہ | | کہ سنبل بستہ بد بر نرگسش راہ | |

یہ اس وقت کا بیان ہے کہ **شیریں** نہا رہی تھی۔ اور زلفوں کو چہرہ پر چھوڑ دیا تھا شعر کا مطلب یہ ہے۔ کہ شیریں کو خسرو کے نظارے کی خبر نہ تھی، کیونکہ سنبل نے نرگس کا راستہ روک رکھا تھا۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| کشادہ طاق ابرو تا سر دوش | | کشیدہ طوق عنبر تا بنا گوش | |
| خواب نرگس، خمار دیدۂ او | | ناز نسریں، درم خریدۂ او | |
| چو برفرق آب مے انداخت از دست | | فلک بر ماہ مروارید مے بست | |
| سمن ساقی و نرگس جام بردست | | بنفشہ در خمار و سرخ گل مست | |
| بنفشہ تاب زلف افگندہ بر دوش | | کشادہ باد نسریں را بنا گوش | |
| گونہ گونہ گلے شگفتہ درد | | سبزہ بیدار آب خفتہ درد | |

بعض اوقات **تشبیہ** سے ہیبت اور عظمت مقصود ہوتی ہے۔ اِس قسم کی تشبیہات آج تک کسی نے **نظامی** سے بڑھکر بلکہ ان کے برابر بھی نہیں پیدا کیں، مثلاً

| | | | |
|---|---|---|---|
| کمند اژدہائے مسلسل شکنج | | دہن باز کردہ بہ تاراج گنج | |
| زمیں کو بساطے بُد آراستہ | | غبارے شُد، از جائے برخاستہ | |
| دراں وجلۂ خوں، بلند آفتاب | | چو نیلوفر افگند زور رق در آب | |

| | | | |
|---|---|---|---|
| زشمشیر برگشتہ جائے نبود | | کہ در غار دے اژدہائے نبود | |

زخم کو غار، اور تلوار کو، اژدہا سے تشبیہ دی ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| اے مدنی برقع و مکی نقاب | | سایہ نشیں چند بود آفتاب | |
| تاج تو دتخت تو دارد جہاں | | تخت زمیں آمد و تاج آسماں | |
| زبس خوں کہ گرد آمد اندر مغاک | | چو گوگرد سرخ آتشیں گشت خاک | |
| نہنگ خدنگ، از کمین کماں | | نیا سود بر یک زمیں، یک زماں | |

شاعری کی لطافت اور رنگینی کا ایک بڑا راز یہ ہے۔ کہ بے جان چیزوں کو صاحب ادراک قرار دے کر ان کی نسبت ارادی کام منسوب کئے جائیں مثلاً **عرفی** کہتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| نہ گفت و من بشنودم، ہرانچہ گفتن داشت | | کہ در بیان نگنجش کرد بر زباں تقدیم | |
| لبش، چو نوبت خویش از نگاہ باز گرفت | | فتاد سامعہ در موج کوثر و تسنیم | |

یعنی اُس نے کچھ نہیں کہا۔ لیکن میں نے سُن لیا، کیونکہ تقریر کرنے میں، اس کی نگاہوں نے زبان سے پیش دستی کی، جب ہونٹوں نے نگاہ سے اپنی باری مانگی تو سامعہ کوثر کی موجوں میں ڈوب گیا، یا مثلاً

| | | | |
|---|---|---|---|
| راضیم از نگہ شوق کہ گوید ہمہ باز | | از زباں، آنچہ دم عرض تمنا ماند | |

متاخرین نے اس طرز کو نہائت وسعت دی، اور اس سے نہائت لطیف اور رنگین نئے اسلوب پیدا کئے، لیکن اس طرز کے موجد **نظامی** ہیں **شیریں خسرو** میں لکھتے ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| نہاں با شاہ مے گفت آں بناگوش | | کہ مولائے توام با حلقہ در گوش | |
| چو سر پیچید، گیسو مجلس آراست | | چو رُخ گردید گردن عذر ہا خواست | |
| بگویم غمزہ را ما وقت شب گیر | | سمندش را برقص آرد بیک تیر | |
| بگویم زلف را تا یک فن آرد | | شکیبش را رسن در گردن آرد | |

**نظامی** کے یہ مضامین، متاخرین کے شمع راہ بنے، جس کی روشنی میں اُن کو گوناگوں اسالیب کا سلسلہ ہاتھ آگیا۔ نظامی نے جب (پہلے شعر میں) بناگوش کی نسبت یہ باندھا کہ اسی نے چپکے سے بادشاہ سے کہا، تو بے تکلف ایک شاعر، اس کو یوں بدل کر کہہ سکتا ہے۔ ع

زلف او خم شدہ در گوش سخن مے گوید

شعر کے سینکڑوں انواع ہیں لیکن بڑی قسمیں یہ ہیں۔ رزمیہ، عشقیہ، فلسفیانہ، اخلاقی جذبات انسانی کا اظہار، اور مناظر کی تصویر، ان میں سے ہر نوع کو **نظامی** نے لیا ہے۔ اور معراج ترقی تک پہنچا دیا ہے۔

**سکندر نامہ** میں انہوں نے لکھا ہے۔ کہ سکندر کے حالات تین حیثیتیں رکھتے ہیں سلطنت، نبوت، فلسفہ وحکمت، میں تین قسم کے حالات لکھونگا، اور تفصیل سے لکھونگا،

| | |
|---|---|
| گر دہیش خوانند صاحب سریر | ولائت ستاں بلکہ آفاق گیر |
| گروہے ز دیوان دستور او | بہ **حکمت** نوشتند منشور او |
| گروہے ز پاکی و دیں پروری | پذیرا شدندش بہ پیغمبری |
| من از ہر سہ دانہ، کہ دانا فشاند | درختے بر و مند خواہم نشاند |

چنانچہ سکندر نامہ بری میں، کشور ستانی، اور سکندر نامہ بحری میں پیغمبری کے واقعات اور فلسفیانہ بحثیں ہیں۔

فارسی میں فلسفیانہ مسائل ناصر خسرو کے سوا کسی نے ادا نہیں کئے، لیکن ناصر خسرو نے تمام اصطلاحیں وہی عربی کی قائم رکھی ہیں۔ اس بنا پر عام خیال یہ ہے کہ فارسی میں فلسفیانہ خیالات ادا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے، بوعلی سینا کی کتاب حکمت علائیہ سے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ **نظامی** نے فلسفیانہ مسائل اس حد تک لکھ دیئے ہیں کہ زبان کی کم مائگی کی شکائت نہیں ہو سکتی۔ اور اگر متاخرین بھی اس کے نقش قدم پر چلتے۔ تو فارسی زبان ایک فلسفیانہ زباں بن گئی ہوتی۔

**سکندر نامہ** بحری میں انہوں نے ایک خاص داستان سکندر اور حکمائے یونان کی فلسفیانہ حرکتوں کے متعلق لکھی ہے۔ اس میں ارسطو، فلاطوں، والیس، بلنیاس، سقراط، فرفوریوس (یا رفیریس) ہرمس، کے اقوال اور رائیں لکھی ہیں، ہندوستان کے ایک حکیم نے سکندر سے سوالات کئے تھے، سکندر کی زبان سے اُن کے جوابات لکھے ہیں۔ ان تمام بحثوں میں فلسفہ کی اصطلاحیں فارسی میں ادا کی ہیں۔ عربی الفاظ جا بجا آتے ہیں لیکن اس حد تک کہ زبان نامانوس، اور وساتیر و ژند نہ بن جائے۔

ایک ہندو حکیم نے **سکندر** سے سوال کیا تھا کہ نظر بد کیا چیز ہے؟ اس میں کہاں سے تاثیر پیدا ہوتی ہے؟ عام قاعدہ یہ ہے کہ کسی چیز کو پسند کیا جائے تو اس کی ترقی کا سبب

ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے بدنظر جس چیز کو پسند کرتا ہے، اسی کو نظر لگتی ہے، سکندر نے جواب دیا کہ انسان جب کسی چیز کو دیکھتا ہے۔ تو آنکھ سے شعاعیں نکل کر، اُس چیز پر پڑتی ہیں۔ شعاع ہوا سے گزر کر اُس چیز تک پہنچتی ہے۔ اب ہوا میں اگر سمیت ہے تو یہ شعاعیں بھی اُس سے آلودہ ہو کر زہریلی ہو جاتی ہیں۔ اور اُس چیز کو جا کر نقصان پہنچاتی ہیں۔

اس سے قطع نظر کر کے کہ سوال و جواب، دونو طفلانہ ہیں، یہ دیکھو کہ نظامی ان باتوں کو کن الفاظ میں ادا کرتے ہیں۔

دگر بار ہندو در آمد بہ گفت
کہ بر چشم بد، شاہیے دہ مرا
چہ نیرو است، در جنبش چشم بد
ہمہ چیز را کازمائش رسید
جز او را کہ ہر چہ پسند آورد
بہر حرفتے چوں کہ دیدم ژرف
ہمیں یک کماندار شد از نخست
بگو تا چہ نیرو دست، نیروے او
جہاندار گفتا کہ طالع شناس
کہ بر ہر چہ گردد ننظر جاگیر
بر آں چیز کارد ننظر تاختن
بنہ چوں در آرد بہ آں رخت گاہ
ہوا گر ہوائے بود سود مند
مزاج ہوا گر بود زہر ناک
ہوائے بدست آنکہ در چشم زد

گہر کرد یانوک الماس جفت
ز چشم بد، آگاہیے دہ مرا
کہ نیکوئی خود را کند چشم زد
چو دیدہ پسندد، فزائش رسید
سر و گردنش زیر بند آورد
درستی ندیدیم در ہیچ حرف
بر آماج گاہ تیر او شد درست

چنیں آرد از روئے معنے قیاس
گزر بر ہوائے کند ناگزیر
کند با ہوا رائے دم ساختن
ہوا نیز یابد بر آں رختہ راہ
در ارکان آں چیز ناید گزند
بیندازد آں چیز را در مغاک
بدارد بہ ہمراہیے چشم بد

موجودات کی ابتدا اور اُن کی ترتیب، افلاک، عناصر، سلسلۂ علل، ان تمام بحثوں کے متعلق، یونانی حکما کی رائیں نقل کی ہیں۔ اور ان تمام مباحث میں بہت کم عربی کے الفاظ کو دخل دیا ہے۔

اخلاقی شاعری

**نظامی** کی شاعری کا بڑا حصہ اخلاق کے متعلق ہے۔ مخزن اسرار کے سوا

جو خاص اسی مضمون پر لکھی ہے، اور مثنویوں میں بھی جا بجا اخلاقی ہدائتیں موقع بموقع لکھی ہیں چنانچہ کسی صاحب ذوق نے خاص اس قسم کے اشعار کو اُن کے پنج گنج سے جن کر یکجا جمع کر دیا ہے۔ اور اخلاق کے ۳۵ عنوان قرار دے کر ایک ایک عنوان کے نیچے تمام مثنویوں کے وہ اشعار نقل کر دیئے ہیں۔ جو اس عنوان سے تعلق رکھتے تھے۔ میں نے اس مجموعہ کا ایک نہائت خوشخط نسخہ عالمگیری کتب خانے کا حیدر آباد میں دیکھا تھا۔

**جذبات انسانی** شاعری کی اس اہم اور لطیف نوع کو **نظامی** نے جس رتبہ پر پہنچایا، قدما میں فردوسی کے سوا اس کی نظیر نہیں مل سکتی، اور انصاف یہ ہے۔ کہ فردوسی بھی اس خصوصیت میں اُن کی ہمسری نہیں کر سکتا، **فردوسی** نے جہاں جذبات کا اظہار کیا ہے معمولی اور سادہ حالت کو ادا کیا ہے۔ بخلاف اس کے نظامی نہائت نازک، لطیف، اور دقیق پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ مثلاً دارا جب زخمی ہو کر گرا ہے۔ تو سکندر اُس کے پاس گیا ہے اور دارا نے اُس سے حسرت ناک باتیں کی ہیں۔ فردوسی نے اس موقع پر وہی معمولی افسوس اور عبرت کے کلمات ادا کر دیئے ہیں، جو ہر شخص کے خیال میں آ سکتے ہیں لیکن نظامی کی نظر ان نازک اور دقیق نکتوں تک پہنچی ہے۔ جہاں ہر شخص کا وہم رسائی نہیں پا سکتا دارا کوئی معمولی آدمی نہ تھا بلکہ دنیا کے وسیع خطہ کا شاہ اور شاہنشاہ تھا شکست کھانے اور خود اپنے نوکروں کے ہاتھ سے زخمی ہو کر مرنے کا اس کو صدمہ ہے۔ اور اس وجہ سے افسوس، حسرت، اور بیکسی کے خیالات اُس کے دل میں ہجوم کرتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی شاہنشاہانہ ادّعا غرور اور تمکنت کا نشہ بھی سر میں ہے اسلئے اس کے غمزدہ اور عاجزانہ الفاظ بھی صولت اور رعب کے لہجہ میں ادا ہوتے ہیں اُس کی آہیں بھی نعرۂ حنگ ہیں، اُس کی پُر حسرت نگاہیں بھی برق غضب ہیں۔ نظامی ان تمام خصوصیات کو دکھاتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| چو در موکب قلب دارا رسید | ز موکب رواں ہیچ کس را ندید |
| تن مرزباں دید در خاک و خوں | کلاہ کیانی شدہ سرنگوں |
| بہ بازوئے بہمن بر اسود مار | زرہ ئیں وتر افتادہ اسفندیار |
| بہار فریدوں و گلزار جم | زباد خزاں گشتہ تاراج غم |
| نسب نامۂ دولت کیقباد | ورق بر ورق ہر سوئے برد باد |

سکندر فرود آمد از پشت بود — درآمد بر بالین آن پیل زور
به بالین گه خسته آمد فراز — ز درع کیانی گره کرد باز
سر خسته را بر سر ران نهاد — شب تیره بر روز رخشان نهاد
چو دارا برویش نگه کرد و دید — به سوز جگر آه از دل کشید
چنین داد دارا به خسرو جواب — که بگزار تا سر نهم من به خواب
رها کن که در من رهائی نماند — چراغ مرا روشنائی نماند
سپهرم بدین گونه پهلو درید — که شد در جگر پهلوم ناپدید
رها کن که خواب خوشم می برد — زمین آب و چرخ آتشم می برد
سر سروران را رها کن زدست — تو مشکن که ما را جهان خود شکست
چو من زین ولایت کشادم کمر — تو خواه افسر از من ستان خواه سر
اگر تاج خواهی ربود از سرم — یکی لحظه بگزار تا بگزرم
مبین سر دارا در سرافگندگی — چنان شاه را در چنین بندگی
دریغ آیدم از زحمت آزاد کن — به آمرزش ایزدی یاد کن
چو گشت آفتاب مرا روئی زرد — نقابی بمن در کش از لاجورد
مگردان سر خفته را زیر پر — که گردون گردان بر آرد نفیر
تو ای پهلوان کامدی سوی من — نگهدار پهلو ز پهلوی من
که با آن که پهلو دریدم چو میغ — همی آید از پهلوم بوی تیغ
چه دستی که با مادرازی کنی — به تاج کیان دستباری کنی
نگهدار دستت که دارا ست این — نه پنهان چو روز آشکارا ست این
زمین را منم تاج تارک نشین — مجنبان مرا تا نه جنبد زمین

اس واقعہ کو بعینہ فردوسی نے بھی لکھا ہے، لیکن زور اور اثر نہیں چنانچہ اس موقع کے اشعار ہم درج کرتے ہیں۔

برآنم که از پاک دادار خویش — بیابی تو یاداش گفتار خویش
یکی آنکه گفتی که ایران تراست — سر تاج و تخت دلیران تراست
بمن مرگ نزدیک تر زانکه تخت — بپیرداخت تخت ز نگون گشته بخت

بریں است فرجام چرخ بلند — خرامش ہمہ رنج و سروش گزند
بمردی نگر تا نگوئی کہ من — فزونم ازیں نامدار انجمن
بدو نیک، ہر دو زیزداں شناس — دزو دار تا زندہ باغی سپاس
نمودارِ گفتار من، من بسم — بریں داستاں عبرت ہر کسم
چنداں بزرگی و شاہی و گنج — مرا بودہ از من نبد کس برنج
ہماں نیز چنداں سلیح و سیاہ — گراں مایہ اسپان و تخت و کلاہ
ہماں نیز فرزند و پیوستگان — چہ پیوستگاں داغ دل خستگاں
زمین و زماں بندہ بُد پیش من — چنیں بود تا تخت بد خویش من
چو از من ہماں بخت بیگانہ شد — ہمہ کاخ و ایواں چو ویرانہ شد
ز نیکی جدا ماندہ ام زیں نشاں — گرفتار در دست مردم کشاں
ز فرزند و خویشاں شدہ ناامید — سیہ شد جہاں، دیدگانم سفید
ز خویشاں کسے نیست فریادرس — امیدم ببروردگار ست و بس
بدیں گونہ خستہ بخاک اندرم — زگیتی بدام ہلاک اندرم
برین است، آئین چرخ روان — اگر شہریاری اگر پہلوان
بزرگی بفرجام ہم بگزرد — شکار است و مرگش ہمے بشکرد
سکندر زدیدہ ببارید خوں — براں شاہِ خستہ بخاک اندروں
چو دارا بدید از دل و رد ادی — سرشک روان بر رُخ زردادی
بدو گفت مگری کزو سود نیست — ز آتش مرا بہرہ جز دود نیست

مناظر | **مناظرِ قدرت** کو جا بجا لکھا ہے، اور جہاں لکھا ہے، نیچر کی تصویر کھینچ دی ہے مناظرِ قدرت میں باغ و بہار ایک عام موضوع ہے جس پر تمام شعراء نے طبع آزمائیاں کی ہیں، اور دادِ سخن دی ہے، لیکن نظامی یہاں بھی سب سے علیحدہ اور سب سے ممتاز ہیں، تمام شعرا نے صرف بہار کا سماں دکھانے پر اکتفا کیا ہے لیکن **نظامی** نے اس کے ساتھ یہ بھی دکھایا ہے۔ کہ بہار میں ایک رنگین مزاج پر کس طرح نشہ سا چھا جاتا ہے، وہ باغ میں جاتا ہے، پھولوں سے کھیلتا ہے۔ گلدستے بنا کر درختوں پر اچھالتا ہے، نہر کے کنارے بیٹھ جاتا ہے، اور شگوفے توڑ توڑ کر نہر میں بہاتا ہے، حوض کے پاس چنبیلی کے

پھولوں کا بچھونا بچھاتا ہے۔ بغل میں معشوق ہے۔ اُس کی زلفوں کے حلقے اپنی گردن میں ڈالتا ہے۔ اور دنیا سے آزاد ہو جاتا ہے۔ مرغانِ چمن سے فرمائش کرتا ہے کہ ہاں پھر اسی انداز سے اُڑنا ساتھ ہی ساز بھی چھیڑتا جاتا ہے، اور قابو سے باہر ہوا جاتا ہے۔

| | |
|---|---|
| بیا با غبان خسروی ساز کن | گل آمد در باغ را باز کن |
| نظامی بہ باغ آمد از شہر بند | بیارائے بستان بہ چینی پرند |
| زجعد[1] بنفشہ بر انگیز تاب | سر نرگس مست برکش ز خواب |
| ز سیمائے سبزہ فروشوی گرد | کہ روشن بہ شستن شود لاجورد |
| درختاں شگفتند در طرف باغ | برافروختہ ہر گلے چوں چراغ |
| بہ مرغ زباں بستہ آوازدہ | کہ پرواز یارینہ را سازدہ |
| سرایندہ کن لالۂ چنگ را | برآور بہ رقص ایں دل تنگ را |
| سر زلف معشوق را طوق ساز | برافگن ز گردن خود ایں طوق باز |
| ریاحین سیراب را دستہ بند | برفشاں بہ بالائے سرو بلند |
| ازاں سیمگوں سکۂ نو بہار | درم ریز کن بر لب جوئبار |
| بہ پیرامن برکۂ آب گیر | ز سوسن در افگن بساطِ حریر |

عشقیہ ایران کی شاعری کا اصل مایۂ ناز عشقیہ شاعری ہے۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ عشق و عاشقی کے معاملات اور راز و نیاز جس رنگینی اور دلفریبی سے ایرانی شاعری نے ادا کئے دنیا کی اور کوئی زبان اس انداز سے ادا نہیں کر سکتی، اس قسم کی شاعری کے لئے غزل مخصوص کر دی گئی ہے۔ اور اس کے موجد شیخ سعدی خیال کئے جاتے ہیں۔ نام کے لئے غزل کی بنیاد ان سے بھی بہت پہلے پڑ چکی تھی، لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ قدماء کے بڑھے غمزے ہیں۔

بے شبہ غزل کے موجد سعدی ہیں لیکن غزل کی اصلی روح یعنی عشقیہ شاعری کی ایجاد نظامی کا خاص کارنامہ ہے۔ عشقیہ مثنویاں، نظامی سے پہلے بھی لکھی گئیں۔ جن میں سے فردوسی کی یوسف زلیخا آج بھی موجود ہے، لیکن مثنویاں وہی قدماء کی غزلیں ہیں۔ نظامی نے عشقیہ شاعری کی جس طرح بنیاد ڈالی، اور اُس کو ترقی دی، اُس کی تفصیل

[1] یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ نظامی نے ان باتوں کو بجائے غیر کے انشا کے پیرایہ میں ادا کیا ہے اور یہ زیادہ دلچسپ ہے۔

حسب ذیل ہے۔

(۱) عشق و عاشقی کے خیالات کے ادا کرنے کے لئے ایک خاص زبان درکار ہے جس کے الفاظ نازک، لطیف اور شیریں ہوں، خاص قسم کے استعارات اور تشبیہیں ہوں، ادا میں دلاوری اور دلفریبی ہو، یہ زبان خاص **نظامی** نے پیدا کی ہے قدما کی عشقیہ مثنویوں کا نظامی کی کسی مثنوی سے مقابلہ کرو، تو یہ فرق صاف نظر آتا ہے۔

ذیل کے مہمات مضامین یہ ہیں معشوق کے حسن کی تعریف، ادا اور ناز و غمزہ کے کرشمے الگ الگ اعضاء کا بیان، اور اُن کی تشبیہات، عاشق و معشوق کے معاملات یعنی راز و نیاز، اصرار و انکار، سوال و جواب عجز و غرور وغیرہ ان تمام مضامین کو **نظامی** نے اس وسعت، تنوع، رنگینی اور لطافت سے ادا کیا ہے۔ کہ اُن کا ہر ہر شعر سینکڑوں غزلوں کا سرمایہ ہے، چند مثالیں ذیل درج ہیں۔

شیریں کا غسل کرنا۔

| | |
|---|---|
| چو قصد چشمہ کرد آں چشمۂ نور | نمک را آب در چشم آمد از دور |
| پرند آسماں گوں بر میاں زد | بشد در آب و آتش در جہاں زد |
| تن صافش کہ مے غلطید در آب | چو غلطد قاقمے بر روئے سنجاب |
| چو بر فرق آب مے انداخت ازدست | فلک بر راہ، مروارید مے بست |
| ز ہر سو شاخ گیسو شانہ مے کرد | نفشہ بر سر گل، دانہ مے کرد |
| از آب انداختہ از گیسواں شست | نہ ابی بلکہ ماہ آوردہ در دست |

شیریں آراستہ ہو کر خسرو کے سامنے آتی ہے

| | |
|---|---|
| پس آنگہ ماہ را پیرایہ را بر بست | نقاب آفتاب از سایہ بر بست |
| فرو پوشید گلنارے پرندے | بر و ہر شاخ گیسو چوں کمندے |
| سر آغوشے بر آسودہ بگوہر | بہ رسم چینیاں افگندہ بر سر |
| بدیں طاؤس کردارے ہمائے | رواں شد چوں تذروے در ہوائے |

ایک موقع پر جب خسرو نے شیریں سے زیادہ اختلاط کرنا چاہا ہے تو وہ برہم ہو کر اٹھی ہے۔ اس حالت میں اُس کا تن کر کھڑا ہونا پیشانی کا غصہ سے سکڑنا، چہرہ کا کھل جانا بدن ڈھکنے میں حسن کا اور جھکنا، بالوں کو کبھی سمیٹنا اور کبھی چھوڑ دینا، ان تمام اداؤں

کو کس خوبی سے ادا کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| بگفتا ایں وجوسر واز جائے برخواست | جبیں را گرد کرد و فرق را راست |
| یہ کہ کر سر کی طرح اٹھ کھڑی ہوئی | پیشانی سمٹ گئی اور قد تن گیا |
| بہ آں آئین کہ خوباں را بود دست | ز نخداں مے کشاد و زلف مے بست |
| اس خاص انداز سے جس میں معشوقوں کو کمال ہوتا ہے | چہرہ کھولنے اور بال سمیٹنے لگی |
| جمال خویش را در خزد خسا را | بہ پوشیدن ہمے کرد آشکارا |
| اپنے حسن کو حریر اور کمخواب میں جس قدر | چھپاتی تھی اوسی قدر اور کھلتا تھا |
| گہے بر فرق تند آشفتہ مے بود | گرہ مے بست دیرمہ مشک مے سود |
| کبھی زلفوں پر جھلاتی تھی اس میں | گھونگر بناتی تھی اور چاند پر مشک ملتی تھی |
| بہ زیور راست کردن دیرمے شد | ز بالیش بر سر شمشیر مے شد |
| اور زیور کے سنبھالنے میں دیر ہوئی جاتی تھی | کیونکہ جلدی کی وجہ سے گویا اسکا قدم تلوار پر تھا |
| نہ گیسو گہ مکرمے گرد گہ تاج | بداں تاج و کمر شہ گشتہ محتاج |
| زلفوں کو کبھی درست کرتی تھی اور کبھی سر پر جوڑا باندھتی تھی | جو کہ بند اور تاج بجالاتی تھی اور اس کمر بند اور تاج کا خود وہی محتاج تھا |

ایک موقع پر شیریں جب روٹھ کر اٹھی تو اس ادا سے اٹھی جس میں لگاوٹ بھی پائی جاتی تھی، اس کی تصویر اس طرح کھینچی ہے۔

| | |
|---|---|
| بہ چشمے ناز بے اندازہ مے کرد | بہ دیگر چشم عذرے تازہ مے کرد |
| چو سر پیچید، گیسو محلس آراست | چو رخ گردید، گردن عذرہا خواست |
| نمود اندر ہزیمت شاہ رابست | بہ گوگرد سفید آتش ہمے کشت |
| غلط گفتم نمودش تختۂ عاج | کہ شاہ را نیز باید، تخت با تاج |
| حسابے دیگر آں بودش دراں کوے | کہ پشتم نیز محرابے است چوں روے |
| دگر وجہے آنکہ گر وجہے شد از دست | ازاں روشن ترم وجہے دگر ہست |
| چہ خوش نازیست نازے خوبرویاں | زدیدہ راندہ را، وزدیدہ جویاں |
| بہ چشمے خیرگی کردن کہ برخیز | بہ دیگر چشم دل دادن کہ مگریز |

منہ پھیر کر بھاگنے کی تو جیہیں کس قدر شاعرانہ ہیں، یعنی اس کو یہ دکھانا تھا کہ جس طرح میرا چہرہ، محرابی اور روشن ہے، اسی طرح پیٹھ بھی محرابی اور بلوری ہے۔

غزلیہ شاعری کا ایک بڑا میدان معشوق کا ناز و غرور ہے۔ **نظامی** نے داستان کی داستان اس مضمون پر لکھی ہے، جس کا ہر شعر غزل کا کام دے سکتا ہے۔

**خسرو** نے جب **شیریں** کو شاہی اقتدار کا زور دکھانا چاہا ہے۔ تو وہ کہتی ہے۔

| | |
|---|---|
| ہنوزت در سر از شاہی غرور است | دریغا کیں غرور از عشق دور است |
| ابھی تک تیرے سر میں سلطنت کا غرور ہے | لیکن افسوس، عشق کو غرور سے کیا نسبت |
| دریں گرمی کہ آہ سرد باید | دل آسان است با دل درد باید |
| اس گرمجوشی میں کہ آہ سرد کی ضرورت ہے | دل آسان ہے لیکن دل میں درد مشکل ہے |
| ہنوزم ہندواں آتش پرستند | ہنوزم چشم چوں ترکان مستند |
| ابھی تک ہندو، مجھ کو پوجتے ہیں | ابھی تک میری آنکھیں ترک ہیں |
| ہنوزم لب پر آب زندگانی است | ہنوزم آب در جوئے جوانی است |
| ابھی تک میرے ہونٹوں میں آبحیات ہے | ابھی تک میرے چشمہ میں آب شباب ہے |
| بہ غمزہ گرچہ ترکی دل ستانم | بہ بوسہ دل نوازی نیز دانم |
| گرچہ غمزہ کے لحاظ سے میں ترک ہوں | لیکن بوسے میں دلداری بھی کر سکتی ہوں |
| بروتا بر تو نکشانم بخوں دست | کہ در گردن چنیں خونم نیسے مہست |
| ہٹ جا ایسا نہ ہو کہ میں تیرے اوپر ہاتھ اٹھا دوں | ایسے اور بہت سے خون میری گردن پر ہیں |

**خسرو** نے جب **شاپور** کے ہاتھ **شیریں** کو بلا بھیجا ہے، تو وہ کہتی ہے۔

| | |
|---|---|
| اگر خسرو نہ پرویز و بود شاہ | نباید کردنش سر پنجہ با ماہ |
| گویم غمزہ را تا وقت شبگیر | سمندش را بہ رقص آند بیک تیر |
| فرستم زلف را تا یک فن آرد | شکیبش را رسن در گردن آرد |
| میں زلف کو بھیج دوں گی کہ چالاکی سے | خسرو کے صبر کو گرفتار کر کے لائے |
| مزاجی کردم داد خواست پنداشت | دروغ گفتم و او راست پنداشت |
| میں نے تو دل لگی کی تھی، تو وہ تقاضا سمجھے | میں نے جھوٹ کہا تھا وہ سچ سمجھ گئے |

**خسرو** ایک مرتبہ چند ندیموں کے ساتھ مستی کی حالت میں **شیریں** کے مکان پر گیا **شیریں** نے اُس کی یہ حالت دیکھکر کوٹھے سے اترنا مناسب نہ سمجھا، خواصوں کو بھیجا کہ شہ نشین میں فرش کر کے وہیں **خسرو** کو بٹھائیں، **خسرو** کوٹھے پر جانا چاہتا ہے، **شیریں** منظور

نہیں کرتی، اس موقع کا سماں اور سوال وجواب کا انداز دیکھو۔

| | |
|---|---|
| رقیبے را بہ نزد خویشتن خواند | کہ ما را نازنیں بر در چرا ماند |
| ایک خواص کو اپنے پاس بلایا اور کہا | کہ مجھ کو نازنیں نے باہر کیوں بٹھایا |
| دروں شو، گونہ شاہنشہ غلامی | فرستادست نزدیکت پیامی |
| اندر جاکر کہو کہ ایک شہنشا نے نہیں بلکہ | ایک غلام نے پیغام بھیجا ہے |
| کہ مہمانے بہ خدمت مے گراید | چہ فرمائی؟ درآید یا نیاید |
| کہ ایک مہمان خدمت کیلئے آیا ہے | کیا ارشاد ہے؟ اندر آئے یا نہ آئے |
| بدیں زاری پیام شاہ میگفت | شکر لب مے شنید و آہ میگفت |
| بادشاہ کا عاجزانہ پیغام شیریں | سنتی تھی، اور افسوس کرتی تھی، |
| کنیزے کارواں را گفت آں ماہ | بخدمت خیز و بیروں شو سوی شاہ |
| ایک ہوشیار کنیز سے شیریں نے کہا کہ | بادشاہ کے پاس جا |
| فلاں شش طاق دیبارا بروں بر | بزن با طاق ایں ایواں برابر |
| مخمل کے تھان لے جا کر | شہ نشین میں بچھا دے |
| بنہ بر پیش گاہ و شقہ بر بند | پس آنگہ شاہ را گو کائے خداوند |
| اور پردے باندھ کر | بادشاہ سے کہ |
| بہ ترک ایں سرا ہندوی ایں بام | شہنشہ را چنیں داد ست پیغام |
| اس گھر کی ترک (یعنی معشوق نے نہیں بلکہ | ہندو (غلام) نے حضور کو یہ پیغام دیا ہے |

اس کے بعد خسرو اور شیریں سے دو بدو گفتگو ہوئی ہے۔ خسرو کہتا ہے کہ تم نے دروازہ کیوں بند کر دیا۔ شیریں جواب دیتی ہے۔

| | |
|---|---|
| حدیث آں کہ در بستم روا بود | کہ سرمست آمدن پیشم خطا بود |
| چو من خلوت نشیں باشم تو مخمور | ز تہمت رائے مردم کے بود دور |
| توے خواہی مگر کز راہ دستاں | بہ نقلانم خوری چوں نقل مستاں |
| بدست آری مرا چوں غافلاں مست | چو گل بوئے کنی و اندازی از دست |
| رہا کن نام شیریں از لب خویش | کہ شیرینی دہانت را کند ریش |
| تو در عشق من از مالی وجاہے | چہ دہدی جز خداوندی و شاہے |

| | | | |
|---|---|---|---|
| تو ساغر مے زدی بادوستاں شاد | | قلم شاپور مے زد تیشہ فرہاد | |

اس کے مقابلہ میں رندانہ شوخیاں دیکھو **شیریں** جب کسی طرح راضی نہیں ہوئی تو **خسرو** اس سے کہتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| بہ گستاخی درآمد کے دلارام | | گرفتہ چند خواہی بد، بیارام | |
| خسرو نے گستاخانہ کہا کہ اے معشوق | | یہ برہمی کب تک ذرا نرم ہو، | |
| چو مے خوردی دمے دادی بمن یار | | چرا باید کہ من مستم تو ہشیار | |
| تم نے شراب پی اور مجھکو بھی پلائی لیکن یہ خلاف انصاف | | ہے کہ میں مست ہو جاؤں اور تم ہوش میں رہو | |
| شعار بوسہ خواہد بود کارم | | تو مے دہ بوسہ تا من مے شمارم | |
| میرا کام صرف بوسہ کا گننا ہوگا | | تم بوسہ دیتی جاؤ میں گنتا جاؤں گا | |
| یعنی یہ کام تمہارا ہی ہے۔ لیکن میں اس کو تمہاری خاطر سے ایجاد سے دیدوں گا | | | |

**سکندر** نے جب **لنیز ک چینی** سے اختلاط کرنا چاہا ہے، تو وہ غرور کے لہجہ میں اپنے اوصاف بیان کرتی ہے، بادشاہ اور کنیز کا کوئی مقابلہ نہیں، لیکن اس موقع پر **نظامی** نے جدت آفرینی سے **سکندر** کا ایک ایک وصف بیان کرکے، اس کے مقابلہ میں اس کی ترجیح کی وجہیں، کنیز کی زبان سے ادا کی ہیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| ملک گر ز جمشید مالا تراست | | رُخ من ز خورشید زیبا تراست | |
| شہ ار کیقباد بلند افسر است | | مرا افسر از مشک و از عنبر است | |
| شہ ار چوں سلیماں شود دیو بند | | مرا در جہاں ہست دیوانہ چند | |
| شہ از زانکہ عالم گرفت اے شگفت | | من آں را گرفتم کہ عالم گرفت | |
| اگرچہ کمند جہانگیر شاہ | | فتادہ است در گردن مہر و ماہ | |
| کمندے من از زلف برساز مش | | نہ ترسم بہ گردن دراندازمش | |
| گر او را کمندے بود ماہ گیر | | مرا ہم کمندے بود، شاہ گیر | |
| گر او ناوک انداز دارد دست | | مرا غمزۂ ناوک انداز ہست | |
| سکندر بہ حیواں خطا میرود | | من اینجا سکندر کجا مے رود | |
| اگر راہ ظلمات مے بایدش | | سر زلف من راہ نمایدش | |
| لب من کہ یاقوت رخشاں دراست | | بسے چشمۂ آب حیواں دراست | |

رزمیہ | شاہنامہ کو سو برس سے اوپر ہو چکے تھے، اس عرصہ میں زبان میں، بڑا انقلاب ہو گیا تھا، سینکڑوں الفاظ بالکل متروک ہو گئے تھے، اکثر الفاظ، حروف زائد گرا کر خوبصورت قالب میں ڈھل چکے تھے، عربی کے لئے نئے مانوس الفاظ، داخل ہوتے جاتے تھے، زبان کے انقلاب کے ساتھ مضامین کی طرز ادا کی روش بھی بدل گئی تھی، استعارات اور تشبیہات میں لطافت و نزاکت آگئی تھی، طبیعتیں مضمون آفرینی کی طرف مائل ہوتی ہوئی تھیں، ان باتوں سے شاہنامہ کی عالمگیر آواز دھیمی پڑنے لگی تھی، قصے زبانوں پر رہ گئے تھے لیکن اشعار بھولتے جاتے تھے، اس بنا پر قوم کے شجاعانہ جذبات کے زندہ رکھنے کے لئے ایک دوسرے شاہنامہ کی ضرورت تھی، جو سکندر نامہ کے قالب میں نمودار ہوا۔

سکندر نامہ کے ہیرو کے انتخاب میں غلطی ہوئی، لیکن مجبوری تھی، قومی تاریخ فردوسی کے حصہ میں آچکی تھی۔ رسول اللہ غزوات اور خلفا، معرکوں میں شاعری کی گنجایش کم تھی۔ کیونکہ اصلیت سے بال برابر بھی ہٹتے تو مذہبی عدالت میں مجرم قرار پاتے، اور شاعری کے لئے کچھ نہ کچھ آب و رنگ چڑھانا ضرور تھا، خود کہتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| چو نظم گزارش بود ماہ گیر | غلط گردن رہ بود ناگزیر |
| مرا کار با نغز گفتار ریست | ہمہ کار من خود غلط کار ریست |
| وگر بے شگفتے، گزاری سخن | ندارد نوی نامہ ہائے کہن |

اب اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ کسی مشہور کشور ستان کی داستان اختیار کی جائے اس حیثیت سے سکندر کا کوئی ہمسر نہ تھا، ایشیا، اور یورپ دونو اس کو مانتے تھے، البتہ یہ افسوس ہے کہ نظامی نے مذہب ملا دیا، یعنی ذوالقرنین کو سکندر بنا دیا جو صریح قرآن مجید کے خلاف ہے۔

سکندر نامہ میں گرچہ شاعری کے محاسن بہت زیادہ ہیں با ایں ہمہ شاہنامہ کے برابر مقبول نہ ہو سکا، اس کے خاص اسباب ہیں۔

(۱) سکندر نامہ میں اکثر جگہ تعقید ہے، جو بات کہنا چاہتے ہیں، اس طرح صاف صاف نہیں کہہ سکتے کہ زبان سے نکلنے کے ساتھ دل میں اتر جائے، یہی وجہ ہے کہ کثرت سے شرحیں اور حاشیے لکھے گئے، اس پر بھی بہت سے مقامات لاینحل رہ گئے اور اکثر جگہ زبردستی مطلب پہنانا پڑا۔

(۲) کتاب کا ہیرو ایک غیر شخص یعنی سکندر تھا اس لئے ایرانیوں کو اس کی واقعات سے ایسی دلچسپی اور محبت نہیں ہوسکتی جو خود اپنی قوم سے ہوسکتی تھی شاہنامہ کے مقبول ہونے کا بڑا اگر یہ تھا کہ خود اپنی قوم کی داستان تھی۔

(۳) تمام کتاب میں صرف ایک شخص کی داستان ہے، پڑھنے والا اکتا جاتا ہے بخلاف ہیں کے شاہنامہ میں سکڑوں اشخاص کے واقعات اور گوناگوں حالات ہیں ایک غذا سے جی گھبرائے تو اور طرح طرح کے الوان نعمت موجود ہیں۔

(۴) تمام کتاب میں کوئی دردانگیز اور عبرت خیز واقعہ نہیں ہے۔ بخلاف اس کے شاہنامہ میں رستم و سہراب، منیژہ و بیژن جمشید و ضحاک، کی داستانیں نہایت پُر اثر اور حسرت انگیز ہیں۔

باوجود ان باتوں کے سکندر نامہ نے جو قبولیت حاصل کی، تعجب انگیز ہے، شاہنامہ کے سوڈیڑھ سو برس بعد سکندر نامہ لکھا گیا، اور شہرت عام پا گیا، سکندر نامہ کو آج چھ سو برس کا زمانہ گزر چکا، اس مدت میں اس طرز پر بیسیوں کتابیں لکھی گئیں لیکن ان کا نام بھی کوئی نہیں جانتا، سکندر نامہ جامی، آئینہ اسکندری ہمائے ہمایوں، اکبر نامہ، سلیمان نامہ[1]۔ ان کا نام کس نے سنا ہے؟

رزمیہ نظم کا یہ اصول ہے کہ پہلے حربی باجوں کے بجنے، دار و گیر، سنگامۂ شور و غل اور عام ہیجل کا نقشہ کھینچا جائے، پھر فوجوں کی حملہ آوری، زور شور، جوش و خروش کا ذکر کیا جائے، پھر آلات جنگ یعنی تیر و کمان، تیغ و سنان، نیزہ و خنجر کی کارستانیاں دکھائی جائیں، پھر ایک ایک پہلوان کا معرکہ میں آنا، رجز پڑھنا، مبارز طلب ہونا، حریف سے لڑنا، داؤں پیچ کرنا، مرنا یا مارنا ان باتوں کا ذکر کیا جائے، اور اس طرح کیا جائے کہ میدان جنگ کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے۔ سکندر نامہ میں یہ سب باتیں ہیں۔ اور کمال کے درجہ پر ہیں۔

حربی باجوں کا ذکر،

| | |
|---|---|
| درآمد بہ غرّیدن آواز کوس | فلک بر دہاں دہل راد بوس |
| زغرّیدن کوس خالی دماغ | زمیں لرزہ افتاد در کوہ و راغ |
| چناں آمد از نائے ترکی خروش | کہ از نائے ترکاں برآمد خروش |

[1] یہ سب مثنویاں سکندر نامہ کی طرز پر لور اس کے جواب میں لکھی گئی ہیں۔

برآورده خیره همره آواز شیر — دماغ از دم گاؤ دم گشت سیر
طراقے کہ از مقرجہ خواستہ — بروں رفت، زیں طاق آراستہ
زبیم چقاچق کہ آمد ز تیر — کفن گشت در زیر جوشن حریر
رد وارد بر آمد ز رہاہ نبرد — ہزا ہز در آمد بہ مرداں مرد
بہ جنبش در آمد دو دریائے خون — شد از موج آتش، زمین لالہ گوں
زمین گفتی از ایک دگر بر درید — سر افیل صور قیامت دمید
یکے گفت ہوے و دگر گفت ہاں — برآورد سر، ہائے و ہوئے از جہاں
جگر تاب شد نعرہ ہائے بلند — گلو گیر شد حلقہائے کمند
سپاہ از دو جانب صف آراستہ — زمیں آسمان وار بر خاستہ
ز سم ستوراں دراں پہن دشت — زمیں شش شد و آسماں گشت ہشت
فرو رفت و بر رفت روز نبرد — نم خوں بہ ماہے و ہر ماہ گرد
زمیں گرد و تارک و ترک و زیں — زمیں آسمان آسماں شد زمیں
چناں گرم گشت آتش کارزار — کہ از لعل اسپاں برآمد شرار
ز بس خوں کہ گرد آمد اندر مغاک — چو گوگرد سرخ آتشیں گشت خاک
ز غرّیدن زندہ پیلان مست — گرہ در گلوئے ہزبراں شکست
زمیں کوبساطے مُد آراستہ — غباری شد از جائے برخاستہ
ز پولاد پیکان پیکر شکن — تن کوہ لرزید بر خویشتن
پدر با پسر کیں برآراستہ — محابا شد و، مہر برخاستہ
ستون علم جامہ در خون زدہ — نجات از جہاں خیمہ بیروں زدہ
ز شمشیر برگشتہ جائے نبود — کہ در خار او زدہ ہائے نبود
نہنگ خدنگ از کمین کماں — نیاسود یک زمیں یک زماں
کمند ازدہا دے مسلسل شکنج — دہن باز کردہ بہ تاراج گنج
ز بس بر دہن ناچج انداختن — نفس را نہ راہ بروں تاختن
ز نیزہ نیستاں شدہ روئے خاک — ز گوپالہا گوہ گشتہ مغاک
سناں در سناں رستہ چوں نوک خار — سپر بر سپر بستہ چوں لالہ زار

منگا رجنگ

نهنگاں شمشیر جوشن گداز — به گردن کشی کرده گردن فراز
به آبرو در آمد کماں را شکنج — شتاباں شده تیر چوں مار گنج
زروسی درآمد به نادرد گاه — یکے شیر پرطاس[1] رویئں کلاه
مبارز طلب کرد و جولاں نمود — به نام آوری خویشتن را سرود
که پرطاسیاں را دریں خام چرم — به پرطاس من شود پشت گرم
پلنگاں درم بر سر کوهسار — نهنگاں خورم بر لب جوئبار
درشتم به چنگال و سختم بزور — به حمله درم پهلوان نره گور
سنانم ز پهلو در آید به ناف — درد غے نے گویم ابنک مصاف
همه خون خام است نوشیدنم — همه جرم خام ست پوشیدنم
شه گردناں شاه گردوں گرائے — زبرکار موکب تهی کرد جائے
زده برمیاں پهلوان گوهر آگیں کمر — در آورد پولاد هندی به سر
به تن بر یکے آسماں گوں زره — چو مرغول زنگی گره در گره
یمانی یکے تیغ زهر آب جوش — حمائل فرو هشته از طرف دوش
به کبک دری چوں درآید عقاب — چگونه جهد بر زمیں آفتاب
ازاں تیز تر خسرو پیل تن — به تندی درآمد به آں اهرمن
بزد بانگ بر وے کرائے زاغ بیر — عقاب جواں، آمد آرام گیر
نخستیں نبردے کہ تدبیر کرد — برآں تیره دل بارش تیر کرد
چو دژخیم را نامدار از تیر ماک — زنندو شد از تیر خود خشمناک
یکے خشت پولاد الماس رنگ — برآورد و زد بر دلاور نهنگ
ز سختی که تن را بهم درفشرد — برآں خاره شد خشت پولاد خرد
وگر خشتے انداخت زاں تیز تر — برآں کشتنی هم نه شد کارگر
چو دانست کاں دیو آهن سرشت — نیندیشه از حربهٔ تیر و خشت
نهنگ جهانسوز را بر کشید — سوئے اژدهائے دمنده دوید
زدش بر کشت گاه، و بروش زجائے — چناں کاں ستمگر درآید زجائے

---

[1] پرطاس ایک مقام کا نام ہے۔

لیکن انصاف یہ ہے کہ نظامی، فردوسی کی طرح، خاص لڑائی کی داؤں پیچ اور فنون جنگ کی تصویر اچھی طرح نہیں کھینچ سکتے۔

نظامی اور فردوسی کا موازنہ

اگرچہ انصاف یہ ہے کہ **نظامی** فردوسی کے ہمپایہ نہیں ہیں، تھوڑا سا شیریں پانی لے کر، بار بار چھانا جائے، مقطر کیا جائے، اور پھر کسی خوشرنگ خوشنما گلاس میں رکھا جائے تو اس کی شیرینی خوشگواری، صفائی اور خوشنمائی میں کیا شک ہے، لیکن ایک صاف شیریں قدرتی چشمہ، جو پہاڑ کے دامن سے نکل کر بہتا چلا جاتا ہے، اس سے کیا نسبت، تاہم دونوں کا انداز کلام، دکھانے کے لئے ہم چند مشترک عنوانوں کے اشعار نقل کرتے ہیں۔ اور ان کا فرق دکھاتے ہیں۔

سکندر کا قاصد بن کر **نوشابہ** کے دربار میں جانا، سکندر نامہ کی مشہور داستان ہے یہی قصہ شاہنامہ میں بھی ہے، فرق یہ ہے کہ شاہنامہ میں نوشابہ کے بجائے **قیدافہ** کا نام ہے، جو اندلس کا بادشاہ تھا، باقی حالات مشترک ہیں، یعنی بادشاہ نے سکندر کو پہچان لیا ہے۔ اور اس سے اس کا اظہار کیا ہے، سکندر انکار کرتا ہے، بادشاہ اس کی تصویر منگا کر سامنے رکھ دیتا ہے۔ کہ اپنے چہرہ سے ملالو، سکندر سخت مضطر ہوتا ہے۔ بادشاہ اُس کو تسلی دیتا ہے۔ کہ یہ بھی آپ ہی کا گھر ہے۔

| فردوسی | نظامی |
|---|---|
| بہ قیدافہ را رید بر تخت عاج | بر آراست نوشابہ درگاہ را |
| ز یاقوت و پیروزہ بر سرش تاج | بزر در گرفت آرسی راہ را |
| ززر بفت پوشید چینی قبائے | پری چہرگاں را بصد گونہ زیب |
| فراواں پرستندہ پیشش بہ پائے | صف اندر صف آراستاں دلفریب |
| رُخِ شاہ تاباں بہ کردار ہور | بر آسود گوہر بہ مشکیں کمند |
| نشستنگہش راستون ہا بلور | فرو ہشت بر گوہر آگیں پرند |
| پرستندہ با طوق و با گوشوار | بر او رنگ شاہنشہی برنشست |
| بہ پا اندراں گلشن زرنگار | گرفتہ معنبر ترنجے بدست |
| سکندر بداں در شگفتی بماند | بفرمود کائیں بجائے اورند |
| فراواں نہاں، نام یزداں بخواند | فرستادہ را در سرائے آورند |

نشستنگہے دید قیصر کہ نیز
فرستادۂ از در آمد دلیر

نیامد رارد م وایراں بہ چیز
سوئے تخت شد چوں شتابندہ شیر

برمہتر اندر زمیں داد بوس
کمر بند شمشیر بگشاد باز

چناں چوں بود، مردم جاپلوس
برسم رسولاں نہ بردش نماز

دراو ید قیدافہ بشناختش
نہانی دراں قصر زیبندہ دید

بہ پرسید بسیار و بنواختش
بہشتی سرائے فریبندہ دید

بہ مے خوردن اندر، گراں مایہ شاہ
زبس گوہرین گوش گردن کشاں

فزوں کرد، سوئے سکندر نگاہ
شدہ چشم بیننده گوہر فشاں

بہ گنجور گفت آں درخشاں حریر
زتابندہ یاقوت درخشندہ لعل

بنشتہ برو صورت دلپذیر
خراسندہ را آتشیں گشت نعل

بہ پیش من آور چناں ہم کہ ہست
مگر کان و دریا ہم نا خستند

بہ تندی برو، ہیچ پسّای[1] دست
ہمہ گوہراں جا برانداختند

بیاورد گنجور و بنہاد پیش
زن زیرک از سیرت شان او

چو دیدش نگہ کرد زاندازہ بیش
دراں داوری شد ہراسان او

بہ چہر سکندر نکو بنگرید
کہ ایں کار داں مرد آہستہ رائے

ازاں صورت او را جدائی ندید
چرا شرط خدمت نیارد بجائے

بدانست قیدافہ کاو قیصر است
زسر تا قدم دید در شہریار

یراں لشکر تا مور مہتر است
زر پختہ را بر محک زد عیار

بدو گفت کائے مرد گستردہ کام
چو نیکو نگہ کرد پیشش خرام

بیا تا چہ دادت سکندر پیام
بہ تخت خود آرام گہ ساختش

چنیں داد پاسخ کہ شاہ جہاں
سکندر بہ رسم فرستادگاں

سخن گفت با من میان مہاں
نگہ داشت آئین آزادگاں

کہ قیدافۂ پاک دل را بگوئے
پس آنگہ گزارش گرفت از پیام

کہ جز راستی در زمانہ مجوے
کہ شاہ جہاں داد نیک نام

---

[1] یعنی بے احتیاطی سے ہاتھ نہ لگانا۔

مگر سر نہ پیچی ز فرمان من
چنیں گفت کائے داور نامجوی

نگہدار بیدار پیمان من
ز نام آوران جہاں بردہ گوی

وگر ہیچ تاب اندر آرے بدل
چہ افتاد کز ماہ عنان تافتے

بیارم یکے لشکرے دل گسل
سوئے ما تو یک روز نشتافتے

برآرم دمار از ہمہ لشکرت
ز بونے چہ دیدی کہ توسن شدی

بہ آتش بسوزم ہمہ کشورت
چہ پیدا کردم کہ دشمن شدی

بدو گفت کائے زادہ قیلقوس
چو من رو دریں مملکت ساختم

ہمت رزم بزم ست و ہم نعم و بوس
برو سایہ دولت انداختم

دلیر آمدی پیش من باژ خواہ
کمر چوں نہ بستی بدرگاہ من

ندانم ترا ایں کہ بنمود راہ
چرا روئے بیچیدے از راہ من

سکندر ز گفتار او گشت زرد
بہ پاسخ نمودن زبان ہوشمند

روان پُر ز درد و رخان لاجورد
ز یاقوت سرپستہ بگشاد بند

بدو گفت کائے مہتر پُر خرد
کہ صد آفریں بر تو شاہ دلیر

چنیں گفتہ از تو نہ اندر خورد
کہ پیغام خود خود گزاری چو شیر

منم نیقلقون کہ خدائے جہاں
چناں آیدم در دل اے پہلواں

جز ایں بچۂ فیلقوسم مخواں
کہ با ایں سرد سایۂ خسروان

بدو گفت قیدافہ گر داوری
میانجی نۂ شاہ آزادۂ

لبت را ببر داز کاسکندری
فرستندۂ نہ فرستادۂ

بیاورد و بنہاد پیشش حریر
پیام تو چوں تیغ گردن زند

نوشتہ بر و صورتے دلپذیر
کہ از زہرہ کیں تیغ بر من زند

کہ گر ہیچ جنبش بدے در نگار
ز تیغ سکندر چہ رانی سخن

نبودے جز اسکندر شہریار
سکندر تو ئی چارہ خویش کن

مرا خواندی و خود بدام آمدی
نظر بختہ تو کن کہ خام آمدی

جہاندار گفت اے سزاوار تخت
پژوہش من چرا بہ فرمان بخت

# نظامی

سکندر محیط است و من جوئے آب
منہ تہمت سایہ بر آفتاب

بدرگاہِ او بیش ازاں ست مرد
کہ او را قدم رنجہ بایست کرد

دگر بار نوشابۂ ہوشمند
ز نوشین لب خویش بکشاد بند

کزیں بیش بر دلفریبی مباش
بہ ناراستی یکرکیبی مباش

پیامت بزرگ است و نامت بزرگ
نہفتہ مکن شیر در چرم گرگ

فرستادہ را نیست ایں دسترس
کہ با ما بہ تندی بر آرد نفس

نہ جبّاری خویش را کم کند
نہ در پیش من پشت را خم کند

جوابش چنیں داد شاہ دلیر
کہ ناید ز روباہ پیغام شیر

اگر من چہ چشمِ تو نام آورم
سکندر نیم زو پیام آورم

اگر در میانجی دلیر آمدم
نہ از رو بہ از نزد شیر آمدم

بر آشفت نوشابہ زاں شیر دل
کہ پوشید خورشید را زیر گل

بفرمود کار دکنیزے دواں
حریرے بر و پیکر خسروان

یکے گوشہ از شقۂ آں حریر
بدو داد کیں نقش بر دست گیر

بہ بیں تا نشانِ رُخ کیست ایں
دریں کارگاہ از پے چیست ایں

اگر پیکر تست چندیں مکوش
بہ ابروے خود آسماں را مپوش

سکندر بغرمان او ساز کرد
حریر نوشتہ زہم باز کرد

بعینہ در و صورت خویش دید
ولائت بدست بد اندیش دید

بترسید و شد رنگ رویش چو کاہ
بدارائے خود برد خود را پناہ

(۱) سب سے پہلے اس پر نظر ڈالو کہ جہاں ایک ہی خیال، ایک ہی واقعہ، ایک ہی بات کو دونوں نے لکھا ہے۔ وہاں بھی، بندش الفاظ کے لحاظ سے کس قدر فرق ہے۔ نظامی کی ترکیبوں کی چستی، قافیوں کی بلندی، فقروں کے دروبست، الفاظ کے شکوہ کا یہ انداز ہے۔ کہ گویا شیر گونج رہا ہے۔ اس کے مقابلہ میں فردوسی کا کلام ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جس طرح کوئی پراتم بڈھا پیرانہ لہجہ میں ٹھہر ٹھہر کر باتیں کرتا ہے۔ ان اشعار کا مقابلہ کرو۔

| فردوسی | نظامی |
| --- | --- |
| ز زر بفت پوشید چینی قبائے | پریچہرگاں را بصد گونہ زیب |
| فراواں پرستندہ پیشش بپائے | صف اندر صف آراستہ آں دلفریب |
| بر مہتر اندر زمیں داد بوس | سکندر بہ رسم فرستادگاں |
| چناں چوں بود مردم چاپلوس | نگہ داشت آئین آزادگاں |
| سکندر بداں در شگفتے بماند | نہانے دراں قصر زیبندہ دید |
| فراواں نہاں نام یزداں بخواند | بہشتی سرائے فریبندہ دید |
| بہ مے خوردن اندر گراں مایہ شاہ | ز سر تا قدم دید در شہریار |
| فزوں کرد سوئے سکندر نگاہ | ز رنجتہ را بر محک زد عیار |
| بہ گنجور گفت آں درخشاں حریر | یکے گوشہ از شقۂ آں حریر |
| نبشتہ بر صورتے دلپذیر | بدو داد کیں نقش بر دست گیر |
| کہ قیدافۂ پاک دل را بگوئے | چنیں گفت کاے داور نامجوے |
| کہ جز راستی در زمانہ مجوی | ز نام آوراں جہاں بردہ گوی |
| دلیر آمدی پیش من باز خواہ | کہ صد آفریں بر تو شاہِ دلیر |
| ندانم ترا ایں کہ بنمود راہ | کہ پیغام خود خود گزاری چو شیر |
| بدو گفت قیدافہ کز داوری | میا نجی بۂ شاہ آزادۂ |
| لبت را بپردار کا سکندی | فرستندۂ نہ فرستادۂ |
| سکندر ز گفتار او گشت زرد | بترسید و شد رنگ رویش چو کاہ |
| رواں پُر زور دو رخاں لاجورد | بہ دارائے خود برد، خود را پناہ |
| منم نیطقون کہ خدائے جہاں | سکندر محیط است و من جوئے آب |
| جز ایں بچۂ فیلقوسم مخواں | منہ تہمت سایہ بر آفتاب |

(۲) انہی اشعار میں بلاغت کا فرق دیکھو۔

| فردوسی | نظامی |
| --- | --- |
| فراواں پرستندہ پیشش بپائے | صف اندر صف آراستہ آں دلفریب |

فردوسی کے بیان سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ غلاموں اور لونڈیوں کا ہجوم

تھا۔ اور سب کھڑے تھے، لیکن **نظامی** کے بیان سے اُن کا باقاعدہ صف بہ صف ایستادہ ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔ "آراست" کے لفظ نے اِس خصوصیت کو اور روشن اور خوشنما کر دیا ہے۔

| **فردوسی** | **نظامی** |
|---|---|
| بر مہتر اندر زمیں داد بوس<br>چناں چوں بود مردم چاپلوس | سکندر بہ رسم فرستادگاں<br>نگہ داشت آئین آزادگاں |

**فردوسی** نے سکندر کی شان کا کچھ لحاظ نہیں رکھا، زمین چومنا خوشامدیوں کا شیوہ ہے۔ **فردوسی** کو اس پر بھی قناعت نہیں، بلکہ کھول کر کہتا ہے۔ کہ سکندر نے اس طرح زمین چومی جس طرح خوشامدی چوما کرتے ہیں **نظامی** نے اگرچہ "برسم فرستادگاں" کے لفظ سے ظاہر کر دیا ہے کہ سکندر نے قاصدوں کے طریق اور آئین کو ملحوظ رکھا تھا۔ تاہم دوسرے مصرع میں دفع دخل بھی کر دیا کہ اس حالت میں بھی اپنی آن تان نہیں چھوڑی۔

| **فردوسی** | **نظامی** |
|---|---|
| سکندر بداں در شگفتے بماند<br>فراواں نہاں نام یزداں بخواند | نہانے دراں قصر زیبندہ دید<br>بہشتی سرائے فریبندہ دید |

**فردوسی** کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سکندر بالکل ندیدہ تھا۔ دربار کے ٹھاٹھ کو دیکھ کر مبہوت ہو گیا تھا۔ اور بار بار خدا کا نام لیتا تھا۔ **نظامی** نے مکان اور ایوان کی عمدگی اور خوبی کا اثر سکندر پر طاری کرنا چاہا ہے۔ لیکن اسی قدر کہ وہ کنکھیوں سے دیکھتا جاتا تھا۔

| **فردوسی** | **نظامی** |
|---|---|
| فزوں کرد سوے سکندر نگاہ | زسر تا قدم دید در شہریار |

فزوں نگاہ کردن، سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ **فیدافہ** سکندر کو بڑی دیر تک دیکھتا رہا۔ ممکن ہے کہ صرف چہرہ پر ہی دیر تک اُس کی نظر جمی رہی، لیکن صرف چہرہ کی مشابہت پہچاننے کے لئے کافی نہیں، اکثر ایسا ہوتا ہے، کہ دو آدمیوں کے چہرے ملتے جلتے ہوتے ہیں، لیکن اور اعضا میں فرق ہوتا ہے۔ بخلاف اُس کے **نظامی** کے بیان سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ نوشابہ نے سکندر کو سر سے پاؤں تک دیکھا، یعنی نہ صرف چہرہ بلکہ تمام اعضا اور ڈیل ڈول، رنگ روپ، سج دھج کو بھی دیکھا۔ جس سے صاف ثابت ہو گیا کہ یہ سکندر ہے۔

| فردوسی | | نظامی |
|---|---|---|
| کہ قیدافۂ پاک دل را بگوے<br>کہ جز راستی در زمانہ مجوے | | چنیں گفت کاے داور نامجوے<br>زنام آوراں جہاں بردہ گوے |

قاصد کا بادشاہ کے دربار میں بادشاہ کا نام لینا، اور پھر فوراً تنبیہ اور نصیحت شروع کر دینا، دستور کے خلاف ہے۔ اس لئے **نظامی** نے نام نہیں لیا بلکہ داور نامجو کے لفظ سے خطاب کیا اور اس کے ساتھ مدحیہ الفاظ اضافہ کئے۔

| فردوسی | | نظامی |
|---|---|---|
| دلیر آمدی پیش من باز خواہ<br>ندانم ترا ایں کہ بنمود راہ | | کہ صد آفریں بر تو شاہ دلیر<br>کہ پیغام خود خود گزاری چو شیر |

فردوسی نے اس بات کو کہ قیدافہ نے سکندر کو پہچان لیا۔ نہایت بے مزہ طریقہ سے بیان کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ یہ الفاظ کہ معلوم نہیں کس نے تم کو یہ طریقہ سکھایا، اور بھی بدتہذیبی ہے بخلاف اس کے **نظامی** اسی بات کو اس طرح ادا کرتے ہیں جس سے یہ ظاہر معلوم ہوتا ہے۔ کہ **نوشابہ** کو یہ ظاہر کرنا مقصود نہیں کہ میں نے آپ کو پہچان لیا۔ بلکہ وہ سکندر کی دلیری اور جرأت کے اثر سے متاثر ہے، اور بے اختیار تعریف کرتی ہے۔

| فردوسی | | نظامی |
|---|---|---|
| سکندر ز گفتار او گشت زرد<br>رواں پُر ز زور و رخاں لاجورد | | بترسید و شد رنگ رویش چو کاہ<br>بہ دارائے خود بر دخود را پناہ |

اس قدر مضمون دونوں کے ہاں مشترک ہے کہ جب سکندر کو معلوم ہوا کہ بادشاہ نے اُس کو پہچان لیا، تو وہ ڈرا، اور متردد ہوا، لیکن **فردوسی** نے اس کے ڈرنے کو اس قدر حد سے بڑھا دیا۔ جو سکندر کی شان سے بالکل بعید ہے۔ رواں پُر زور و رخاں لاجورد **نظامی** کے بیان سے بھی اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ سکندر کا رنگ زرد پڑ گیا۔ اور دل میں خدا سے دُعا مانگی کہ اس خطرہ سے بچ جائے، لیکن اتنا بھی بدحواس نہیں ہوا کہ دل میں ٹیس اٹھنے لگی۔ فردوسی نے پہلے مصرع میں سکندر کا زرد پڑ جانا بیان کر دیا تھا۔ لیکن اس پر بھی تسلی نہیں ہوئی اور دوسرے مصرع میں پھر کہنا پڑا "رخاں لاجورد"۔

(۳) اب عام طرح پر نظر ڈالو، جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو سب سے پہلے

یہ دیکھنا چاہیئے کہ بیان کرنے والا واقعہ کا خاکہ (پلین) کیونکر قائم کرتا ہے۔ اور یہ بلاغت کا پہلا لیکن سب سے ضروری مرحلہ ہے

**فردوسی** نے واقعہ کا جو خاکہ قائم کیا ہے۔ اس میں متعدد ناموزونیاں ہیں۔

(۱) سکندر قاصد کے لباس میں خوشامدیوں کی طرح دربار میں آداب بجالاتا ہے،

(۲) دربار کو دیکھ کر مبہوت ہو جاتا ہے۔ گویا کبھی شاہانہ دربار دیکھا ہی نہ تھا۔

(۳) حالانکہ سکندر کی رفتار گفتار، طور و طریقہ سے ابھی کوئی بات ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ جس سے اس احتمال کی طرف ذہن جائے کہ یہ خود سکندر ہے تاہم بادشاہ کو شبہ ہوتا ہے۔ اور وہ سکندر کے چہرہ کو بہت غور سے دیکھتا ہے۔ اس لئے **نظامی** نے اس کا یہ پہلو نکالا کہ سکندر نے قاصدوں کی طرح سجدہ نہیں کیا تھا۔ اور پیغام اس شان سے ادا کیا کہ قاصد اس دلیری اور جرأت سے ادا نہیں کر سکتا تھا، اس حالت میں شبہ پیدا ہونا ضرور تھا۔ اور شبہ کو اس لئے قوت ہوئی کہ سکندر کی تصویر اُس کی نظر سے گزر چکی تھی۔

(۴) **قیدافہ** نے سکندر کے سامنے ہی تصویر منگا کر دیکھی۔ حالانکہ جب مخفی طور سے سکندر کو پہچاننا مقصود تھا۔ تو سکندر کے سامنے تصویر منگوا کر دیکھنا نہ چاہیئے تھا۔

(۵) سکندر جب قاصد کی حیثیت سے پیغام ادا کرتا ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ آداب شاہی سے ناواقف ہے۔ اول تو بادشاہ کا نام لینا خلاف ادب ہے، اس کے علاوہ پہلے ہی سخت کلامی شروع کر دینی، نہائت بدتہذیبی ہے۔

| | |
|---|---|
| برآرم دمار از همه لشکرت | به آتش بسوزم همه کشورت |

(۶) سکندر جب اپنے آپ کو چھپاتا، اور سکندر کا قاصد ہونا ظاہر کرتا ہے۔ تو اس کو سکندر کا نام بڑی تعظیم و تکریم سے لینا چاہیئے تھا۔ لیکن وہ سکندر کو بچۂ فیلقوس کے خطاب سے یاد کرتا ہے۔

ع۔ جز ایں بچۂ فیلقوسم مخواں۔

اس کے مقابلہ میں **نظامی** نے جس طرح اس تمام واقعہ کا خاکہ کھینچا ہے وہ یہ ہے نوشابہ کو جب معلوم ہوا کہ سکندر کے دربار سے قاصد آتا ہے۔ تو اُس نے بڑے ساز و سامان سے دربار آراستہ کیا، خود بھی بن ٹھن کر ہاتھ میں ایک ترنج لئے ہوئے تخت شاہی پر

---

[۵] اس بیان میں فردوسی اور نظامی کے اشعار مکرر آگئے لیکن اس بحث کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کیلئے ایسا کرنا ضرور تھا۔

بیٹھی۔ سامنے پری چہرہ کنیزیں صف باندھ کر کھڑی ہوئیں، پھر سکندر کو طلب کیا، سکندر دربار میں آیا۔ تو آداب شاہی کے موافق کمر بند سے تلوار کھول کر رکھ دی لیکن سجدہ نہیں کیا۔ اس موقع پر دربار جو جواہرات سے جگ مگ کر رہا تھا۔ اُس کو نہایت مبالغہ آمیز پیرایہ میں ادا کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| زتابندہ یاقوت درخشندہ لعل | خرامندہ را آتشیں گشت نعل |
| مگر کان و دریا بہم تاختند | ہمہ گوہر آں جا برانداختند |

قاصد کے شاہانہ طرز کلام سے نوشابہ کو شبہ ہوا کہ یہ خود سکندر ہے۔ خوب غور سے دیکھا تو یقین ہو گیا۔ قاصد نے اب پیغام ادا کرنا شروع کیا کہ شہنشاہ نے کہا ہے کہ ہماری طرف کیا کمی ہوئی جو تم نے بے اعتنائی کی، آج تک تم دربار میں نہ آئے، ہم ان اطراف میں بھی آئے۔ لیکن تم نے ادھر رُخ نہ کیا۔

**نوشابہ** نے کہا کہ آپ کی جرأت پر صد ہزار آفرین ہے۔ کہ آپ اپنا پیغام ادا کرتے ہیں۔ آپ کی باتیں تلوار کا کاٹ کرتی ہیں۔ یہ تلوار اور کس کی مجال ہے کہ مجھ پر چلائے۔ سکندر انکار کرتا ہے۔ کہ میں سکندر نہیں۔ پھر اس کی نہایت عمدہ توجیہیں بیان کرتا ہے۔ کہ کجا سکندر، کجا میں، سکندر کے دربار میں آدمیوں کی کیا کمی ہے۔ کہ خود قاصد بن کر آتا۔ اس موقع پر نوشابہ و اسکندر کے سوال و جواب کو نہایت بلیغ انداز میں طول دیا ہے، آخر نوشابہ جھلا کر سکندر کی تصویر منگوا کر اُس کو دکھائی۔ اور سکندر لاجواب ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس کے ساتھ خطرہ کے خیال سے اُس کے چہرہ کی رنگت زرد پڑ جاتی ہے۔

اس تمام سلسلہ میں کہیں سے کوئی کسر نہیں، تمام واقعات، اصلیت اور نیچر کے مطابق ہیں۔ اس کے ساتھ فصاحت و بلاغت، تشبیہات اور استعارات کی ندرت اور لطافت، الفاظ کی شان و شکوہ، ان تمام باتوں نے اس داستان کو سحر سامری بنا دیا ہے۔

نظامی اور فردوسی میں یہ فرق اور بہت سے موقعوں پر نظر آتا ہے لیکن طول کے لحاظ سے ہم قلم انداز کرتے ہیں۔ سکندر و دارا کی گفتگو اوپر گزر چکی ہے۔ اس کو اس موقع پر ایک بار اور دیکھ لینا چاہیئے۔ ان سب باتوں پر بھی فردوسی فردوسی ہے اور نظامی نظامی۔

# چند ضروری باتیں

(۱) شعر العجم کے چار حصوں میں سے یہ پہلا حصہ شایع ہو رہا ہے۔ اس میں صرف قدیم شعراء کے حالات اور اُن کی شاعری سے بحث ہے، دوسرا اور تیسرا حصہ مطبع میں جا چکا ہے۔ پہلے حصہ کی تالیف میں اگرچہ تدقیق اور محنت میں کچھ کمی نہیں کی گئی لیکن مجھکو صاف کہنا چاہیئے کہ یہ حصہ اور تمام حصوں کی بہ نسبت کم دلچسپ ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کی تصنیف کی دلچسپی یا شعراء کے حالات سے ہو سکتی تھی۔ یا اُن اشعار سے جو جا بجا مثال میں پیش کئے جاتے ہیں۔ قدیم شعراء کے حالات کم ملتے ہیں۔ اور یہ حصہ قدما ہی تک محدود ہے۔ دقیقی، عنصری، نظامی، بہت بڑے رتبہ کے شاعر ہیں۔ لیکن ان کے حالات اور واقعات اسقدر کم ہیں کہ مجبوراً چھوٹی چھوٹی باتوں کو لے کر پھیلانا پڑا ہے۔ قدماء میں سے دور اوّل کی زبان آج بالکل نامانوس ہے۔ دقیقی، فردوسی، منوچہری، عنصری، کے متواتر دو شعر بھی آج کل کی زبان میں نہیں ملتے، اس کے علاوہ ان کی شاعری میں عشق کی چاشنی گویا ہے ہی نہیں، اس لئے ان کے کلام میں آج کل کے لوگوں کو مزا نہیں آسکتا۔

غرض یہ حصہ چنداں تفریح اور تفنّن کے کام کا نہیں۔ اس کو ایک علمی خشک مضمون کی حیثیت سے پڑھنا چاہیئے، باقی حصے البتہ دلچسپ، بامزہ اور رنگین ہیں۔

(۲) چونکہ کتابوں کی تفحّص اور تلاش کا سلسلہ اب تک قائم ہے۔ اور بعض بعض نادر کتابیں اس حصہ کی تصنیف کے بعد ہاتھ آئیں۔ اس لئے وہ معلومات جو ان کتابوں سے ہاتھ آئے۔ اب چوتھے حصے کے کام آئیں گے، مثلاً تمام تذکروں میں مذکور ہے۔ ایران میں سب سے پہلے بہرام گور نے شعر کہا۔ اور وہ یہ تھا۔

| | |
|---|---|
| من آں پیل ژیاں و منم آں شیر بیلہ | نام بہرام مرا و پدر بوجبلہ |

لیکن میں نے اس روایت کو اس لئے نظر انداز کیا تھا۔ کہ اوّل تو یہ اس زمانہ کی زبان نہیں ہو سکتی۔ دوسرے یہ کہ بہرام کے کلام میں ابوجبلہ عربی لفظ کیوں آتا۔ لیکن لب اللباب عوفی کی پہلی جلد، کتاب کی تصنیف کے بعد چھپ کر یورپ سے آئی تو اس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ بہرام گور عرب میں پلا تھا۔ اور عربی زبان میں شعر کہتا تھا۔ چنانچہ عوفی نے اس کا عربی دیوان خود دیکھا تھا۔ لب اللباب میں یہ شعر کسی قدر تغیر کے ساتھ مذکور

ہے جس سے اس کی ساخت اور زبان دونو پر اثر پڑتا ہے۔

(۳) دنیا میں ناممکنات کی اب تک جو فہرست تیار ہو چکی ہے۔ اس میں ایک نمبر "کتاب کا صحیح چھپنا" بھی اضافہ کرنا چاہیئے، یہ مصیبت مدت سے مجھ کو پیش آتی ہے۔ لیکن علاج کی کوئی صورت نہیں نکلتی، کاپیوں اور پروف کی تصحیح چنداں کام نہیں دیتی، چھپنے میں حرف کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں۔ کسی کتاب کے ساتھ غلط نامہ لگانا بھی بیکار سا ہے۔ غلط نامہ سے کتاب کو مطابق کر کے تصحیح کرنا، اتنی بڑی زحمت کون اٹھائے۔ اسی بنا پر میں نے کبھی اس کا قصد نہیں کیا لیکن شعر العجم فارسی لٹریچر کا آئینہ ہے۔ اس کی غلط بیانی کا اثر خود زبان پر پڑ سکتا ہے۔ اس لئے چار و ناچار میں خود زحمت اٹھاتا ہوں اور احباب کو بھی زحمت دیتا ہوں خفیف غلطیاں تو اس قدر ہیں کہ سب کا احصار کروں تو ایک اور کتاب تیار ہو جائے۔ اس لئے موٹی موٹی غلطیاں لکھ دی ہیں۔ ایک عام غلطی یہ ہے کہ بین السطور میں جہاں کہیں میں نے کسی لفظ کے نیچے اس کے معنے لکھ دیئے ہیں۔ کاتب صاحب وہاں سے ہٹا کر کسی دوسرے لفظ کے نیچے وہ معنے لکھ دیتے ہیں۔ اور اس سے مصنف کی سخت جہالت ثابت ہوتی ہے۔

ایک جگہ اہل مطبع نے نہیں بلکہ میں نے خود سخت غلطی کی ہے جس سے فردوسی کی شاعری پر حرف آتا ہے۔ اس لیے نہایت ندامت کے ساتھ فردوسی سے اس کی معافی چاہتا ہوں، کتاب کے ۱۶۷ صفحہ سطر میں یہ عبارت ہے۔

صلاح و مشورہ کے لئے لوگ جمع ہوئے ہیں، اس میں کھانا بھی سامنے آگیا ہے۔ لوگ کھانے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کو اس طرح ادا کرتا ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| پے مشورہ مجلس آراستند | | نشستند خوردند برخاستند | |

لیکن فردوسی کا شعر میں نے غلط نقل کیا۔ اور اس لئے معنی بھی غلط لکھے شعر کا دوسرا مصرع اصل میں یوں آیا ہے۔ ع

نشستند و گفتند و برخاستند

نکتہ دان بلاغت جانتا ہے کہ اس ایک لفظ (گفتند) کے تغیر سے شعر برباد ہو جاتا ہے ؛

(شبلی نعمانی)

تمام شد